عثمانؓ اور خلافتِ عثمانؓ

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱	مقدمہ	۱۹

سوانح
۳۳ تا ۶۶

بیعتِ خلافت

صفحہ ۶۹ تا ۹۳

فتوحاتِ جدیدہ

ص۱۱۵ تا ص۱۴۹

فتنہ کا آغاز

صد ۱۵۴ تا صد ۲۰۷

فتنے کے حقیقی اسباب

صد ۲۰۵ تا صد ۲۲۲

عبداللہ ابن سبا

ص ۲۲۵ تا ص ۲۵۷

کوفہ میں فتنے کا آغاز

صفحہ ۲۶۱ تا صفحہ ۲۸۳

بصرہ میں اختلاف

صفحہ ۲۸۷ تا صفحہ ۲۹۶

اِصلاحِ احوال کی کوشش

صـ ۲۹۹ تا صـ ۳۲۲

اعتراضات اور جوابات

صـ ۳۲۵ تا صـ ۳۹۶

مدینہ پر یورش

صفحہ ۳۶۹ تا صفحہ ۳۹۳

۳۰. ۳۹۰

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

ص ۳۹۷ تا ص ۴۴۷

حالات و کردار

ص۴۷۷ تا ص۴۹۶

نظامِ سلطنت

ص ۴۹۹ تا ص ۵۱۰

علم و فضل

ص ۵۱۳ تا ص ۵۲۴

دینی خدمات

صـ۵۲۷ تا صـ۵۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اس آسمان کے نیچے جو ظلم ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوا اس کی نظیر چشم فلک نے شاید ہی دیکھی ہو کہ جب رسولِ خدا کے داماد، آپ کے مقدس صحابی، مسلمانوں کے خلیفہ اور معلوم دنیا کے سب سے بڑے حکمران کو ۸۲ سال کی عمر میں نہایت سفاکی سے شہید کر دیا گیا۔ اس حالت میں کہ وہ روزے سے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ تاریخِ اسلام کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ مسلمانوں کا حاکم مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حاکم بھی ایسا کریم النفس اور رحیم الطبع کہ جس نے عفو و کرم کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ اس پر جھوٹے الزامات لگائے گئے۔ وہ صبر کرتا رہا۔ اس پر بار بار یورشیں کی گئیں مگر اس نے درگذر سے کام لیا۔ اس پر پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ وہ لہولہان ہو کر گر پڑا۔ مگر پھر بھی اس نے اپنے حامیوں کو یہی ہدایت کی کہ خبردار مسلمانوں کا خون

نہ بہانا۔ اس واقعے کا سب سے زیادہ المناک پہلو یہی ہے کہ یہ خلیفۂ مظلوم انہیں لوگوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا جن کے لئے اس نے اپنی محبت و شفقت کے بازو پھیلائے۔ اس سے بھی زیادہ دلدوز اور روح فرسا حادثہ یہ ہے کہ اس سفاکانہ اور تاریخِ عالم کے ہولناک قتل کے محرکات پر پردہ ڈالنے کے لئے بڑی مکروہ حرکات کی گئیں۔ سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے والوں نے اس سازش کو جس ہوشیاری سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اسی ہوشیاری سے سازشِ قتل کے نشانات مٹانے کی بھی کوشش کی اور اس میں وہ اس حد تک ضرور کامیاب ہو گئے کہ آج حضرت عثمانؓ کو خلیفۂ برحق تسلیم کرنے والوں کا ایک طبقہ بھی اس قتل کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری حضرت عثمانؓ پر ضرور عاید کرتا ہے۔ اس طبقے کے خیال میں حضرت عثمانؓ نہایت کمزور حاکم تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کو سرکاری مناصب پر فائز کر کے خویش پروری اور اقربا نوازی کا ارتکاب کیا۔ بیت المال کے دروازے اپنے رشتہ داروں کے لئے کھول دیئے اور خود بے اندازہ دولت جمع کی۔ ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال کو درست تسلیم کر لینے کے بعد شہادتِ عثمانؓ کے اصل ذمہ دار خود حضرت عثمانؓ قرار پاتے ہیں۔ یہ تو وہ ظلم تھا جو حضرت عثمانؓ پر کیا گیا لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔

ستم تو یہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بے نفس صحابہ خصوصاً حضرت علیؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بھی معاف نہ کیا گیا اور اسلام کے ان بے لوث خادموں کا دامن بھی قتل عثمان میں ملوث کر لیا گیا۔ ان غلط واقعات کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے روایت سازی کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا گیا ۔۔۔ یہ روایتیں نہایت ہوشیاری سے وضع کی گئیں اور حضرت عثمانؓ کے بعض معاصرین کے ناموں سے منسوب کر دی گئیں بعد میں یہی روایتیں ہماری تاریخ کی اساس بن گئیں۔ یہ بہت بڑی سازش تھی جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی گئی۔ اس طرح ایک طرف امت مسلمہ اختلاف و انتشار میں مبتلا ہوئی اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ کا وقار کم علم اور ناواقف لوگوں کی نگاہوں میں کم ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے طرح طرح کے وسیلے اختیار کئے گئے اور ان کا مرتبہ گھٹانے کے لئے ان کی نجی زندگی۔ ان کی سیاسی زندگی اور ان کی دینی خدمات غرض ان کے ہر گوشۂ حیات کو ہدفِ تنقیص بنایا گیا۔

یہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے اور سیکڑوں سال تک اس میں کسی کو شک و شبہ نہ رہا کہ حضرت عثمانؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا داماد ہونے کا شرف حاصل تھا اور حضورؐ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیں، چونکہ یہ ایسی فضیلت تھی جو امت محمدیہ میں حضرت عثمانؓ کے سوائے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور اس شرف و عظمت کی موجودگی مخالفینِ عثمانؓ کے ارادوں کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی اس لئے سرے سے آپ کے اس شرف و فضیلت ہی کا انکار کردیا گیا اور تاریخ کی اس مسلّمہ حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک بیٹی تھی جو حضرت علیؓ کے نکاح میں تھی حالانکہ قرآن حکیم ان لوگوں کے اس دعوے کی پرزور تردید کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے :- یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ (سورہ احزاب آیت نمبر ۶ رکوع نمبر ۸) (اے نبیؐ) کہہ دیجئے اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور تمام مومن عورتوں سے ؛ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک بیٹی ہوتی تو قرآن حکیم میں "بناتک" جو جمع کا صیغہ ہے کیوں استعمال ہوتا جس شخص عربی کی ذرا سی بھی شدبد ہے وہ جانتا ہے کہ اس زبان میں جمع کا صیغہ کم سے کم تین کے لئے استعمال ہوتا ہے اگر حضورؐ کی صرف ایک بیٹی ہوتی تو اللہ تعالیٰ "بناتک" کی بجائے "بنتک" فرماتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کی بیٹیوں کی تعداد ایک سے زیادہ تھی — خود

شیعہ حضرات کا بھی عرصۂ دراز تک یہی نظریہ رہا اور وہ تسلیم کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل تھا چنانچہ مشہور شیعہ عالم اور مصنف علامہ ملا باقر مجلسی ہجرتِ حبشہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

"گیارہ مرد اور چار عورتیں اہلِ مکہ سے چھپ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوئیں ان میں علاوہ اور لوگوں کے عثمانؓ اور رقیہؓ دخترِ رسولؐ بھی تھیں جو حضرت عثمانؓ کی بیوی تھیں"۔ حیات القلوب جلد دوم ص۲۹)

قرآن حکیم کے واضح ارشاد اور بہت بڑے شیعہ مجتہد کی اس بے لاگ رائے کے بعد اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہنی چاہیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں جن میں سے دو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں مگر افسوس کہ لوگوں نے ان حقائق کو یکسر نظر انداز کر دیا اور حضرت عثمانؓ کا مرتبہ کم کرنے کی غرض سے ان جعلی روایات کو قبول کر لیا جن کی قرآن حکیم اور مستند روایات کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اس کے بعد جب بیعتِ عثمانؓ کا واقعہ بیان کرنے کا وقت آیا تو حضرت عثمانؓ کے مخالف زاویوں کو پھر ایک موقع ہاتھ لگا اور انہوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ایک اور وار کیا۔

جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ خلافت حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ ہی کو ملنی تھی مگر عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ایک ایسی شرط لگا دی جو حضرت علیؓ کے نزدیک قابلِ قبول نہ تھی۔ اس طرح حضرت علیؓ کا حق چھن گیا اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے۔ اس روایت کا دوسرا مقصد یہ یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت علیؓ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لئے چھ افراد کی جو کمیٹی بنائی تھی جب اس نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو خلیفہ مقرر کرنے کا حق دے دیا تو انہوں نے پہلے حضرت علیؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور دونوں سے الگ الگ دریافت کیا کہ اگر آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے تو کیا آپ کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ، اور سیرتِ شیخینؓ کی پیروی کریں گے۔ حضرت علیؓ نے سیرتِ شیخینؓ (حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ) پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں اپنے علم کے مطابق کام کروں گا۔

مخالفینِ عثمانؓ اس جواب سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ چونکہ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ کو خلافت

تفویض کر دی کیونکہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی پیش کردہ شرط قبول کر لی تھی۔ روایت کے اسی نتیجے کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض کم فہم لوگوں نے سرے سے اس واقعے ہی کا انکار کر دیا اور اس روایت کو مجروح قرار دے دیا۔ حالانکہ نقص روایت کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے فہم کا ہے جنہوں نے اسے وہ معنی پہنائے ہیں کا اس واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ حضرت علیؓ کے الفاظ یہ ہیں ارجوا ان افعل واعمل بمبلغ علمی وطاقتی (تاریخ طبری جلد سوم ص۲۹۷) یعنی میں امید کرتا ہوں کہ جہاں تک میرا علم اور میری طاقت ساتھ دے گی میں (کتاب اللہ سنت رسولؐ اور سیرت شیخینؓ کے موافق) عمل کروں گا۔ اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو نہ اس روایت کو مجروح قرار دینے کی کوئی وجہ باقی رہے گی اور نہ اس سے حضرت علیؓ اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان کوئی اختلاف ثابت ہوگا۔ حضرت علیؓ کے یہ الفاظ کہ "اپنے علم اور طاقت کے مطابق" اس ساری روایت میں کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان الفاظ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے سیرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر عمل کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور سیرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر عمل کرنا مشکل کام ہے اس لئے میں یہ وعدہ تو نہیں کر سکتا کہ اس کی ہر شق پر عمل کروں گا

ہاں جہاں تک میرے امکان اور طاقت میں ہے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ تھا حضرت علیؓ کا مفہوم جسے گھما پھرا کر وہ معنی پہنائے گئے جو حضرت علیؓ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اس شرط کو قبول کر لیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو خلافت تفویض کر دی اور حضرت علیؓ کو محروم کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیک وقت دو آدمیوں کو تو خلیفہ مقرر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خلیفہ وقت صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخینؓ پر عمل کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں تو اب یہ دیکھنا تھا کہ ان دونوں میں سے عوام کا رجحان کس کی طرف ہے کیونکہ خلیفہ منتخب کرتے وقت یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ بہ طیبِ خاطر کس کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ چنانچہ "انہوں نے امہات المومنین، اکابرِ مدینہ، مہاجرین و انصار، سردارانِ فوج اور عوام الناس سے دریافت کیا حتیٰ کہ درس گاہوں میں جا کر طلبہ سے اور گھروں میں جا کر خواتین سے پوچھا۔ مدینہ آنے والے مسافروں اور دیہات تک کے لوگوں سے دریافت کیا۔ وعائیں کیں استخارہ کیا[1]" اور علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق "آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۱۴۶

نہ حضرت عثمانؓ کے علاوہ کسی اور کے حق میں رائے دی ہو۔[1]

ان حالات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے اس کے سوا کوئی اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیتے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ صریح غداری ہوتی۔

حضرت عثمانؓ کی بیعتِ خلافت کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کے بعد مخالفین نے حضرت عثمانؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت کو ہدفِ تنقید بنایا اور چن چن کر ایسے واقعات کا انتخاب کیا جن میں رنگ آمیزی کر کے وہ اپنے مفید مطلب نتائج نکال سکتے تھے (حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کو ایک قرأت کے مطابق لکھوا کر عالمِ اسلام کو انتشار و اختلاف سے بچا لیا۔ اس طرح انہوں نے امت پر احسانِ عظیم کیا مگر افسوس کہ قرآن کے اس بہت ۔۔۔ بڑے خادم کے اس اقدام پر بھی اعتراض کیا گیا۔

(گورنروں اور وزراء کا تغیر و تبدل حکمرانوں کے معمولات میں داخل ہے اور اس کے بغیر کارِ حکومت چل نہیں سکتا۔ تاریخ سے کسی ایک حکمران کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے ملکی ضروریات کے تحت اپنے گورنروں، وزیروں اور اضلاع کے حکام کو تبدیل اور بعض کو معزول نہ کیا ہو۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے بعض گورنروں اور حکام کو تبدیل و معزول کیا مگر چونکہ ان میں کچھ صحابہؓ بھی شامل تھے اس لئے مخالفین کو

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ہفتم صفحہ ۱۴۶

اپنے ارادوں کو جامۂ عمل پہنانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے اس اقدام کو بھی انہیں بدنام کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ ان پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ معمر لوگوں کی بجائے نوجوانوں کو حاکم بنایا حالانکہ کسی شخص کو حاکم مقرر کرتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ نوجوان ہے یا بوڑھا دیکھی اس کی صلاحیت جاتی ہے۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ۱۶، ۱۷ سال کی عمر کے لوگوں کو زمام اقتدار سونپی گئی اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر کیا جن کی عمر بیس[1] سال تھی۔

(1۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ہفتم صہ ۱۷۱)

یہ تو وہ چند اعتراضات تھے جو زمانۂ قدیم کے لوگوں نے حضرت عثمان پر کئے۔ زمانۂ حال چونکہ علم و حکمت کا زمانہ ہے اس لئے اس دور میں اعتراضات کا انداز بدل گیا ہے۔ اور اب اعتراضات کو بھی سائنٹیفک بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال عبداللہ بن سبا کے وجود کا انکار ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں انتشار پیدا کیا اور مسلمانوں کی مرکزیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ مخالفینِ عثمانؓ نے سوچا کہ جب تک عبداللہ بن سبا تاریخ کے صفحات میں موجود رہے گا اس وقت تک حضرت عثمانؓ کی پوزیشن محفوظ رہے گی اس لئے

انہوں نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر اسے درمیان سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ اس نام کا کوئی شخص کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس طرح انہیں اپنے عزائم کو جامۂ عمل پہنانے کا موقع مل گیا اور یہ ثابت کرنا آسان ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں میں ضرور خامیاں تھیں، ان کے عہد کے لوگ ان سے نالاں تھے ورنہ اتنا بڑا فتنہ کیسے اٹھ سکتا تھا۔ مصر کے نامور مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو یہ خیال اپیل کر گیا اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی تحقیق کے ساتھ اسے دنیا کے سامنے پیش کر دیا حالانکہ اگر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے واقعات کا مطالعہ تعصب کی عینک اتار کر کیا جائے تو ہر منصف مزاج انسان اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ان کے عہدِ خلافت کو تہہ و بالا کرنے میں ایک مضبوط ہاتھ اور ایک سازشی دماغ کام کر رہا تھا ورنہ جہاں تک حضرت عثمانؓ کا تعلق ہے انہیں کثرتِ رائے سے خلیفہ منتخب کیا گیا بلکہ ہر شخص ان کے انتخاب سے متفق تھا اور ان کی خلافت کو اپنے اور اسلام کے لئے باعثِ رحمت سمجھتا تھا۔ ساری ملتِ اسلامیہ میں ایک شخص ایسا نہ تھا جس نے ان کی بیعت سے انکار کیا ہو[1]

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (طبقات ابن سعد جزدوم ص۴۳)

انہوں نے اپنے عہد میں جس قابلیت سے وسیع و عریض ملک کا انتظام کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں حکمرانی کی غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ لوگ ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ہر طرف امن وامان اور خوش حالی کا دور دورہ تھا۔ اسلام اکنافِ عالم میں پھیل رہا تھا اور فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا۔ یہ کیفیت چھ سال جاری رہی۔ اس کے بعد کیوں ایسے حالات رونما ہوئے جنہوں نے نظمِ سلطنت میں اختلال پیدا کر دیا؟ اور یہ وہ عثمانؓ جن سے لوگ دل و جان سے محبت کرتے تھے۔ ایک طبقے کی نگاہ میں مغضوب ہو گئے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک عنصر ایسا تھا جس نے انہیں بدنام کرنے کے لئے ایک منظم مہم چلائی۔ یہی حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت بلکہ تاریخِ اسلام کا پیچیدہ باب ہے جو عام لوگوں ہی کے لئے نہیں بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ٹھوکر کا باعث بنتا ہے وہ روایتیں اس باب کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہیں جو مخالفینِ عثمانؓ نے اپنے مخصوص مفادات کے پیشِ نظر وضع کیں۔ جب تک ان جعلی روایات کو یک قلم ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ جب تک اصلی اور جعلی روایات میں امتیاز نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اس عہد کی صحیح تاریخ مرتب نہیں کی جا سکے گی اور نہ ان اسباب کا سراغ لگ سکے گا جن کی وجہ سے وہ ہولناک فتنہ رونما ہوا جس نے ایک

طرف خلیفۂ وقت کی جان لے لی اور دوسری طرف عالم اسلام کو انتشار و افتراق میں مبتلا کر دیا۔

یہ کتاب اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے تاکہ حضرت عثمانؓ کی شخصیت اور سیرت و کردار کی صحیح تصویر پیش کی جا سکے اور ان کے عہدِ خلافت میں رونما ہونے والے فتنے کے حقیقی اسباب کی نشاندہی کی جا سکے۔ ان سطور کا راقم خوش فہم نہیں ہے اور نہ اپنے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے مگر اسے اتنا ضرور یقین ہے کہ اگر قارئین نے اس کتاب کا مطالعہ غیر جانبدار ہو کر کیا اور واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ تاریخ جس شخص کو عثمانؓ بن عفان کے نام سے پکارتی ہے وہ مسلمانوں کا بہت بڑا محسن، شفقت و رحمت کا مجسمہ، نہایت اولوالعزم حکمران، صاحبِ تدبر و فراست اور اسلام کا فدائی تھا۔ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی، اس کے عہد کے لوگوں نے بھی اس سے انصاف نہیں کیا اور بعد میں آنے والوں نے بھی اس کے معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اس کی شخصیت کے گرد غلط فہمیوں کا ایک جال بُن دیا جو بڑے بڑے صاحبِ عقل اصحاب کو بھی شکار کر لیتا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد یہ جال ٹوٹ جائے گا اور حضرت عثمانؓ کی شخصیت اپنے حقیقی

خدوخال کے ساتھ نمایاں ہو جائے گی۔ (انشاء اللہ)

پیام شاہجہان پوری

لاہور۔ ۳۱۔ اگست ۱۹۶۶ء

سوانح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے عرب میں سخت قحط پڑا۔ لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ فاقوں پہ فاقے ہونے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اسی دوران میں ایک روز حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے لئے کشائشِ رزق کی صورت پیدا ہونے والی ہے اور صبح ہونے تک تم لوگوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ دوسرے دن صبح کو ایک شخص خوش خبری لایا کہ غلے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ مدینہ آئے ہیں۔ شہر کے تاجر اس مکان کے سامنے جمع ہو گئے جہاں اونٹوں کا قافلہ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ انہوں نے صاحبِ خانہ کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک خوبصورت شخص چادر اوڑھے نکلا۔ چادر کے گوشے اس کے کندھوں پر پڑے

ہوئے تھے۔ تاجروں نے اس شخص کو مخاطب کرکے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے آئے ہیں۔ یہ غلہ آپ ہمارے ہاتھ فروخت کردیجئے تاکہ اہل مدینہ کی تکلیف دور ہوجائے صاحب خانہ تاجروں کو اپنے مکان میں لے گیا اور انہیں غلہ دکھا کر دریافت کیا کہ تم لوگ قیمتِ خرید پر کس قدر نفع دوگے؟

تاجر: دس کے بارہ

مالک: کچھ اور اضافہ کرو۔

تاجر: دس کے چودہ لے لیجئے۔

مالک: کچھ اور بڑھاؤ۔

تاجر: دس کے پندرہ لے لیجئے۔

مالک: مجھے تو اس سے بھی زیادہ نفع مل رہا ہے۔

تاجر: مدینہ کے تاجر تو ہم ہیں وہ کون ہے جو اس سے بھی زیادہ منافع دے رہا ہے۔

مالک: کیا تم مجھے ایک پر دس منافع دوگے؟

تاجر: نہیں۔ ہم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔

مالک: مجھے تمہارے ساتھ سودا کرنا منظور نہیں ہے۔ میں یہ غلہ اسے دوں گا جو ایک پر دس دے گا۔ لہٰذا گروہ تجار! گواہ

رہو کہ میں یہ سارا غلہ اللہ کے نام پر فقرائے مدینہ کو خیرات کرتا ہوں۔[1]

نام ونسب اور خاندان

اس عالی ظرف، سیر چشم اور انسانی ہمدردی کے پیکرِ عظیم کا نام عثمانؓ تھا۔ عثمانؓ جو مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ اور ان کے لئے اللہ کی رحمت تھے۔ ہجرتِ نبویؐ سے ۴۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اُروی بنت کریز تھا۔ حضرت عثمانؓ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے چوتھی پشت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے اور والدہ مکرمہ کی طرف سے دوسری پشت میں۔ آپ کی دادی بیضا امِ حکیم آں حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت عثمانؓ خاندان بنو امیہ کے چشم وچراغ تھے اس خاندان کو دورِ جاہلیت میں بھی بڑا اعزاز حاصل تھا۔ قریش کا قومی پرچم جو عقاب کے نام سے مشہور تھا اسی خاندان میں رہتا تھا اور میدانِ جنگ میں حضرت عثمانؓ کے خاندان کا ممتاز شخص یہ پرچم بلند کرتا تھا۔ اپنی شجاعت کے لئے خاندانِ بنو امیہ ہمیشہ سے مشہور تھا اور تمام بڑی

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء، صفحہ ۲۲۴ حصہ دوم مطبع صدیقی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

بڑی جنگوں میں اس خاندان کے افراد اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ عرب کی مشہور لڑائی میں جو جنگِ فجار کے نام سے موسوم ہے، اس خاندان کے رئیس حرب بن امیہ نے اپنے لشکر کی قیادت کی تھی۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ، قرابت، اپنی شجاعت و بسالت اور امارت و سیاست کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کا خاندان مکہ کے ممتاز خاندانوں میں سے تھا اور سوائے بنو ہاشم کے شاید ہی کوئی خاندان خاندانِ بنو امیہ سے اونچا قرار دیا جا سکے۔

بچپن اور عہدِ شباب

تاریخ اس سوال کا خاطر خواہ جواب نہیں دیتی کہ حضرت عثمانؓ کے بچپن اور ابتدائے شباب کا زمانہ کس طرح اور کن حالات میں بسر ہوا۔ بعض روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکپن میں آپ اونٹ چرایا کرتے تھے جو عربوں میں ایک معزز پیشہ تھا۔ آپ قریش کے ان چند نوجوانوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائے عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا نوجوانی کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد آپ اپنے خاندانی پیشے کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؓ کے والد عفان مکہ کے بہت بڑے تاجر تھے اور ان کے تجارتی قافلے اکثر شام کی طرف جایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک تجارتی

قافلے کے ساتھ وہ شام گئے ہوئے تھے کہ اثنائے راہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے بہت سی دولت اور بہت بڑا کاروبار چھوڑ گئے جو حضرت عثمانؓ کو ترکے میں ملا۔[1] اب حضرت عثمانؓ پر ذمہ دارانہ زندگی کا بار آ پڑا اور انہوں نے جہد و عمل کے میدان میں قدم رکھا۔ انہوں نے اپنے والد کے ترکے کو ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی قابلیت اور حسنِ انتظام سے اس میں حیرت انگیز اضافہ کیا انہوں نے تجارت کے سلسلے میں شام و فلسطین کے متعدد سفر کئے اور ان کا ہر تجارتی سفر پہلے سفر سے زیادہ کامیاب ثابت ہوا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کا شمار مکہ کے رؤسا میں ہونے لگا اور ایک دن ایسا آیا جب وہ مکہ کے سب سے متمول شخص ہو گئے۔

قبولِ اسلام

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے واپسی پر ایک جگہ آپ کے قافلے نے پڑاؤ کیا رات کو جب آپ سونے کے لئے لیٹے تو نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ ص۱۵ حصہ اول (دارالمعارف مصر)

ایک شخص منادی کر رہا ہے کہ "اے سونے والو! اٹھو! کہ مکہ میں ایک شخص جس کا نام احمد ہے ہادیٔ برحق کی حیثیت سے ظاہر ہوا ہے۔" جب آپ مکہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی خالہ سعدی نے جو بڑی نیک اور پاکباز خاتون تھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا ذکر کیا۔ سعدی کاہنہ کے لقب سے مشہور تھیں اور کہا جاتا تھا کہ امورِ غیبی ان کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے تھے۔ سعدی نے حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کی تحریک کی!

یہ دوسرا موقع تھا جب آپ کو اسلام کی طرف رغبت ہوئی۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے جو حضرت عثمانؓ کے نہایت مخلص دوست تھے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی آپ کو اسلام کی دعوت دی اور حضورؐ کا پیغام نہایت موثر اور حکیمانہ طریقے سے آپ کے سامنے پیش کیا۔ کچھ نیم بیداری کی حالت میں ہاتف غیبی کی منادی۔ کچھ اپنی خالہ کی تحریک، کچھ حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ اور سب سے بڑھ کر اپنی فطری سعادت کی بنا پر حضرت عثمانؓ مشرف بہ اسلام ہونے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کاشانۂ رسالتؐ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بارگاہِ نبوت میں پہنچ کر جب حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے کہ "اے عثمانؓ! خدا تجھے جنت دے رہا ہے اسے قبول کر لے۔ میں

تجھے اور تمام مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" تو آپ کے قلب و دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً اپنا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں دے دیا اور اس طرح ان چودہ قدسی نفوس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی جو سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں اور جن کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں بڑی عزت ہے۔

راہِ حق میں ثبات واستقلال

جس وقت حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا وہ مسلمانوں کے لئے بڑا نازک دور تھا۔ اس عالم میں اسلام قبول کرنا موت کو دعوت دینا تھا اور بلا شبہ اس دور میں مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں بہت سے لوگوں نے دینِ حق کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ جو لوگ جامِ شہادت نوش نہ کر سکے انہیں کفارِ مکہ کے ہاتھوں ایسی ایسی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں جو موت سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ حضرت عثمانؓ بھی انہیں مظلوم افراد میں سے ہیں جنہیں قبولِ حق کے جرم میں جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچا کر اسلام سے روگرداں کرنے کی سر توڑ کوششیں کی گئیں۔ جب آپ کے چچا حکم بن العاص کو معلوم ہوا کہ اُن کا بھتیجا اپنے آبائی دین سے منحرف ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین میں

شامل ہوگیا ہے تو اسے یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے پہلے تو نرمی سے سمجھایا پھر زبانی تنبیہہ کی مگر جب اس کی یہ دونوں کوششیں کارگر نہ ہوئیں تو اس نے آپ کے پیر میں زنجیر ڈال کر باندھ دیا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا ایک روز وہ آپ کے پاس آیا اور بڑی دردمندی سے آپ کو مخاطب کر کے بولا کہ:۔

"اے میرے بھتیجے! تم شام سے بہت اچھا تحفہ ہمارے لئے لائے تمہاری اچھی تجارت ہے ہم کو یہ نفع ہوا کہ تمہیں کھو بیٹھے۔ آباؤاجداد کا دین ترک کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہکانے میں آ گئے۔ قدیم دین چھوڑ کر نئے طریقہ کو اختیار کیا۔ مذہب جدید سے رشتہ جوڑا پرانا تعلق قطع کر کے رشتہ آبائی توڑا۔ خبردار سن لو قدیم راہ چھوڑ کر ہرگز فلاح نہ پاؤ گے۔ اگر دین محمدی نہ چھوڑو گے تو زندگی بھر اس قید گراں و حبس شدید سے نہ چھوٹو گے تا زیست مبتلائے عذاب رکھوں گا۔ ایسی مصیبت و تکلیف میں دم توڑو گے کہ مرغ و ماہی تمہاری آہ و فغاں و نالۂ نارسا سن کر گریہ وزاری کریں گے۔ اگر تم سے ان مصائب سخت کا تحمل ممکن ہے تب محمد کے دین پر رہو ورنہ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ اپنے مذہب قدیم پر پھر آؤ۔ تمہاری یہ خطاؤ قصور معاف کر دوں گا اور تمہاری وہی عزت و حرمت جو اس سے قبل تھی پھر بحال ہو جائے گی"[1] (1۔ شمس التواریخ جلد چہارم ص۱۲)

حضرت عثمانؓ کے دل میں اسلام کی صداقت پوری طرح گھر کر چکی تھی۔ اس لئے ان پر چچا کی اس ترغیب و تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے بڑے ثبات و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے چچا کو نہایت ایمان افروز جواب دیا اور فرمایا کہ :۔

"اے میرے چچا! میں اسی خدائے قدوس کی قسم کھاتا ہوں جس نے اپنی رحمتِ کاملہ سے آسمانِ رسالت پر ایک ایسا روشن آفتابِ ہدایت طلوع فرمایا جس کے نورِ عالم تاب سے ظلمتِ کفر و ضلالت صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی اور تمام عالم جگمگا اٹھا۔ اگر میرا سر اس تنِ خاکی سے جدا بھی کر دیا جائے تو میرا یہ جسم بے جان و بے سر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آستانے پر پڑا رہے گا۔ اور اگر میرا تمام بدن آتشِ سوزاں سے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالو گے تب بھی وہ خاک اسی کوچے میں بگولوں کے ساتھ لپٹ کر پہنچ جائے گی ــ مجھ پر تمہارے اس قید رکھنے اور ایذا دینے کا مطلق اثر نہیں اور نہ میں اسلام سے پھر سکتا ہوں۔

اے میرے چچا! آپ اپنے خیالاتِ باطلہ سے باز آیئے اور میرے محبوب کی نسبت جو خیالِ فاسد آپ نے قائم کیا ہے

اسے اپنے دل سے نکال دیجئے۔ اگر خدا آپ کو توفیق دے تو آپ بھی دینِ مستقیم اختیار فرمائیے ورنہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے[۱]۔"

حضرت عثمانؓ کے اس ایمان افروز اور جرأت مندانہ جواب کا آپ کے چچا پر بڑا گہرا اثر ہوا اور اس نے آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔ آپ کی والدہ بھی آپ کی تبدیلیٔ مذہب سے ناخوش تھیں اور کچھ عرصے تک زجر و توبیخ کرتی رہیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی محبت حضرت عثمانؓ کے دل میں راسخ ہو چکی ہے تو انہوں نے بھی آپ سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

شادی

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے کج فطرت لوگوں نے یہ پاکیزہ دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور ایذا دہی کا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے اختیار نہ کیا ہو مگر جب انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ قدسیہ لوگوں کو

---

[۱] شمس التواریخ جلد چہارم صد ۱۳

اپنی طرف کھینچنے لگی تو انہوں نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے حضورؐ کی خانگی زندگی پر ایک رکیک حملہ کیا۔ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں حضرت رقیہؓ جن کا نکاح آپ نے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دیا تھا مگر ابھی رخصتانہ نہیں ہوا تھا۔ یہ ابولہب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا اور حضورؐ کو طرح طرح سے ستاتا رہتا تھا جب اس نے دیکھا کہ مخالفت کے اس شدید طوفان میں بھی آپؐ چٹان کی طرح اپنے موقف پر قائم ہیں تو اس نے آپؐ کو زچ کرنے کے لئے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی کو طلاق دیدو۔ چنانچہ اس نے باپ کی ہدایت پر حضرت رقیہؓ کو طلاق دیدی۔ اسی دوران میں حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے ان کی شرافت ونجابت، نیکی وپارسائی اور حسن اخلاق کے پیش نظر حضرت رقیہؓ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ ان کے بطن سے اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ تھا۔ ان کی پیدائش کے بعد آپ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ اختیار کی۔ تاریخ میں آتا ہے کہ آپ کو یہ کنیت بے حد پسند تھی۔ افسوس کہ عبداللہ کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کے بطن سے آپ کے اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

ہجرتِ حبشہ

قریش مکہ کے مظالم جب مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے اور ان کے لئے کوئی گوشۂ عافیت باقی نہ رہا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ اس ہدایت کے بعد مسلمان ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے پہلا قافلہ جو مکّہ سے حبشہ جانے کے لئے روانہ ہوا[1] ۱۲ مردوں اور ۴ عورتوں پر مشتمل تھا اس قافلے کے امیر حضرت عثمانؓ بن عفان تھے آپ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ آپ کے ہمراہ تھیں[2]۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے حبشہ تشریف لے جانے کے بعد جب عرصے تک آپ کی خیریت معلوم نہ ہوئی تو حضورؐ کو بڑی فکر پیدا ہوئی۔ ان ایام میں آپ اکثر حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا تذکرہ فرماتے رہتے اور آنے جانے والوں سے ان دونوں کے متعلق دریافت فرمایا کرتے۔ ایک روز ایک خاتون نے جو حبشہ سے آئی تھی آپؐ کو حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کی خیریت کی اطلاع دی اور کہا میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اچھے حال

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۹ [2] طبقات ابن سعد جلد ۸ جزء ۳ صفحہ ۳۸

ہیں دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ کی پریشانی دور ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد یہ پہلے میاں بیوی ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت[1] کی۔

کچھ عرصہ کے بعد کسی نے یہ غلط خبر مشہور کر دی کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار اور تمام با اثر لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور مسلمان اب نہایت امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ خبر سنکر مہاجرین حبشہ میں سے بہت سے لوگ مکہ واپس آگئے ان میں حضرت عثمان رضی بھی تھے مگر جب یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو بیشتر لوگ حبشہ واپس چلے گئے لیکن حضرت عثمانؓ مکہ[2] ہی میں رہے۔

ہجرتِ مدینہ

کفار کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے جب مکہ میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کو ہجرت کر جاؤ۔ اس

---

[1] رواۃ حاکم ۱۲ [2] بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دوسری بار پھر حبشہ کو ہجرت کی مگر صحیح یہی ہے کہ وہ مکہ واپس آکر پھر حبشہ نہیں گئے (مؤلف)

حکم و ہدایت کے مطابق حضرت عثمانؓ بھی اپنی زوجۂ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ مکّہ سے مدینہ چلے گئے اور مشہور انصاری صحابی حضرت اوسؓ بن ثابت کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور آپ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی تو حضرت عثمانؓ کو حضرت اوسؓ بن ثابت کا بھائی بنا دیا۔ مشہور شاعر حضرت حسّانؓ بن ثابت انہیں اوس بن ثابت کے بھائی تھے۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اس رقم سے جو وہ مکّہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے تجارت کرنا شروع کر دی۔ یہ ان کا آبائی پیشہ تھا اور اس میں انہیں غیر معمولی مہارت اور تجربہ حاصل تھا اس لئے ان کے کاروبار نے بڑی ترقی کی اور جلد ہی وہ مدینہ کے متمول لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ اپنی اس دولت کو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی پر بے دریغ صرف کیا اور بلاشبہ ان کی اس فیاضی نے امتِ مسلمہ کو ہمیشہ کے لئے ان کا ممنونِ احسان بنا دیا۔

بیرِ رومہ خریدنا

مدینہ آکر مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا یہ

لہ طبقات ابن سعد جلد اوّل جزو سوم ص۳۸

مصیبت تشنگی کی تھی۔ مدینہ کے سارے کنویں کھاری تھے میٹھے پانی
کا صرف ایک کنواں تھا جو مسجدِ قبلتین سے شمال کی جانب واقع تھا
اس کا نام بیر رومہ تھا۔ اس کا مالک ایک یہودی تھا جو قیمت لیکر
پانی دیا کرتا تھا۔ اہلِ مدینہ اسی کنوئیں کا پانی استعمال کرتے تھے مسلمانوں
میں سے جو لوگ صاحبِ استطاعت تھے وہ پانی خرید کر استعمال
کر لیتے تھے اور حسبِ حیثیت نادار مسلمانوں کو بھی دیدیتے تھے مگر پھر
بھی بہت سے غریب مسلمان میٹھے پانی سے محروم رہتے تھے اور کھاری
پانی پینا ان کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھا۔ یہ دیکھ کر
ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے
ایک خطبہ دیا اور تحریک کی کہ تم میں سے جو شخص یہ کنواں خرید کر مسلمانوں
کو اس تکلیف سے نجات دلا سکتا ہو وہ اس کارِ خیر میں حصہ لے۔ یہ
خطبہ سن کر حضرت عثمانؓ کنوئیں کے یہودی مالک کے پاس گئے
اور بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں اس شرط کے ساتھ خرید لیا[1]
کہ ایک دن اس کا پانی مسلمان استعمال کریں گے اور دوسرے دن
اس کا مالک۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک بہت بڑی تکلیف سے نجات

---

[1] استیعاب جلد دوم ص ۴۸۱

مل گئی لیکن اس طرح یہودی کی آمدنی میں بہت کمی ہو گئی کیونکہ حضرت عثمانؓ کی باری کے دن مسلمان اتنا پانی بھر لیتے کہ وہ دو دن کے لئے کافی ہوتا اور جس روز یہودی کی باری ہوتی اس روز پانی بہت کم فروخت ہوتا کیونکہ بہت سے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے پانی سے فائدہ اٹھا لیتے یہ دیکھ کر یہودی نے کنوئیں کا باقی نصف حصہ بھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں فروخت کر دیا حضرت عثمانؓ نے کنویں کو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ رفاہِ عام کی غرض سے سارے اہل مدینہ کے لئے وقف کر دیا۔

مسجدِ نبوی میں توسیع

مدینہ تشریف لا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کی جو مسجدِ نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ ابتدا میں یہ چھوٹی سی مسجد تھی۔ اس کی دیواریں کچی تھیں۔ کھجور کے تنوں سے اس کے ستون قائم کئے گئے تھے اور چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی۔ جب تک مسلمانوں کی تعداد کم رہی یہ مسجد ان کی کفالت کرتی رہی مگر جب ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو یہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی۔ یہ دیکھ کر ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو شخص فلاں فلاں لوگوں کے مکانات جو مسجد سے ملحق ہیں خرید کر ان کی زمین ہماری مسجد میں شامل کر دیگا

اللہ تعالےٰ اس کو بخش دے گا اور جنت میں اس کا گھر تعمیر کرے گا حضورؐ کا خطبہ سن کر حضرت عثمانؓ ان لوگوں سے ملے جن کے مکانات مسجد سے ملحق تھے اور یہ ساری عمارتیں بیس یا پچیس ہزار میں خرید کر ان کی زمین مسجد میں شامل کر دیؒ۔

جنگِ بدر اور حضرتِ عثمانؓ

حضرت عثمانؓ مشرف بہ اسلام ہونے کے اولین لمحے سے لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت تک دو کے سوائے ہر مہم میں آں حضورؐ کے ہمرکاب رہے لیکن اتفاق کی بات کہ کفر و اسلام کے پہلے معرکہ میں جو غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہے آپ شرکت نہ کر سکے۔ جس وقت کفار مکہ کا لشکر مکہ سے روانہ ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کا لشکر منظم کیا تو یہ وہ نازک وقت تھا جب حضورؐ کی صاحبزادی اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ مکرمہ حضرت رقیہؓ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھیں اس لئے حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو

لہ شمس التواریخ جلد چہارم ص۱۸

مدینہ میں ٹھہرنے اور حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو اس جنگ کا فیصلہ ہوگیا اور کفارِ مکہ خائب و خاسر ہو کر فرار ہو گئے۔ عین اس وقت جب حضرت اسامہؓ بن زید کامیابی کی خوشخبری سنانے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے حضرت رقیہؓ کا جسد مبارک لحد میں اتارا جا رہا تھا۔ باوجودیکہ حضرت عثمانؓ جنگ میں شریک نہ ہو سکے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو بدری اصحاب میں شمار کیا اور مالِ غنیمت میں سے آپ کا حصہ عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ بھی بشارت دی کہ عثمانؓ کو وہی اجر ملے گا جو مجاہدینِ بدر کو عطا کیا جائے گا مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت عثمانؓ بے حد غم زدہ رہتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ کفر و اسلام کے پہلے معرکے میں شامل ہونے سے محروم رہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد نہ صرف وہ اپنی رفیقۂ حیات اور سچی محبت کرنے والی بیوی سے محروم ہو گئے تھے بلکہ خاندانِ رسالت سے ان کا پیوند ختم ہو گیا تھا۔

عقدِ ثانی

چنانچہ ایک روز حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو مغموم دیکھ کر انہیں

لہ اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صہ ۲۹۸ (اردو ترجمہ)

تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنی جان ہلکان نہ کریں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم تھا۔ صبر سے کام لیجئے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ولئے بر حال میں غم و الم نہ کروں تو کیا کروں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز صرف میری قرابت باقی رہے گی۔ اس کے علاوہ دوسری تمام قرابتیں منقطع ہو جائیں گی۔ ہائے افسوس خاندانِ رسالت سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا[1]۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے اس ناقابلِ برداشت رنج و غم کی خبر ہوئی تو آپؐ نے تالیفِ قلب کی غرض سے اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ آپ کے عقد میں دے دی۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور فرمایا کہ اے عثمانؓ! جبریلؑ آئے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ام کلثومؓ کا نکاح کر دیا ہے اور جو مہر رقیہؓ کا تھا وہی مہر اس کا بھی ہے اور جس طرح تم نے رقیہؓ کے ساتھ حسنِ معاشرت اور نیکی کا برتاؤ کیا ہے ام کلثومؓ کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کرنا[2]۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث ام عیاشؓ سے مروی ہے آپ کہتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] کنز العمال جلد ششم صفحہ ۳۷۹ ۔ [2] شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۸

جب خداوند تعالےٰ نے آسمان سے وحی نازل کی تب میں نے ام کلثومؓ کو عثمانؓ کے نکاح میں دے دیا۔[1]

نیابتِ رسولؐ

جنگِ بدر کے بعد کفر و اسلام کے جتنے معرکے ہوئے ان سب میں حضرت عثمانؓ نے شرکت کی صرف غزوۂ ذات الرقاع میں آپ شریک نہ ہوسکے لیکن اس میں عدم شرکت آپ کی فضیلت کو کم نہیں کرتی بلکہ اس سے آپ کی دستارِ عظمت میں ایک اور گوہر آبدار کا اضافہ ہوتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ بنو نضیر سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لائے تو مہینہ ڈیڑھ مہینہ قیام فرما کر قبیلہ غطفان کو اس کی شرارتوں کی سزا دینے کے لئے روانہ ہوئے روانگی سے پہلے آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور انہیں مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔[2] اس طرح حضورؐ نے نہایت لطیف رنگ میں یہ امر اپنی امت کے ذہن نشین کر دیا کہ عثمانؓ رسول اللہؐ کی جانشینی کے فرائض انجام دینے کی اہلیت و صلاحیت سے پوری طرح بہرہ مند ہیں۔

---

[1] شمس التواریخ ص۱۱۱ [2] طبقات ابن سعد جلد ۱ جزء ۳ ص ۳۹

سفیرِ رسولؐ

سنہ ۶ھ میں حضرت عثمانؓ کو ایک اور اعزاز نصیب ہوا۔
ایک ایسا اعزاز جس کے مقابلے میں ساری دنیا کے اموال لاشے
ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ذی قعد سنہ ۶ھ میں آں حضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا اس خیال سے کہ
قریشِ مکہ آپ کی تشریف آوری کو جنگ پر محمول نہ کریں۔ آپ نے
اپنے ہمراہیوں کو جن کی تعداد چودہ سو تھی حکم دیا کہ ہر شخص احرام باندھ
لے۔ اس کے علاوہ آپ نے قربانی کے لئے اونٹ بھی لے لئے
تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ جنگ کے لئے نہیں بلکہ فی الواقعہ
عمرہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ جب یہ قافلہ عسفان کے قریب
پہنچا تو بشر بن سفیان کعبی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض
کیا کہ قریش مکہ کو حضورؐ کی روانگی کی خبر ہو گئی ہے اور وہ درندوں کی کھالیں
پہن کر اور پوری طرح تیار ہو کر ذی طویٰ میں فروکش ہو گئے ہیں۔ انہوں
نے تہیہ کر لیا ہے کہ حضورؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ سن کر
آپ نے بڑے تاسف سے فرمایا کہ قریش کو کیا ہو گیا ہے حالانکہ جنگ
نے ان کو تباہ و برباد کر دیا ہے مگر سرکشی اور شرارت سے باز نہیں آتے

ان کے لئے کہیں بہتر ہے کہ یہ مجھے سارے عرب کے مقابلے میں تنہا چھوڑ دیں اور خود کنارہ کرلیں۔ اگر میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے غالب آگیا تو یہ بھی اسلام قبول کرلیں یا مجھ سے نبرد آزما ہوں اور اگر میں شکست کھا گیا تو ان کا مقصد خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ خدا کی قسم اس نے مجھے جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اس کی اشاعت کے لئے میں آخری حد تک کوشش جاری رکھوں گا تا آنکہ یہ دین اللہ کے حکم سے غالب آجائے۔ اس کے بعد حضورؐ ایک غیر معروف راستے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپؐ کا قافلہ حدیبیہ پہنچ گیا تو ایک مقام پر جا کر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اونٹنی تھکی نہیں ہے اور نہ یہ اس طرح بیٹھا کرتی ہے۔ اسے اس ذات پاک نے بٹھایا ہے جس نے اصحابِ فیل کو روک دیا تھا یہ کہہ کر آپ اونٹنی سے اتر پڑے۔ کچھ دیر کے بعد بدیل بن ورقا خزاعی چند افراد کے ساتھ قریش مکہ کے سفیر کی حیثیت سے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔ سفیر نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں کا خیال غلط ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) صرف عمرہ

کرنا چاہتے ہیں تم خواہ مخواہ لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہو وہ تو جنگ کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے۔ مگر قریش نے اپنے سفیر کے بیان پر یقین نہ کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عمرہ کے ارادے سے نہیں آئے وہ دھوکہ دے کر ہمارے شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پے در پے تین سفیر حضورؐ کی خدمت میں بھیجے اور درخواست کی کہ آپؐ مدینہ واپس تشریف لے جائیں۔ ہم آپؐ کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے ان میں سے بعض کو قربانی کے اونٹ دکھلائے اور ہر چند سمجھایا کہ ہم لوگ جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف عمرہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں تم ہمیں طواف کر لینے دو۔ مگر جب انہوں نے واپس جا کر قریش کو حضورؐ کا پیغام دیا تو انہوں نے ہر دفعہ حضورؐ کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر اتمامِ حجت کے طور پر آپؐ نے اپنی طرف سے خراش بن امیہ خزاعی کو سفیر بنا کر قریش مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں یقین دلا دیں کہ حضورؐ جنگ کی غرض سے تشریف نہیں لائے ہیں مگر قریش نے آپؐ کے سفیر کو پکڑ لیا۔ اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور سفیر کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر اسے چھڑا دیا اور وہ ناکام واپس آ گیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ

تم مکہ جا کر قریش کو سمجھاؤ کہ وہ اپنی ضد سے باز آجائیں اور ہمیں عمرہ کر لینے دیں مگر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے ان کے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا ہے اور وہاں ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو میری مدد کرے اس لئے آپؐ میری بجائے عثمانؓ بن عفان کو بھیج دیجئے وہ یہ فرض احسن طریقے سے انجام دیں گے۔

دستِ عثمانؓ دستِ رسولؐ ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو طلب کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ تم مکہ جا کر ابوسفیان اور قریش کے دیگر اکابر سے ملو اور سمجھاؤ کہ ہم لوگ جنگ کی نیت سے نہیں بلکہ صرف عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق مکہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر آپؓ کی ملاقات اپنے چچازاد بھائی ابان بن سعید بن عاص سے ہوئی۔ اسے ہمراہ لے کر آپ ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرداروں سے ملے اور حضورؐ کا پیغام انہیں پہنچا دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہم محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے البتہ اگر تم چاہو تو عمرہ کر سکتے ہو۔ حضرت

عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا آقا عمرہ سے محروم رہے اور میں عمرہ کر لوں ۔ یہ جواب سن کر قریش نے آپ کو پکڑ کر قید کر دیا جب حضرت عثمانؓ کو مکہ گئے ہوئے کئی روز ہو گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فکر دامن گیر ہوئی ۔ انہیں ایام میں کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے ۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان غضب ناک ہو گئے ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس اطلاع سے سخت رنج ہوا اور آپؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام مسلمانوں سے خونِ عثمانؓ کا انتقام لینے کی بیعت لی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ موجود نہیں ہیں اس لئے میں اپنے اس ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر دوسرے ہاتھ سے بیعت کرتا ہوں[1] ۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تک میں کفارِ مکہ سے عثمانؓ کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا ۔ شاید قریش مکہ کو اس بیعت کا علم ہو گیا اس لئے انہوں نے گھبرا کر حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا اور آپؓ بخیریت واپس آ گئے ۔

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب عثمانؓ بن عفان ۔

جیشِ عسرت اور حضرت عثمان رضؓ

رجب ۹ھ میں شام سے ایک قافلہ مدینہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے قیصر کی کثیر التعداد فوجیں دیکھی ہیں جو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ مزید تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ عرب کے بعض عیسائی قبائل بھی جن میں غسان اور عاملہ وغیرہ شامل تھے ان فوجوں کا ساتھ دیں گے۔ اس زمانے کا قیصر معمولی بادشاہ نہ تھا بلکہ اسے معلوم دنیا کے نصف حصے کا حکمران سمجھا جاتا تھا اس کی فوجوں سامانِ جنگ اور زر و جواہر کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر اس کی فوجیں بڑی جنگجو تھیں۔ ادھر مسلمان کیا تعداد کے لحاظ سے کیا اسلحۂ جنگ کے اعتبار سے اور کیا مال دولت کے لحاظ سے قیصر کی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ظاہری بے سر و سامانی اور تعداد کی کمی کی قطعاً پرواہ نہ کی اور بڑی جرأت و شجاعت کے ساتھ فرمایا کہ قبل اس سے کہ قیصر کی فوجیں ہماری سرزمین پر قدم رکھیں ان کا راستہ روک دینا چاہیئے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے ان کے سامنے صورتِ حال بیان فرمائی اور تحریک کی کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے مقابلہ درپیش ہے اس لئے لشکرِ اسلامی کی

باری کے لئے جو شخص جتنا دے سکتا ہو لے آئے آپؐ کے اس حکم کی تعمیل
ں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اونٹ، گھوڑے، نقدی اور جنس لیکر
ا اور حضورؐ کی نذر کر دیتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا اثاث البیت
ضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ اپنا نصف مال لے آئے
ضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم پیش کئے۔ ایک غریب
نصاری ابوعقیل دو سیر چھوہارے لے کر آئے اور بڑے خلوص سے
ضورؐ کی نذر کر دیئے۔ اس کے ساتھ انہوں نے عرض کیا کہ
رسولؐ اللہ میں ساری رات اجرت پر ایک کھیت کو سیراب کرتا
ہا۔ صبح کو چار سیر چھوہارے ملے جن میں سے دو سیر اہل و عیال
کے لئے رکھ آیا ہوں اور باقی دو سیر حضورؐ کی نذر کر دیئے ہیں۔ ابو عقیل
کے اس جذبۂ اخلاص سے حضورؐ بے حد متاثر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا
ہ ان چھوہاروں کو سارے مال پر بکھیر دو۔ دوسرے الفاظ میں
س غریب انصاری کے دو سیر چھوہارے حضورؐ کی نگاہ میں دوسروں
کے قیمتی سامان پر بھاری تھے۔ اب حضرت عثمانؓ کی باری تھی۔
نہیں دنوں آپ کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آیا تھا اور کاروبار
یں بڑا منافع ہوا تھا چنانچہ آپ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس لشکر کے
یک تہائی حصے کے اخراجات میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ ایک بڑے مورخ

کے بقول آپ نے ایک ہزار دینار کے علاوہ نو سو (۹۰۰) اونٹ اور ایک سو گھوڑے حضور کی نذر کئے۔ یہ دینار اور اونٹ گھوڑے اس خرچ کے علاوہ تھے جو آپ نے فوج کے ایک تہائی حصہ کو آراستہ کرنے کے لئے اپنے ذمے لیا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمانؓ کے پیش کئے ہوئے دیناروں کو اچھالتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ "آج کے بعد عثمانؓ کی کوئی لغزش انہیں ضرر نہیں پہنچائے گی[1]۔"

عہدِ شیخینؓ میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی گئی تو حضرت عثمانؓ نے بھی ان کی بیعت کر لی اور خلافت صدیقی میں خلیفہ وقت کے مشیر و فرماں بردار رہے۔ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے

---

[1] مستدرک حاکم جلد سوم صہ۱۰۲ یعنی آج کے بعد حضرت عثمانؓ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوگا جو خدا اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہو۔

فرائض انجام دیئے۔ آپ کے گورنروں، فوج کے سالاروں اور ممالکِ غیر سے خط و کتابت اور اجرائے احکام کی ذمہ داریوں کو آپ نے کمال خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے آبائی پیشے یعنی تجارت کا سلسلہ بھی جاری رہا بلکہ اس میں پہلے سے کہیں زیادہ وسعت پیدا ہو گئی اور آپ کی مالی حالت روز بروز مستحکم ہوتی گئی اسی عہد میں آپ کی فراستِ ایمانی اور اصابتِ رائے کا ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ جمادی الآخر ۱۳ھ میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آپ کو اپنے جانبر ہونے کی امید نہ رہی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بلوا کر وصیت لکھوانی شروع کی جب اس فقرے پر پہنچے کہ میں اپنے بعد تمہارا خلیفہ (کو مقرر کرتا ہوں) تو آپ پر غشی کا دورہ پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے "عمرؓ" کا نام لکھ کر فقرہ پورا کر دیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ پڑھو کیا لکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عبارت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی فراستِ ایمانی دیکھ کر حیران رہ گئے اور فرمایا کہ تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت عثمانؓ کی اس اصابت رائے پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔[1]

---

[1] ابن سعد جلد اوّل جز سوم تذکرہ ابوبکرؓ

حضرت عمرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کے ساتھ بھی حسبِ سابق پوری طرح تعاون کیا اور ہر معاملے میں انہیں مشورہ دے کر خیر خواہی کا فرض انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی حضرت عثمانؓ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری اور مجلس شوریٰ کے اہم رکن شمار ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے مشوروں کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ عراق میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کے جرنیل مثنیٰ نے جب حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر تیاریاں شروع کر دی ہیں اور ایران کے تمام جنگجو قبائل اور آزمودہ کار سردار ایک جگہ جمع ہو کر حملۂ عام کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے سارے عرب میں گشتی مراسلے جاری کئے اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس مہم میں شریک ہونے کے لئے عرب کے کونے کونے سے مسلمان آئے اور مدینہ کے گلی کوچے مجاہدین سے بھر گئے۔ حضرت عمرؓ نے خود لشکر کی تنظیم کی۔ خلافت کی جملہ ذمہ داریاں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور خود فوج کی قیادت کرنے کی غرض سے عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدینہ سے تین میل دور "صرار" کے مقام پر لشکر نے ڈیرا ڈالا۔ یہاں بعض اکابر صحابہ

نے جن میں حضرت عثمانؓ کا نام سرفہرست ہے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ آپ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں تشریف نہ لیجائیں کیونکہ اگر خدا نخواستہ آپ کو کوئی ضرر پہنچ گیا تو سطوت اسلامی کو سخت دھکا لگے گا۔ ایک روایت کے مطابق جب حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تو انہوں نے بھی آپ کو یہی رائے دی کہ امیرالمومنین آپ کا عراق جانا مناسب نہیں ہے آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ مدینہ میں رہ کر کمک بھیجیے اور جنگی امور کی نگرانی فرماتے رہیے لیکن اس وقت جوش شجاعت میں حضرت عمرؓ لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ مگر صرارؔ کے مقام پر پہنچکر جب تمام صحابۂ کبار نے آپ کو جنگ میں شرکت نہ کرنے کا مشورہ دیا تو آپ کو حضرت علیؓ کی قیمتی رائے کا احساس ہوا اور آپ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کی رائے سے اتفاق کرکے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی سے پہلے آپ نے اپنی بجائے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب بیت المقدس کے عیسائیوں نے اس شرط پر اپنا شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لاکر معاہدہ لکھیں جب

حضرت عمرؓ کو ان کی اس خواہش کی اطلاع دی گئی تو آپ نے اہل شوریٰ کو جمع کیا اور ان کی رائے دریافت کی۔ صحابہ کبار نے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ آپ کو بیت المقدس تشریف لیجانے کی رائے دی۔ پھر آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ میری عدم موجودگی میں قائم مقامی کے لئے کون مناسب ہوگا۔ تمام اراکین شوریٰ نے جن میں حضرت عثمانؓ اہم ترین رکن تھے حضرت علیؓ کا نام تجویز کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے بیت المقدس روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی عدم موجودگی میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی نہایت اخلاص و محبت سے تعاون کرتے اور ان کی وفاداری کا دم بھرتے رہے۔ اس واقعے کے چند سال بعد وہ منحوس ساعت آگئی جب اسلام کا آفتابِ عظمت گہنا گیا اور ایک عجمی غلام نے قلبِ اسلام میں اپنا خنجر پیوست کر دیا۔ یہاں سے تاریخِ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ آئندہ باب میں انہیں واقعات کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

ٓ تاریخ طبری حصہ ۲۴۰۲

بیعتِ خلافت
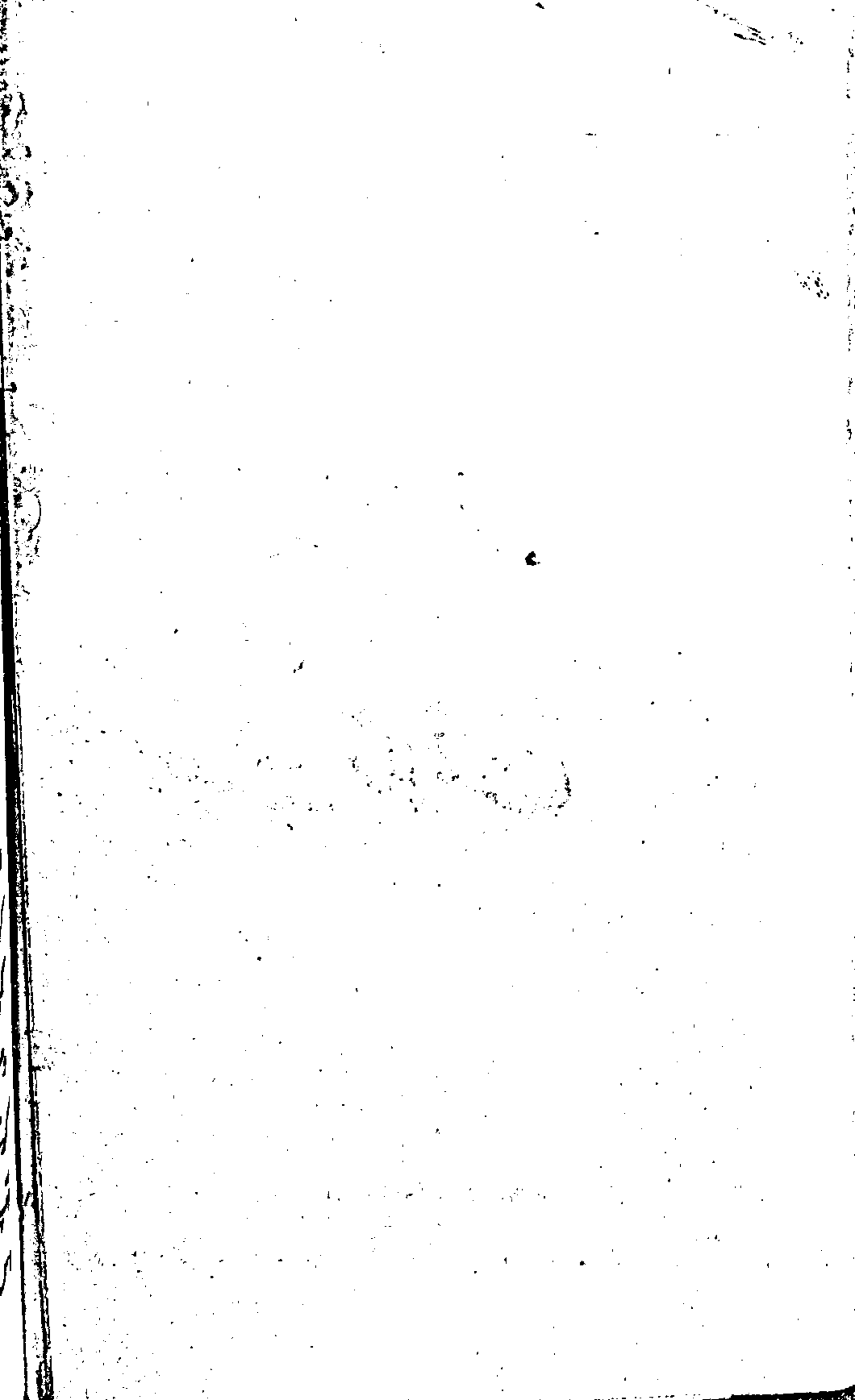
بیعتِ خلافت

امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ بن الخطاب ایک روز بازار سے گذر رہے تھے۔ کچھ دور چل کر آپ کو ایک شخص ملا جس کا نام فیروز اور کنیت ابو لولو تھی۔ یہ ایران کا رہنے والا اور مشہور صحابی حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا غلام تھا اس نے امیر المومنین کو روک کر عرض کیا کہ میرا آقا مجھ سے جو روزینہ وصول کرتا ہے وہ بہت زیادہ ہے آپ میری سفارش کر دیں تاکہ وہ اس میں کچھ کمی کر دے۔ امیر المومنین نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا آقا تم سے کیا وصول کرتا ہے اس نے عرض کیا دو درہم یومیہ۔ آپ نے پوچھا تم کام کیا کرتے ہو۔ غلام نے عرض کیا کہ لوہاری، نجاری اور نقاشی میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پیشے کو دیکھتے ہوئے تو یہ روزینہ زیادہ نہیں ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم چکیاں بنانا بھی جانتے ہو؟ غلام نے عرض کیا

کہ جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک چکی مجھے بھی بنا دو جو ہوا کے زور سے چلتی ہو۔ اس نے کہا کہ بناؤں گا اور ایسی بناؤں گا کہ اس کی آواز سے مشرق اور مغرب گونج اٹھیں گے۔ ابو لولو تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر حضرت عمرؓ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور چند سکنڈ کے توقف کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ غلام مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے گیا ہے[1]

دوسرے روز جب امیر المومنین نمازِ فجر پڑھانے کے لئے مسجد نبویؐ میں تشریف لائے تو ابو لولو جو چادر اوڑھے پہلے سے موقع کا منتظر تھا اگلی صف میں حضرت عمرؓ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اور جوں ہی آپ نے نماز کے لئے نیت باندھی وہ صف میں سے نکلا اور دو دھاری خنجر سے جو اس نے اپنی چادر میں چھپایا ہوا تھا آپ پر حملہ کر دیا۔ اس نے پے در پے چھ وار کئے اور امیر المومنین نڈھال ہو کر فرشِ مسجد پر گر پڑے حضرت عمرؓ کے اشارے پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھ کر جماعت کرائی۔ سلام پھیرنے کے بعد امیر المومنین کو ان کے گھر لے جایا گیا۔ فوراً طبیب حاضر ہوا مگر جب اس کی پلائی ہوئی دوا زخموں کے راستے

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ دوم جلد چہارم ص ۹۹

باہر نکل گئی تو لوگوں کو اور خود حضرت عمرؓ کو بھی یقین ہو گیا کہ اب وہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ طبیب نے کہا کہ امیر المومنین آپ کو جو وصیت کرنی ہو کر دیجئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے عرض کیا کہ آپ اپنے جانشین کے متعلق وصیت کر دیجئے۔

حضرت عمرؓ کی وصیّت

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو طلب کیا اور فرمایا کہ آپ وہ لوگ ہیں جن سے رسول خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آخر وقت تک خوش رہے ہیں امر خلافت کو آپ لوگوں کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ طلحہؓ (جو اس وقت مدینے سے باہر گئے ہوئے تھے) بھی اس گروہ میں شامل ہیں۔ آپ لوگ تین روز تک ان کا انتظار کریں اگر وہ آجائیں تو انہیں بھی مشورے میں شامل کر لیں اور اگر نہ آئیں تو آپ لوگ مشاورت کر کے اپنے میں سے کسی ایک شخص کو خلیفہ بنا لیں۔ پھر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ بھی شوریٰ میں شامل ہوگا مگر یہ صرف رائے دیگا اس کا امر خلافت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۲۴۵ و تاریخ ابن خلدون جزو دوم حصہ چہارم

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ خلافت کا فیصلہ کثرت رائے سے کیا جائے لیکن اگر دونوں طرف برابر برابر آما ہوں تو جس کے حق میں عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے ہو اسے خلیفہ بنا لیا جائے۔

حضرت عثمانؓ کی بیعت

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کے مطابق اہلِ شوریٰ ایک مکان میں جمع ہوئے اور غور و خوض کرنے لگے کہ یہ بارِ گراں کس کے شانوں پر رکھا جائے آخر کافی سوچ بچار کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں میں سے تین شخص دوسرے تین اشخاص کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں علیؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے حق میں دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اب خلافت کے لئے تین آدمی رہ گئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں امرِ خلافت سے از خود دست بردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ علیؓ اور عثمانؓ۔ آپ لوگ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان میں سے

کسی ایک کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ سب لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور انہیں انتخاب خلیفہ کا حق دے دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تنہائی میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے الگ الگ ملاقات کی اور ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ آپ اپنی اسلامی خدمات، سبقتِ اسلام، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابتِ قریبہ اور اپنی اہلیت کے لحاظ سے خلافت کے پوری طرح مستحق ہیں لیکن اگر کسی وجہ سے آپ کو منتخب نہ کیا جا سکے تو آپ کسے مستحق سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کا نام تجویز کیا۔ اس کے بعد آپ نے امہات المومنین، اکابرِ مدینہ اور بعض دوسرے معتبر اصحاب سے ملاقاتیں کیں اور خلافت کے لئے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے اسمائے گرامی پیش کر کے ان حضرات کی رائے دریافت کی۔ مدینہ کے عوام، خواتین اور مسافروں سے بھی ان کی رائے معلوم کی۔ دوسرے روز نماز فجر کے وقت خلافت کا فیصلہ ہونا تھا۔ مسجدِ نبوی حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مدینہ

لہ تاریخ ابن خلدون الجزالثانی حصہ چہارم ص ۹۹۶

کے تمام سرکردہ اصحاب، مہاجرین و انصار اور امرائے لشکر کے علاوہ عوام کی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ممبر نبوی پر بیٹھے۔ مسجد کی چھت کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے اللہ! میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ بیعتِ خلافت کی جو ذمہ داری میری گردن پر تھی میں اسے عثمانؓ کی گردن پر ڈالتا ہوں۔ یہ کہکر انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کر لی۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کی بیعت کی حضرت علیؓ کے بیعت کرتے ہی لوگ بیعتِ عثمانؓ کے لئے ٹوٹ پڑے۔[1]

حضرت عثمانؓ کی بیعت یکم محرم ۲۴ھ کو کی گئی۔ مدینہ بلکہ سارے حجاز اور اس سے بھی آگے بڑھ کر تمام عالم اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کی بیعت سے اختلاف یا اس پر کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔

ایک آزمائش

مسند نشینِ خلافت ہوتے ہی حضرت عثمانؓ کو ایک بہت بڑی آزمائش سے گذرنا پڑا اور آج تک اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ وہ اس میں

---

[1] طبقات ابن سعد جزسوم حصہ اول صـ۴۳-۴۲

ثابت قدم رہے یا نہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی اور مسلمانوں کی بھلائی کی غرض سے کیا۔ یہ آزمائش ایک مقدمۂ قتل سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ قتل حضرت عمرؓ کے فرزند عبید اللہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا اور اس کے نتیجے میں ہرمزان، جفینہ اور ابو لولو (قاتل حضرت عمرؓ کی) لڑکی کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان مقتولوں میں ہرمزان کی شخصیت سب سے زیادہ اہم ہے۔

ہرمزان ایرانی

یہ ایرانی لشکر کا ایک نامور سردار تھا۔ جنگِ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد اہواز چلا گیا اور گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی باقاعدہ سلطنت قائم کر لی۔ اس کی سلطنت کی حدیں بصرہ سے ملتی تھیں اور مسلمانوں کے لئے اس وقت تک بصرہ پہنچنا ناممکن تھا جب تک کہ وہ اس کے علاقے کو فتح نہ کر لیتے۔ اس لئے انہیں اہواز پہ فوج کشی کرنی پڑی۔ ہرمزان مقابلہ کے لئے نکلا مگر شکست کھائی اور اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اسلامی لشکر نے اس کا تعاقب کیا نہر دجیل کے قریب پہنچکر ہرمزان تو نہر پار کر گیا مگر اسلامی لشکر اسی طرف رہ گیا۔ آخر کار اپنے آپ کو مسلمانوں کے مقابلے میں کمزور پا کر ہرمزان نے صلح

کی درخواست کی۔ اسلامی لشکر نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ جن علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا وہ ان کے پاس رہے اور باقی علاقہ بدستور ہرمزان کے زیر تسلط رہا۔ کچھ عرصے کے بعد ہرمزان اور اسلامی فوج کے افسروں کے درمیان سرحدوں کے تعین پر اختلاف پیدا ہو گیا اور جب فیصلہ ہرمزان کی منشا کے خلاف ہوا تو وہ اس پر بگڑ گیا اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ دونوں فوجوں میں پھر مقابلہ ہوا اور اس بار بھی ہرمزان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب وہ یہاں سے بھاگ کر رامہرمز کی طرف چلا گیا مگر اسلامی فوجوں نے اس کا تعاقب کر کے محاصرہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر اس نے اسلامی فوجوں کے سامنے دوبارہ صلح کی درخواست کی۔ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے اس شرط پر صلح کر لی جائے کہ جن شہروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ان کے قبضے میں رہیں باقی شہروں پر ہرمزان کا قبضہ رہے لیکن وہ باقاعدہ جزیہ ادا کرتا رہے۔ چنانچہ اس شرط پر ہرمزان کی تقصیر معاف کر دی گئی۔ کچھ عرصے بعد حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی کہ اہواز کے لوگوں نے جن میں ہرمزان بھی شامل ہے شاہِ فارس یزدجرد سے خفیہ سازش کی ہے اور وہ اسلامی فوجوں سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے ابوسبرہ بن ابی رہم کی قیادت میں ایک لشکرِ جرار ہرمزان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔

یہ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ ہرمزان نے اس پر حملہ کر دیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور ہرمزان پہلے ہی حملے میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسلامی لشکر نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا اور ہرمزان تستر کے مقام پر پہنچ کر پناہ گزین ہو گیا۔ یہاں شکست خوردہ ایرانی فوجوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ اسلامی فوجوں نے تستر پہنچکر ہرمزان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ تقریباً روزانہ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوتا اور طرفین کے سپاہی ہلاک و مجروح ہوتے۔ آخر ایک روز اسلامی فوجوں نے فیصلہ کن حملہ کیا جس میں ہرمزان کی فوجوں کو شکست ہوئی مگر ہرمزان نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور قلعہ بند ہو کر لڑائی شروع کر دی۔ اس طویل مقابلے سے تنگ آکر ایک شہری نے تیر کے ساتھ ایک خط باندھ کر اسلامی لشکر کی طرف پھینکا۔ یہ خط عساکرِ اسلامی کے سپہ سالار حضرت ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ "اگر آپ مجھے اور میرے خاندان والوں کو امان دینے کا وعدہ کریں تو میں ایک ایسا راستہ بتا دوں جس سے آپ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے خط میں لکھے ہوئے پتے پر ایک شخص کو بھیج کر امان دینے کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن وہ شخص حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے پاس آیا اور آزمودہ کار افراد

کی ایک جماعت کو لے کر نہر خانے کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔ اس جماعت نے موقع پا کر شہر پناہ کے دروازے کے محافظوں پر حملہ کر دیا۔ خون ریز مقابلے کے بعد محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔

ہرمزان کی گرفتاری

دروازہ کھلتے ہی مسلمانوں کا لشکر جو باہر کھڑا اس موقع کا منتظر تھا اللہ اکبر کے نعرے لگاتا شہر میں داخل ہو گیا۔ سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی اور دروازہ بند کر لیا۔ جب اسلامی فوجوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھیج دو وہ میرے متعلق جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہو گا۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے اس کی یہ شرط منظور کر لی اور ہرمزان نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ یہاں اس قدر زر و مال تھا کہ تقسیم کے وقت سواروں کے حصے میں تین تین ہزار اور پیادوں کے حصے میں ایک ایک ہزار دینار آئے۔ اس کے بعد ہرمزان کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت انسؓ بن مالک اور احنف بن قیسؓ جیسے لوگ شامل تھے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا۔

ہرمزان کا مدینہ میں داخلہ

شہر کے قریب پہنچکر ہرمزان نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ سر پر مرصع تاج رکھا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ دیبا کی قبا زیب تن کی۔ عجمی سلاطین کے دستور کے مطابق بیش قیمت جڑاؤ زیورات پہنے کمر سے مرصع تلوار آویزاں کی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر دارالخلافت میں داخل ہُوا۔ کہتے ہیں کہ مدینہ کے لوگ اس کی زرق برق پوشاک اور شان و شوکت دیکھ کر حیرت سے اس کا منہ تکتے تھے۔

جس وقت ہرمزان مدینہ میں داخل ہُوا۔ حضرت عمرؓ مسجد نبویؐ میں فروکش تھے۔ ایران کے ایک مقتدر حکمران کو اس شان و شوکت کے ساتھ آتا دیکھ کر آپ نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے کیسے کیسے صاحب قوت اور باجبروت لوگوں کو مغلوب کر دیا۔ اس کے بعد آپ ہرمزان سے مخاطب ہوئے۔

حضرت عمرؓ۔ ہرمزان! تم نے عہد شکنی کا نتیجہ اور اللہ تعالےٰ کا فیصلہ دیکھ لیا۔

ہرمزان :۔ اے عمرؓ! زمانۂ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم تم دونوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا چونکہ ہم میں قوت زیادہ تھی اس لئے

ہم تم پر غالب آ گئے تھے اور اب اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے رہا ہے اس لئے تم ہم پر غالب آ گئے۔

حضرت عمرؓ:۔ اچھا خیر یہ بتاؤ کہ تم نے ہم سے مکرر سہ کرر بد عہدی کی اب اگر تم سے اس کا بدلہ لیا جائے تو تمہارے پاس کیا عذر ہے۔

ہرمزان :۔ مجھے خوف ہے کہ شاید تم میرا عذر سننے سے قبل ہی مجھے قتل کر ڈالو گے۔

حضرت عمرؓ:۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا تم خوف نہ کرو۔

ہرمزان :۔ اچھا مجھے پانی پلا دو۔

حضرت عمرؓ:۔ اسے پانی پلاؤ۔

ہرمزان : (پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر) مجھے خطرہ ہے کہ تم پانی پینے کی حالت میں مجھے قتل کر ڈالو گے۔

حضرت عمرؓ:۔ تم مطلق خوف نہ کرو جب تک پانی نہ پی لو گے اس وقت تک تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

ہرمزان :۔ (پیالہ رکھتے ہوئے) اب میں پانی نہیں پیتا اور اپنی شرط کے مطابق (کہ جب تک میں پانی نہیں پی لوں گا تم مجھے قتل نہیں کر سکتے) تم نے مجھے امان دے دی ہے۔

حضرت عمرؓ :- (اس کی چالاکی پر حیران ہو کر) تو جھوٹ کہتا ہے۔

ہرمزان ابھی جواب نہ دینے پایا تھا کہ حضرت انسؓ بن مالک بول اٹھے "اے امیرالمومنین! یہ سچ کہتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لوگے اور پانی نہ پی لوگے کسی خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے"۔ حضرت انسؓ کا یہ کلام سن کر دوسرے لوگوں نے بھی ان کی تائید کی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو نے مجھے دھوکا دیا ہے مگر میں تجھے فریب نہیں دوں گا۔ مناسب ہے کہ تو مسلمان ہو جا۔ ہرمزان نے عرض کیا کہ "امیرالمومنین! میں تو پہلے ہی ایمان لا چکا ہوں یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ حضرت عمرؓ بے حد خوش ہوئے۔ اسے مدینہ میں رہنے کو جگہ دی اور دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔ اس کے بعد ہرمزان نے مدینہ میں مستقل طور پر بود و باش اختیار کر لی اور آخر وقت تک یہیں رہا۔ حضرت عمرؓ اس کے ساتھ نہایت عزت و اکرام سے پیش آتے اور فارس کی مہمات میں اس سے مشورے لیا کرتے تھے[1]

ہرمزان کا قتل

ہرمزان کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اس کے قتل کا واقعہ

---

[1] شمس التواریخ جلد چہارم ص ۱۴۶ تا ۱۵۰

بیان کرتے ہیں جب حضرت عمرؓ کو ابو لولو مجوسی نے شہید کر دیا تو حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ ابن عمرؓ سے بیان کیا کہ میں نے امیرالمومنین کی شہادت سے قبل ہرمزان ایرانی، ابو لولو اور حیرہ کے ایک عیسائی جفینہ کو ایک جگہ بیٹھ کر رازدارانہ گفتگو کرتے دیکھا تھا اور وہ خنجر جس سے امیرالمؤمنین کو شہید کیا گیا ابو لولو کے ہاتھ میں تھا۔ جوں ہی ان لوگوں کی نظر مجھ پر پڑی خنجر ابو لولو کے ہاتھ سے گر پڑا اور یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ کے بیان سے حضرت عبیداللہ ابن عمرؓ نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے والد کا قتل ایک سازش کا نتیجہ ہے جس میں ابو لولو کے ساتھ ساتھ ہرمزان ایرانی اور جفینہ عیسائی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اس عالم میں کہ ان کے اولوالعزم اور جلالت مآب والدِ گرامی کی نعش خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی اور وہ مغلوب الغضب ہو رہے تھے انہوں نے تلوار ہاتھ میں لی اور ہرمزان کے گھر جا کر اس کا سر اڑا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے جفینہ عیسائی کو تلاش کیا اور اسے بھی اس کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ پھر ابو لولو کے گھر جا کر اس کی لڑکی کا بھی قصہ پاک کر دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت صہیبؓ نے جو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق انتخابِ خلیفہ تک مسجد نبویؐ میں

امامت کرنے پر مامور تھے جب سنا کہ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے لوگوں کو قتل کرتے پھر رہے ہیں تو انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کو بلاکر کہا کہ آپ عبیدؓاللہ کو قتال سے روکیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جاکر عبیدؓاللہ کو پکڑا اور اس وقت تک اپنے مکان میں قید رکھا جب تک کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ ہو گئی۔ بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے جو سب سے پہلا مقدمہ پیش ہوا وہ انہیں عبیداللہ ابن عمرؓ کا تھا۔ یہ حضرت عثمانؓ کے لئے بڑا نازک اور سخت امتحان کا وقت تھا۔ آپ نے اس مشکل کے حل کے لئے صحابہ کرام کی رائے لی۔ اس معاملے میں ان کے دو گروہ ہو گئے تھے بلکہ ایک تیسری رائے بھی تھی۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ کل عمرؓ شہید ہوئے ہیں اور آج ان کے بیٹے کو قتل کیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اسی گروہ میں شامل تھے۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ کسی مجرم کو سزا سے بچانے کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی رائے

ان لوگوں کا موقف یہ تھا کہ اوّل تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت عمرؓ کے قتل میں وہ تین افراد شامل تھے جنہیں عبیدؓاللہ نے قتل

کیا ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ اس سازش میں شریک تھے تو بھی مقتول کے اقارب میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور از خود ملزموں کو سزا دینا شروع کر دے۔ انصاف اور قانون کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جن لوگوں پر سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا انہیں گرفتار کر لیا جاتا اور بیعتِ خلافت کے بعد نئے خلیفہ کے سامنے پیش کیا جاتا وہ جو مناسب سمجھتا سزا دیتا۔ اس موقف کے حامیوں میں حضرت علیؓ بھی تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ عبید اللہ نے بلا کسی ثبوت کے تین آدمیوں کو قتل کیا ہے جن میں سے ایک مسلمان اور دو ذمی ہیں اس لئے انہیں قصاص میں موت کی سزا دی جائے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قانون اور انصاف کی رو سے حضرت علیؓ کی رائے سو فیصد درست تھی۔

حضرت عثمانؓ کا موقف

لیکن آئین اور انصاف کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کا ایک سیاسی پہلو بھی تھا حضرت عمرؓ کو مسلمانوں اور پھر مدینہ کے مسلمانوں میں جو مقبولیت حاصل تھی وہ محتاجِ بیان نہیں ان کی عظمت و جلالت کا سکہ ہر شخص کے دل پر بیٹھا ہوا تھا لوگ انہیں اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھتے تھے

اور جب وہ شہید کر دیئے گئے تو ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے۔ مدینہ تو کیا سارے عالمِ اسلام میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس واقعہ پر اشک فشاں نہ ہوئی ہو۔ چند اربابِ بصیرت کو چھوڑ کر جب عوام الناس نے یہ سنا کہ ان کے محبوب اور عظیم المرتبت خلیفہ کا قتل ایک سازش کے تحت ہُوا ہے جس کے ابو لولو کے علاوہ تین اور کردار تھے اور ابن عمرؓ نے ان تینوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے تو مدینہ کا ایک[1] شخص بھی ایسا نہ تھا جسے اس واقعے کا افسوس ہُوا ہو اور نہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ عبیداللہ ابن عمرؓ سے خونِ ناحق کا قصاص لیا جائے۔ اس صورت میں عبیداللہ ابن عمرؓ کو قصاص میں قتل کرنا ایک فتنے کو دعوت دینا تھا۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ قبائلی عصبیت ابھی عربوں کے دلوں سے پوری طرح محو نہیں ہوئی تھی۔ اگر حضرت عبیداللہ ابن عمرؓ کو قتل کر دیا جاتا تو ان کا قبیلہ بنو عدی جو اپنے رکنِ رکین کے سفاکانہ قتل پر پہلے ہی مغموم تھا یقیناً مشتعل ہو جاتا اور اگر فوری طور پر کوئی سخت قدم نہ بھی اٹھاتا تو کم سے کم نئے خلیفہ کے لئے اس کے دلوں میں انتقام کے جذبات ضرور پیدا ہو جاتے اور اس سے بدظنی تو ایک لازمی امر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قصاص کے لئے اسلامی سلطنت کو فتنہ میں ڈالنا اور ہزاروں افراد کے سینوں میں انتقام کی آگ سلگا دینا کسی پہلو سے درست نہ تھا۔

---

[1] چند افراد کے سوا۔ (مولف)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ اور ان کے ہم خیال صحابہؓ کی رائے سے اختلاف کیا اور اپنی جیب خاص سے خون بہا[1] ادا کر کے اس جھگڑے کو ختم کر دیا۔ ان حالات میں شاید اس سے بہتر فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز ایک خونین مقدمے سے ہوا بعینہ اسی قسم کے مقدمے سے حضرت علیؓ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے جو مقدمہ پیش ہوا وہ مقتول خلیفہ کے بیٹے کا تھا اور حضرت علیؓ کی عدالت میں جو مقدمہ پیش ہوا وہ خود مقتول خلیفہ کا تھا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں عدالتوں میں ان مقدمات کے یکساں فیصلہ کئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی جرم ثابت ہو جانے کے باوجود سیاسی مصلحت کی وجہ سے قاتل پر حد شرعی جاری نہیں کی اور حضرت علیؓ نے بھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے میں سیاسی مصلحت اور ملکی حالات کو مد نظر رکھا اور ان کی عدالت سے بھی مجرم سزا نہیں پا سکے گو یہاں ایک نمایاں فرق تھا یعنی ہرمزان نو مسلم جفینہ عیسائی اور ابو لولو مجوسی کی لڑکی کے قاتل عبید اللہ کا جرم ثابت ہو چکا تھا مگر اس کے برعکس حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی نشان دہی نہیں کی جا سکی تھی اور اگر اصل مجرم گرفتار بھی کر لئے جاتے اور فتنہ و فساد

---

[1] الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۳۹

کے اندیشے سے انہیں سزا دینے کی بجائے خوں بہا ادا کر دیا جاتا تو یہ فیصلہ غلط نہ ہوتا۔ کیوں کہ اس سے پہلے حضرت عثمانؓ بالکل اسی طرح کا فیصلہ کر چکے تھے اور کیا عجیب ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کرتے وقت اپنی فکر کا چراغ حضرت عثمانؓ کے چراغ سے جلایا ہو۔ ان دونوں مقدمات کے فیصلے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ خلفاء کے کسی اقدام پر خواہ وہ بظاہر کتنا ہی قابلِ جرح کیوں نہ ہو کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس سے اختلاف کر کے جماعت میں انتشار پیدا کرنا جائز ہے۔

پہلا خطبہ

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ نے منبرِ نبوی پر بیٹھ کر ایک نہایت پُر حکمت اور جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپ کی زندگی کا پہلا خطبہ تھا۔ اس خطبہ میں آپ نے اپنے طرزِ حکومت و سیاست اور عوام کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ انہیں تقویٰ کی جانب دعوت دی اور بتایا کہ دنیا کی طرف اس قدر مت جھک جانا کہ تمہارا دین تباہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ :۔

"مجھے خلافت کی ذمہ داری تفویض کر دی گئی ہے اور میں نے اسے (بادلِ ناخواستہ) قبول کر لیا ہے آگاہ رہو کہ میں

قرآن و سنّت کی پیروی کروں گا اور اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی بات داخل نہیں کروں گا۔ آگاہ رہو کہ کتاب اللہ کی اتباع اور سنّتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بعد تم مجھ پر تین قسم کے حق رکھتے ہو۔ (اوّل) سیرتِ شیخین اور ان امور کی پیروی (کروں) جن پر ساری امت متفق ہو جائے۔ (دوم) اہل الخیر کے طریق کی اتباع کروں (سوم) تم سے اس وقت تک تعرض نہ کروں جب تک تم قابلِ گرفت امور کا ارتکاب نہ کرو۔ آگاہ رہو کہ دنیا سرسبز و شاداب باغ کی مانند ہے جو لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب کھینچتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس لیے تم دنیا کی محبت میں اسیر مت ہو۔ یہ اس قابل نہیں ہے کہ آدمی اسی کا ہو کر رہ جائے کیونکہ دنیا اور اس کے امور محکم بنیادوں پر قائم نہیں ہیں اور اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ دنیا (اپنی آلودگیوں میں مبتلا کیے بغیر) کسی کو نہیں چھوڑتی۔ اس کے (فریب سے) صرف وہی بچا رہتا ہے جو از خود اسے چھوڑ دیتا ہے"[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۴۴۶

بیعت لینے کے بعد حضرت عثمانؓ امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ملاقات کے بعد آپ امورِ خلافت کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ صوبوں کے گورنروں اور فوج کے افسروں کے نام فرمان جاری کئے جن میں انہیں ان کے فرائض یاد دلائے اور اپنی طرزِ سیاست و حکومت کے خدوخال ان پر واضح فرمائے۔ آپ نے انہیں لکھا کہ:۔

گورنروں کے نام فرمان

• خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کے عمالِ حکومت کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ امت کی جان و مال کی حفاظت کریں صرف خراج وصول کر کے خزانے بھرنے والے نہ بنیں۔ ہمارے پیش رو امت کے نگہبان تھے وہ صرف خراج کی رقوم سے خزانے نہیں بھرتے تھے لیکن مجھے خطرہ ہے کہ تم لوگ اپنے اصل فرائض یعنی امت کی جان و مال کی نگہبانی سے غافل ہو کر کہیں خزانے بھرنے میں مصروف ہو جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو کہ حیا، امانت اور وفا کی برکات سے

تم ہمیشہ کے لئے محروم ہوجاؤ گے۔ سب سے اچھا عدل یہ ہے کہ تم ان امور کو غور و فکر کا مرکز بناؤ جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حق انہیں دو اور اپنا حق ان سے لو۔ اسی طرح ذمیوں کی طرف سے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں وہ انہیں ادا کرو اور جو حقوق تمہاری طرف سے ان پر عائد ہوتے ہیں وہ ان سے وصول کرو۔ پھر دشمن سے نبرد آزما ہو جاؤ یہاں تک کہ فتحمند ہوجاؤ لیکن یاد رکھو ان کے ساتھ جو معاہدات کرو انہیں بہر قیمت پورا کرو[1]"

افسرانِ فوج کے نام فرمان

سرحدوں کی محافظ فوجوں کے افسروں کے نام آپ نے اس مضمون کا فرمان جاری کیا:۔

"امابعد! تم پر اسلام کو غنیم کی دست برد سے بچانے کی ذمہ داری ہے۔ تم مسلمانوں کے محافظ ہو۔ ہم اس طریق کار سے بے خبر نہیں ہیں جو (حضرت) عمرؓ نے تمہارے لئے تجویز کیا تھا آگاہ ہو جاؤ۔ میں یہ نہ سنوں کہ تم میں سے کسی نے اپنے سابقہ

---

[1] تاریخ طبری جلد چہارم ص ۲۴۵

طرزِ عمل میں تغیر و تبدل کر لیا ہے اگر تم نے اپنے پچھلے طور طریقوں سے روگردانی اختیار کی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں چھوڑ کر ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو تم سے کہیں بہتر ہوں گے۔ پس تم اپنی حالت کا جائزہ لیتے رہا کرو۔ خداوند تعالیٰ نے مجھ پر جو فرائض عائد کئے ہیں میں ان کی ادائیگی سے غافل نہیں ہوں گا اور اپنی روش پر مضبوطی سے قائم رہوں گا۔[1]"

افسرانِ مال کے نام فرمان

محکمۂ مال کے حکام کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے ان کے نام آپ نے مندرجہ ذیل فرمان جاری کیا:۔

"اما بعد: حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ازراہِ حق تخلیق فرمایا وہ سوائے حق کے اور کچھ قبول نہیں فرماتا پس تم بھی وہی وصول کرو جو تمہارا حق ہو اور اس کے بدلے میں وہی دو جو ان (ذمیوں) کا حق ہو۔ امانت اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ دونوں فریق اسے قائم رکھنے کی کوشش کریں اس اصول پر

---

[1] تاریخ طبری جلد چہارم ص۲۴۵

رخوب مضبوطی سے قائم رہو اور امانت میں خیانت کرنے والوں میں شامل نہ ہو ورنہ تم ان خائنوں کی خیانت کے بھی ذمہ دار ٹھہرو گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وفا اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک دونوں فریق وفاداری کا مظاہرہ کریں۔ یتیموں اور ان لوگوں پر جن سے تم نے معاہدے کئے ہیں ظلم نہ کرنا۔ اللہ تعالے ظلم کرنے والوں کا دشمن ہے۔"[1]

مسلمان عوام کے نام فرمان

گورنروں، فوج کے افسروں اور محکمۂ مال کے حکام کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک فرمان اپنی سلطنت کے عام مسلمانوں کے نام بھی جاری فرمایا جس میں آپ نے انہیں بتایا کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی طرف رغبت ان کے زوال کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ ان کا حقیقی فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"تمہیں حکم دیا گیا ہے اقتداء اور پیروی کرنے کا۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم دنیا کی طرف جھک کر کہیں اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو جس وقت یہ تین چیزیں اس امت میں یکجا

---

[1] تاریخ طبری جلد چہارم ص۲۴۵

ہوگئیں یہ بدعات ہیں مبتلا ہونے لگے گی۔ دنیوی نعمتوں کا انتہا کو پہنچ جانا۔ کنیزوں کے بطن سے مسلمانوں کی اولادیں پیدا ہونا عربوں اور عجمیوں کی قراءت میں اختلاف۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" عجمیوں ہیں کفر پایا جاتا ہے سے جب مسلمان عجمیت سے مغلوب ہوجائیں گے تو وہ تکلفات و بدعات کا شکار ہوجائیں گے [1]"

---

[1] تاریخ طبری جلد چہارم ص۲۴۵

بغاوتیں اور استیصال

بغاوتیں اور استیصال

جب تک حضرت عمرؓ زندہ تھے ان کی سطوت و شوکت اور ہیبت و جلال کی وجہ سے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی اور اگر کسی سرپھرے قبیلے نے کبھی سر اٹھانے کی جرأت کی بھی تو دُرّۂ عمرؓ نے اسے اس طرح بٹھایا کہ پھر وہ کبھی نہ اٹھ سکا۔ مگر جب حضرت عمرؓ کو اللہ کی رحمت نے اپنی آغوش میں لے لیا اور بلادِ اسلامیہ میں ان کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو آشفتہ مزاجوں کی دبی ہوئی سرکشی پھر ابھر آئی۔ اس روح فرسا واقعے نے جہاں ہر طرف صفِ ماتم بچھا دی وہاں کچھ مفسد قبائل ایسے بھی تھے جنہوں نے موقع کو غنیمت جان کر اپنے مذموم ارادوں کو جامۂ عمل پہنانے کی تیاری شروع کر دی۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ اب عمرؓ دنیا سے جا چکے ہیں۔ ان جیسا شیر دل، صاحبِ جلال و جبروت

اور مدبر شخص مسلمانوں میں کوئی نہیں ہے جو اس سیلاب کے سامنے بند باندھ سکے مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ دین جسے اللہ نے قائم کیا ہے شخصیتوں کی امداد اور حفاظت کا محتاج نہیں ہے۔ جب تک اللہ کا حکم ہوگا اس کے قصرِ عظمت و اقتدار میں بڑی سے بڑی شخصیت بھی تزلزل پیدا نہیں کر سکے گی اور اگر وہ چاہے گا تو بظاہر کمزور نظر آنے والے شخص سے اپنے دین کی حفاظت اور خدمت کا کام بطریق احسن لے گا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر فائز ہوئے اور آپ کو معلوم ہوا کہ بلادِ اسلامیہ کے بعض علاقوں میں بغاوت رونما ہو گئی ہے تو آپ نے پوری مستعدی اور سختی سے اس بغاوت کو کچلنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ اسلامی فوجوں کے آزمودہ کار جرنیلوں کو لشکرِ جرار دے کر بغاوت زدہ علاقوں میں روانہ فرمایا اور حسبِ ضرورت ان کی امداد کے لئے کمک پر کمک بھیجنی شروع کر دی۔ جب تک ایک ایک علاقہ میں امن و امان قائم نہ ہو گیا اور سلطنتِ اسلامیہ کا ایک ایک باغی مطیع و فرماں بردار نہ ہو گیا آپ نے اپنی فوجوں کی تلواروں کو نیام میں داخل نہیں ہونے دیا۔

اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے عہدِ خلافت میں اسلامی فوجوں نے
جن علاقوں کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا ان میں اسکندریہ خاص طور پر قابل ذکر
ہے۔ یہ شہر ساحلِ بحرِ قلزم پر آباد ہے اور مصر کا مشہور ترین شہر ہے ۲۱ھ میں
حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس پر قبضہ کیا اور بارہ ہزار دینار سالانہ پر یہاں
کے لوگوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں یہ لوگ
اسلامی حکومت کے پوری طرح تابعِ فرمان رہے۔ جب حضرت عمرؓ شہید
ہو گئے اور یہاں کے لوگوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو انہوں نے ہرقل
بادشاہِ روم سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اسکندریہ کے باشندوں
میں رومی لوگ شرارت میں پیش پیش تھے اور یہی لوگ ہرقل کو بار بار
لکھتے تھے کہ اگر آپ ہماری امداد کے لئے ایک لشکر روانہ کر دیں تو ہم
مسلمانوں سے اپنا عہد توڑ کر بغاوت کر دیں گے اور آپ کی فوج کی امداد
سے اسلامی فوجوں کو اسکندریہ سے نکال باہر کریں گے۔ آخر ۲۵ھ میں
ہرقل بادشاہ روم نے جنگی جہازوں کا ایک بحری بیڑہ اسکندریہ کی جانب روانہ
کیا۔ اس بیڑے میں تین سو جہاز تھے اور مشہور رومی جنگ آزما منویل خصی
اس کا کمانڈر تھا۔ اس بحری فوج نے اسکندریہ پہنچکر حملہ کر دیا۔ اس وقت

اسکندریہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی پھر یہ کہ اچانک حملہ کیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور ان مسلمانوں کو بھی قتل و غارت کا نشانہ بنایا جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ جب مصر کے گورنر حضرت عمرؓو بن العاص کو اس دلدوز سانحہ کی خبر معلوم ہوئی تو آپ پندرہ ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر رومیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ رومی اس عرصے میں اسکندریہ فتح کرنے کے بعد مصر میں داخل ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓو بن العاص کا ان سے پہلا مقابلہ مصر میں ہوا۔ یہاں رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ اسکندریہ کی طرف پسپا ہو گئے۔ اسلامی فوجیں ان کا تعاقب کرتی ہوئی اسکندریہ پہنچیں یہاں رومی قلعہ بند ہو کر لڑے۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے منجنیقیں نصب کر کے قلعے پر زبردست سنگ باری کی۔ آخر یہاں بھی میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور اسلامی فوجوں نے قلعے میں داخل ہو کر رومیوں کا بے دریغ قتل کیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا۔ رومی فوجوں کا سپہ سالار منویل خصی اس معرکے میں کام آیا[1]۔ اور اہلِ اسکندریہ کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ مسلمانوں سے صلح کرنی پڑی اس

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۱۳ و شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ

طرح اسکندریہ از سر نو اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔

آرمینیہ میں بغاوت

آرمینیہ بہت وسیع علاقہ تھا اور کئی حصوں پر مشتمل تھا اس کے شمال میں بحیرۂ خوارزم جنوب میں پہاڑ اور جنگل، مشرق میں گرجستان اور عراق عجم کا کچھ حصہ اور مغرب میں عراق عرب اور بلاد روم واقع ہیں حضرت عمرؓ کے عہد میں جب اس علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو یہ ملک چار حصوں پر مشتمل تھا ایک حصے میں سیسنان اور اردن واقع تھے۔ دوسرے حصے کا نام جرزان تھا، تیسرے حصے میں بسفرجان، دبیل، سراج طیر اور بغروند شامل تھے۔ چوتھا حصہ شمشاط، قالیقار، ارمینیش، خلاط اور باجنیس پر مشتمل تھا۔ پہلے جرزان اور سیسنان کے علاوہ باقی علاقے پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایران کے بادشاہ نوشیرواں کسریٰ نے حملہ کر کے سارے آرمینیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس علاقے پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور اسے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ۲۶ھ میں آرمینیہ کے

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۹۳

سرداروں نے بھی بغاوت کردی اور یہ علاقہ بدامنی اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔

آذر بائیجان میں فتوحات

یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے مشہور اسلامی جرنیل ولید بن عقبہ کو حکم دیا کہ تم آذربائیجان کے باغیوں کی سرکوبی کرو۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن شبیل احمسی کو ایک لشکر جرار دے کر آذربائیجان بھیجا۔ اس لشکر نے موقان، برزند اور طیلسان پر حملہ کر دیا خوں ریز جنگ کے بعد یہ سارے شہر فتح ہو گئے۔ آذربائیجان کے باقی شہروں کے لوگوں کو جب مسلمانوں کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے گھبرا کر صلح کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا اور حضرت حذیفہؓ کے مشورے کے مطابق آٹھ سو درہم سالانہ خراج کی شرط پر اہل آذربائیجان کو معافی دے دی گئی۔ اسی اثنا میں حضرت عثمانؓ نے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ کو ہدایت فرمائی کہ آرمینیہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے حبیب بن مسلمہ کو لشکر دے کر روانہ کرو۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ آٹھ ہزار کا لشکر لے کر قالیقلا روانہ ہو گئے۔ دوسری طرف حضرت معاویہؓ نے اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کے نام فرمان جاری کیا

رومی مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے شام کی سرحدوں پر جمع ہو رہے ہیں تم فوراً ایک فوج کثیر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کرو۔

قالیقار، ملطیہ اور قونیہ

چنانچہ اس فرمان کی تکمیل میں ولید بن عقبہ نے سلمان بن ربیعہ کو آٹھ ہزار فوج کے ساتھ رومیوں کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد سعید بن العاص کو بھی چھ ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا گیا تاکہ وہ اسلامی فوجوں کی امداد کریں۔ حبیب بن مسلمہ نے قالیقار پر حملہ کر کے دشمن کو قلعہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اسلامی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو اہل شہر گھبرا کر صلح کے ملتجی ہوئے۔ حبیب بن مسلمہ نے اس شرط پر امان دینا منظور کیا کہ جو لوگ جزیہ دینا قبول کریں وہ شہر میں رہ سکتے ہیں باقی لوگ شہر چھوڑ کر جلا وطن ہو جائیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے جزیہ دینا منظور کیا ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا مگر جن لوگوں نے جزیہ کی شرط قبول کرنے سے انکار کیا انہیں شہر سے نکال دیا گیا۔ یہ لوگ رومی حکومت میں چلے گئے اور اس طرح قالیقلا مفسد لوگوں سے پاک ہو گیا۔ اس کے بعد حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ آرمینیاقس، ملطیہ، سیواس اور قونیہ کے بطریق کے مقابلے کے لئے

روانہ ہوئے جو اسی[8] ہزار جاں بازوں کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے آیا تھا۔ یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حبیب بن مسلمہ کی بیوی ام عبداللہ بنت یزید الکلبیہ اس مہم میں ان کے ساتھ تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حبیب دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ اب تم سے کہاں ملاقات ہو گی۔ حبیب نے جواب دیا موریان (رومی لشکر کے سپہ سالار) کے خیمے میں یا جنت میں ——— جب رات ہوئی تو حبیب بن مسلمہ نے دشمن پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا اور رات کی تاریکی میں موریان کے لشکر پر جا پڑے۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی اور جب حبیب تلوار چلاتے ہوئے موریان کے خیمے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیوی شمشیر بدست کھڑی ہیں۔ تاریخ میں آتا ہے کہ یہ رات ان دونوں میاں بیوی نے موریان کے خیمے میں بسر کی۔ صبح کو پھر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں رومی زبردست جانی و مالی نقصان اٹھا کر فرار ہو گئے۔

خلاط، دبیل اور شمشاط

اس کے بعد حبیب نے آرمینیہ کے دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ خلاط کے حاکم نے عیاض بن غنم سے امان نامہ لکھوا لیا تھا وہ

یہ امان نامہ لے کر حبیب سے ملا اور درخواست کی کہ اس کے علاقے پر حملہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ حبیب نے خراج کی شرط پر امان نامے کی توثیق کر دی۔ اس کے بعد سیرجان کا رخ کیا۔ وہاں کے حکمران نے جزیہ کی شرط پر امان حاصل کر لی۔ یہاں سے فتح مند ہو کر حبیب نے اردستان کی طرف کوچ کیا۔ اس علاقے کے والی نے بھی بغیر جنگ کے اپنے آپ کو حبیب کے حوالے کر دیا۔ حبیب نے اس سے بھی خراج کی شرط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد دبیل کا رخ کیا۔ یہاں مقابلہ ہوا اہل شہر نے قلعہ بند ہو کر حبیب کے لشکر پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر حبیب نے منجنیقیں نصب کر کے قلعے پر سنگ باری کرنے کا حکم دیا۔ یہ سنگ باری اتنی شدید تھی کہ اہل دبیل نے امان کی درخواست کی۔ حبیب نے ان کی درخواست منظور کر لی اور مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر ان کے حوالے کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبیب بن مسلمہ کی طرف سے دبیل کے تمام اہلِ نصاریٰ، یہود اور مجوسیوں کے نام، خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ میں نے تم سب کی جان و مال اور عبادت گاہوں کو امان دی اور اس امان کی ذمہ داری قبول کی۔ ہم تم سے عہد کرتے ہیں اس وقت تک کے لیے جب

تک تم لوگ ہم سے وفاداری کرتے رہو گے اور جزیہ وخراج کی رقوم باقاعدگی سے ادا کرتے رہو گے۔ شہد اللہ وکفیٰ بہٖ شہیدا!

(مہر حبیب بن مسلمہ)

اس کے بعد حبیب نے شمشاط کا رخ کیا۔ یہاں خوں ریز جنگ ہوئی مگر آخرکار فتح مسلمانوں کی ہوئی اور انہوں نے شمشاط[1] اور اس کے قرب وجوار کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد حبیب بن مسلمہ النشوی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی جزیہ کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ یہیں بسفرجان کا بطریق حبیب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے صلح کی درخواست پیش کی۔ حبیب نے خراج کی شرط پر اس سے بھی صلح کر لی۔

ذات اللجم اور جرزان

یہاں حبیب بن مسلمہ نے اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے قرب وجوار کے چھوٹے چھوٹے سرداروں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ان میں سے ایک دستۂ فوج ذات اللجم کی طرف بھیجا۔ ایک روایت

---

[1] فتوح البلدان ص۱۹۲

کے مطابق اس فوج میں حبیب بھی شامل تھے۔ یہاں پہنچکر مسلمانوں نے اپنی سواری کے جانور لگامیں اتار کر چرنے کے لیے چھوڑ دیئے۔ قوم علوج جو بڑی جنگجو اور بہادر قوم تھی۔ موقع کی تاک میں تھی وہ اچانک مسلمانوں پر آ پڑی۔ یہ حملہ اس قدر سرعت سے ہوا کہ مسلمان اپنی سواریوں کے منہ میں لگامیں بھی نہ دے سکے۔ بڑا سخت مقابلہ ہوا اور بہت سے مسلمان کام آئے۔ علوج نے اس معرکے میں مسلمانوں کے بہت سے جانوروں پر قبضہ کر لیا اور انہیں لے کر وہ میدان جنگ سے روانہ ہو گئے۔ مگر جلد ہی مسلمان سنبھل گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس شدت کا حملہ کیا کہ ان کے بے شمار آدمی کھیت رہے، باقی فرار ہو گئے اور مسلمانوں نے اپنا سامان ان سے واپس لے لیا۔ چونکہ یہاں لگاموں والا واقعہ پیش آیا تھا اس لئے اس جگہ کا نام ہی ذات اللجم مشہور ہو گیا یعنی لگاموں کی جگہ۔

اس کے حبیب بن مسلمہ کے پاس اہل جرزان کا قاصد آیا اور امان کی درخواست کی۔ حبیب نے انہیں امان دے دی اور ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالے کر دی۔ جرزان کے باغیوں کو مطیع و فرمانبردار بنانے کے بعد حبیب مقام تفلیس کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں کے لوگوں نے جنگ کے مقابلے میں صلح کو پسند کیا اور اسی میں عافیت محسوس کی۔ حبیب نے ان سے صلح کر لی اور ان کی درخواست پر ایک امان نامہ لکھ کر ان کے حوالے کیا

جس کا ترجمہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حبیب بن مسلمہ کی طرف سے تغلیس کے باشندوں کے لئے جو جرزان الہرمز کے علاقہ منجلیس میں واقع ہے۔ ان لوگوں کی جانوں، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے دین و مذہب کو امان دی جاتی ہے۔ اس شرط پر کہ وہ عاجزانہ رویہ اختیار کریں اور ہر گھر کی طرف سے ایک دینار فی سال ادا کرتے رہیں۔ لیکن یاد رکھو تمہیں اس کی اجازت نہیں ہو گی کہ کئی گھروں کو ملا کر ایک شمار کرو تاکہ جزیہ کم دینا پڑے۔ اسی طرح ہمارے لئے بھی یہ امر جائز نہ ہو گا کہ تمہارے ایک گھر کو ایک سے زیادہ شمار کریں تاکہ جزیہ کی رقم میں اضافہ ہو جائے۔ تم پر ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہمارے خیر طلب رہو اور خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری نصرت و تائید کرو اور جب کوئی مسلمان راستہ بھول کر تمہارے علاقے میں چلا آئے تو اسے مسلمانوں کی کسی ایسی بستی میں پہنچا دو جو قریب ہو لیکن اگر اس میں کوئی رکاوٹ ہو تو تم اس ذمہ داری سے آزاد ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور مسلمانوں کے طریق کے مطابق عبادت کرو تو تم ہمارے بھائی ہو اور اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو جزیہ ادا کرنا تم پر واجب ہے۔ اگر کسی وقت ایسا ہو کہ مسلمان کسی محاذ پر ا

طرح مصروف ہو جائیں کہ وہ تمہاری حفاظت نہ کر سکیں اور غنیم اس علاقے پر حملہ کر کے تمہیں محکوم بنا لے تو اس کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوگی اور نہ اس سے تم عہد شکنی کے مرتکب قرار دیئے جاؤ گے یہ تمہارے وہ حقوق ہیں جو ہمارے ذمہ ہیں اور یہ وہ فرائض ہیں جو تمہارے ذمہ ہیں۔[1]

غرض حبیب بن مسلمہ نے نہایت شجاعت اور تدبر سے آرمینیہ اور آذربائیجان کے باغی سرداروں کو زیر کر لیا اور وہ تمام علاقے فتح کر کے دوبارہ اسلامی قلمرو میں شامل کئے جو حضرت عثمانؓ کے دائرۂ اطاعت سے باہر ہو گئے تھے۔

سلمان کی فتوحات

حبیب بن مسلمہ کے علاوہ جن اسلامی جرنیلوں نے آرمینیہ کی بغاوت فرو کرنے میں سرگرمی دکھائی ان میں سلمان بن ربیعہ کا نام سرفہرست ہے انہیں حضرت عثمانؓ نے اران، برذعہ اور البلاسجان وغیرہ کے باغی علاقے فتح کرنے پر مامور کیا۔ سلمان بھی بڑے بہادر اور جنگی چالوں کے بہت بڑے ماہر تھے چنانچہ انہوں نے ان علاقوں کی طرف کوچ کیا اور پہلے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۶۷

مدینۃ البیلقان کو فتح کیا۔ یہاں کے لوگوں نے بغیر لڑے شہر ان کے حوالے کر دیا۔ پھر برذعہ کی طرف بڑھے۔ اس علاقے کے لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سلمان نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور قرب و جوار کے دیہات پر یورش شروع کر دی۔ چونکہ یہ زمانہ فصلوں کی کٹائی کا تھا اس لئے اہل شہر نے صلح کی درخواست کی اور سلمان نے ان کی درخواست منظور کر کے جزیہ کی شرط پر انہیں امان دے دی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی فوج کے مختلف حصے کر کے انہیں رساتیق، شقیشن، والمخوان اور الہرحلیان و تبار کی طرف بھیجا۔ ان دستوں کو ہر مقام پر کامیابی ہوئی اور یہ سارے علاقے اسلامی حکومت کے اطاعت گزار ہو گئے۔ اس کے بعد سلمان نے البلاسجان کے کردوں کی طرف توجہ کی اور پہلے انہیں اسلام کی طرف بلایا مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے سلمان اور ان کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ان مہمات سے فراغت پا کر سلمان مجمع الراس اور الکر کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر مقام قبلہ پر فتح کے علم لہرائے۔ پھر نیزان شیروان اور مدینۃ الباب کے سرداروں نے بھی ان کی اطاعت اختیار کر لی۔[1]

---

[1] المسعودی جلد دوم ص ۳۹

سلمانؓ کی شہادت

اس کے بعد ہی وہ دلدوز واقعہ پیش آیا جس نے ایک بہت بڑے اسلامی جرنیل کی جان لے لی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آرمینیہ میں ہر طرف اسلامی لشکروں نے فتح و نصرت کے پرچم لہرانا شروع کر دیئے تو ان علاقوں کے بعض سرداروں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے مقابلے سے عاجز پاکر چین کے بادشاہ خاقان کو لکھا کہ ہماری امداد کیجئے ورنہ ایک دن وہ آئے گا کہ اسلامی فوجیں چین کی حدود میں داخل ہو جائیں گی اور پھر ان کا روکنا آپ کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔ یہ سن کر خاقان ایک لشکر جرار لے کر اسلامی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے یہ پیش قدمی اس قدر رازدارانہ طریقے سے کی کہ اسلامی لشکر کو اس کی بالکل خبر نہ ہو سکی۔ سلمان بن ربیعہ اس وقت نہر البلنجر کے قریب خیمہ زن تھے۔ یہیں خاقان نے ٹڈی دل لشکر کے ہمراہ سلمان پر حملہ کر دیا۔ سخت خون ریز جنگ ہوئی اور سلمان بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کے اہل لشکر بھی بہت بڑی تعداد میں کام آئے جن کا اندازہ قدیم مورخین نے چار ہزار نفوس تک کیا ہے۔ جس وقت

لہ فتوح البلدان ص ۲۰۴

سلمان شہید ہوئے اس وقت قرظہ بن کعب الانصاری ان کے ساتھ تھے انہیں نے مدینہ جا کر حضرت عثمانؓ کو اس حادثۂ فاجعہ کی خبر دی۔ سلمان بن ربیعہ کا آرمینیہ کی فتوحات میں بڑا حصہ ہے وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک کسی مہم میں مغلوب نہیں ہوئے۔ اس علاقے کے سب سے زیادہ حصے انہوں نے ہی فتح کئے۔ طبری کے بیان کے مطابق ولید بن عقبہ، عبداللہ بن شبیل ارحمی، سلمان بن ربیعہ، حبیب بن مسلمہ، سعید بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان مہمات میں سرگرم حصہ لیا اور سلمان بن ربیعہ نے ۲۴ھ میں بارہ ہزار فوج کے ساتھ آرمینیہ پر حملہ کر کے اس کے مختلف شہروں کو فتح کیا۔ باغیوں اور سرکشوں کا قتل عام کیا ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو لونڈی غلام بنایا اور مال و زر کے بڑے بڑے ذخائر پر قبضہ کیا۔ اسی سال یعنی ۲۴ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ملک رے کی فتح پر مامور کیا گیا۔ یہاں کے لوگ بھی باغی ہو کر سلطنتِ اسلامیہ کے لئے بہت بڑے فتنے کا موجب بن گئے تھے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے اس علاقے پر حملہ کر کے یہاں کے لوگوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ علاقہ بھی از سرِ نو خلافت عثمانؓ کا باج گزار بن گیا۔

۱؎ تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۰۸ ۔ ۲؎ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ۱

فتوحاتِ جدیدہ

فتوحاتِ جدیدہ

اندرونی بغاوتوں کے استیصال کے بعد حضرت عثمانؓ نے بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ دی۔ سلطنت اسلامی کو سب سے زیادہ خطرہ دو دشمنوں سے تھا۔ ایک کسریٰ ایران اور دوسرا قیصرِ روم، گو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایران کے بہت سے علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا مگر بادشاہِ ایران یزدجرد ابھی زندہ تھا اور وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہوتا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ازسرِ نو لشکر مرتب کرتا رہتا تھا اس لئے ضروری تھا کہ جب تک وہ مکمل طور پر شکست نہ کھا جاتا اس وقت تک اس کے خلاف جنگ جاری رکھی جاتی۔ دوسرا دشمن قیصرِ روم بھی سلطنت اسلامی کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔ اسکندریہ کے لوگوں نے دراصل

اسی کی امداد سے بغاوت کی تھی۔ اسکندریہ کے علاوہ اسلامی سرحدوں کے دوسرے شہروں پر بھی وہ آئے دن تاخت کرتا رہتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کی طاقت کو کمزور کر کے ان شہروں کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا جاتا جو سرحدوں پر واقع تھے اور جنہیں رومی چھاؤنیوں کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

عموریہ اور انطاکیہ

ان شہروں میں عموریہ بہت مشہور شہر تھا۔ یہ رومی سلطنت کی حدود میں واقع تھا۔ یہاں رومیوں نے اپنی فوجی طاقت اور سامانِ جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا۔ ان کے فوجی دستے یہیں سے نکل نکل کر اسلامی سرحدوں میں داخل ہوتے اور مسلمانوں پر حملے کر کے انہیں جانی و مالی نقصان پہنچاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے گورنر شام حضرت امیر معاویہؓ کو حکم دیا کہ ایک لشکرِ جرار لے کر روم میں داخل ہو جاؤ اور ان قلعوں اور سرحدی شہروں کو فتح کر لو جہاں سے رومی مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے ۲۵ھ میں مشہور اسلامی جرنیل یزید بن حر عبسی کو ہمراہ لے کر روم کا رخ کیا۔ رومی فوجوں سے آپ کا پہلا مقابلہ عموریہ میں ہوا۔ اس جنگ میں رومیوں کو شکست ہوئی

اور عموریہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔اس کامیابی کا رومی فوجوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ قرب وجوار کے سارے قلعے خالی کر کے فرار ہو گئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ بلا مزاحمت آگے بڑھتے چلے گئے اور انطاکیہ اور طرسوس پر قبضہ کر لیا۔ان دونوں شہروں کے درمیان بے شمار قلعے اور بستیاں خالی پڑی تھیں۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان قلعوں کی فوجیں اور ان علاقوں کے لوگ اسلامی لشکر کے خوف سے فرار ہو گئے ہیں۔چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان قلعوں اور ان سے ملحقہ بستیوں میں مسلمانوں کو آباد کیا اور انہیں شامی علاقے میں شامل کر لیا۔اس کے بعد آپ خود واپس چلے آئے اور اپنے جرنیل یزید بن حرؓ عبسی کو ایک لشکر دے کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔انہوں نے اس علاقے کے بہت سے شہروں کو فتح کر لیا اور واپسی پر انطاکیہ تک انہیں جتنے قلعے نظر آئے ان سب کو منہدم کر دیا[۱]۔اسلامی فوج کے ایک اور جرنیل حبیب بن مسلمہ نے رومیوں کے مشہور شہر ملطیہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا مگر کچھ عرصے کے بعد یہ شہر مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا۔پھر جب حضرت معاویہؓ شام کے علاوہ جزیرہ کے بھی حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے حبیب بن مسلمہ کو دوبارہ

۱؎ الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۶۶ و شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۸۳

اس کی فتح کے لئے بھیجا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی اور طلیبہ از سرِ نو اسلامی مملکت میں شامل ہوگیا۔ اب کی بار حضرت معاویہؓ نے یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت آباد کی اور ایک چھاؤنی بھی قائم کردی تاکہ یہاں کے لوگ آئندہ سرکشی نہ کرسکیں۔

فتحِ کابل

آذربائیجان اور آرمینیہ میں بغاوتوں کے استیصال کے بعد حضرت عثمانؓ نے کابل کی طرف توجہ دی۔ کابل کی سرحد سجستان سے ملتی تھی اور یہاں کا حکمران اکثر سرحدوں پر حملے کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت امیر معاویہؓ حاکم شام کو لکھا کہ کابل کی فتح کے لئے ایک لشکر روانہ کرو۔ حضرت معاویہؓ نے عبداللہ بن عامر والئے سجستان کو ہدایت فرمائی کہ کابل کی تسخیر کے لئے روانہ ہوجاؤ۔ چنانچہ ابن عامر ایک لشکر جرار لے کر اس مہم پر روانہ ہوگئے۔ عباد بن الحصین، عمر بن عبیداللہ بن معمر التیمی، عبداللہ بن خازم السلمی، قطری بن الفجاءہ اور المہلب بن ابی صفرہ اس مہم میں عبداللہ بن عامر کے ساتھ تھے۔ اسلامی لشکر شہر کے دروازے کے سامنے جاکر خیمہ زن ہوگیا اور کئی ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ایک روز عبداللہ بن عامر نے حکم دیا کہ پوری شدت سے

شہر پناہ پر سنگ باری کرو۔ چنانچہ منجنیقیں حرکت میں آگئیں اور ایسی شدید سنگ باری ہوئی کہ شہر پناہ شق ہو گئی۔ عباد بن الحصین ایک دستے کے ساتھ اس شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گئے اور شب خون مار کر اہلِ کابل کو بڑا نقصان پہنچایا۔ کابل کے لوگ بڑی بہادری سے لڑے مگر آخر کار شکست کھائی اور کابل پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ اس کے بعد اسلامی فوجوں نے کابل کے ملحقہ علاقوں ہرات وغیرہ کا رخ کیا اور سارے افغانستان کو فتح کر لیا۔ جن دنوں اسلامی فوجیں زابلستان وغیرہ فتح کرنے میں مصروف تھیں اہل کابل نے بغاوت کر دی۔ یہ سن کر اسلامی فوج کا ایک جرنیل عبدالرحمٰن بن سمرہ لشکر لے کر کابل کی طرف گیا اور اہل شہر کو دوبارہ شمشیر مطیع کیا۔

جہاد طبرستان

طبرستان اچھا خاصہ ملک تھا جس کے مشرق میں خراسان، مغرب میں آذربائیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد خیل واقع تھے۔ یہ متعدد شہروں اور قصبات پر مشتمل تھا۔ جرجان، طمیسہ، بسطام

سلے فتوح البلدان صفحہ ۳۹۷

اور استرآباد اس کے مشہور شہر تھے۔ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کے حکم سے سعید بن العاص نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ طبرستان کا رخ کیا اس لشکر میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص جیسے صحابی شامل تھے۔ سعید بن العاص نے پہلے قوس میں پڑاؤ کیا۔ پھر جرجان کی طرف کوچ کیا۔ یہاں کے والی نے دو لاکھ درہم دے کر اطاعت اختیار کر لی۔ اس کے بعد اسلامی لشکر طمیہ روانہ ہوا۔ اہلِ طمیہ اسلامی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں نکلے۔ اس علاقے کا والی اپنی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ سعید نے اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اس کا لشکر میدان سے بھاگ گیا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ طویل محاصرے کے بعد اہل شہر نے اطاعت اختیار کر لی[1]

فتحِ ایران

حضرت عمرؓ بن الخطاب کی شہادت کے بعد اہل فارس نے پھر سر اٹھایا اور علمِ بغاوت بلند کر کے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گئے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۳

یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر، عبیداللہ بن معمر اور عمیر بن
عثمان بن سعید کو لشکر دے کر فارس و خراسان کی فتح پر مامور فرمایا۔
عمیر نے بڑی برق رفتاری سے دشمن کی طرف کوچ کیا اور فرغانہ تک کے
علاقے پر قبضہ کر لیا۔ عبیداللہ بن معمر نے اصطخر پر حملہ کیا۔ یہاں بڑا خونریز
معرکہ ہوا اور عبیداللہ اس معرکے میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت
کے بعد اسلامی لشکر کے دل ٹوٹ گئے اور وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ
گیا۔ جب عبداللہ بن عامر کو اسلامی فوج کی پسپائی اور عبیداللہ بن معمر کی
شہادت کی خبر ہوئی تو وہ ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوئے۔ عثمان
بن العاص مقدمۃ الجیش پر، ابوبرزۃ الاسلمی میمنہ پر، معقل بن یسار میسرہ
پر اور عمران بن حصین سواروں پر متعین تھے۔ اصطخر پہنچکر اس لشکر نے
پوری شدت سے حملہ کیا۔ ایرانی بڑی بہادری سے لڑے لیکن آخر کار
فتح عبداللہ بن عامر کی ہوئی اور اصطخر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے
بعد اسلامی لشکر نے دارابجرد اور پھر شہر جور پر حملہ کیا۔ یہ دونوں شہر
بھی فتح ہو گئے۔ اس دوران میں اہل اصطخر نے بغاوت کر دی۔
عبداللہ بن عامر پھر واپس آئے اور بغاوت فرو کر کے اصطخر کے رؤسا
سرداران فوج اور جنگجو سواروں کو چن چن کر قتل کر دیا۔ اس عقوبت
کے بعد ایران کے سرداروں کی کمر ٹوٹ گئی اور پھر وہ کبھی کسی محاذ پر کامیابی

حاصل نہ کر سکے۔

فتح خراسان

فارس کی طرح خراسان بھی حضرت عمرؓ بن الخطاب کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا مگر یہاں کی فتوحات پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں اور بہت سے علاقے ابھی ایسے تھے جن پر بدستور اہل خراسان کا قبضہ تھا اس اثنا میں کرمان کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو حکم دیا کہ کرمان کی بغاوت فرو کرو اور جو علاقے ابھی تک اسلامی سلطنت میں شامل نہیں ہوئے ہیں انہیں فتح کر لو۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر جو اس وقت ایران کی فتوحات سے واپس آکر بصرہ میں گورنری کے فرائض ادا کر رہے تھے ایک لشکر جرار لے کر کرمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انہوں نے مجاشع بن سلمیٰ کو کرمان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیج دیا اور خود نیشاپور کا رخ کیا جو اس وقت ایک بڑا صوبہ اور خراسان کا بہت اہم علاقہ تھا۔ احنف بن قیس کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر طبسین کے قلعوں کو جو خراسان کے دروازوں کی حیثیت رکھتے تھے فتح کر لیا۔ پھر کوہستان پر منجنیقوں سے حملہ کر دیا اور بڑی شدید سنگ باری کی۔ اسی دوران میں عبداللہ بن عامر بھی اپنے لشکر

کے ساتھ پہنچ گئے اور یہ علاقہ بھی فتح ہو گیا۔ اب نیشاپور اسلامی لشکر کی منزل تھی۔ چنانچہ ابن عامر نے ولایت نیشاپور کے متعدد مقامات پر حملے کر کے انہیں زیر کر لیا۔ ان میں استاق رام، ہرمز اور جیرفت شامل ہیں۔ اس کے بعد اسلامی لشکر کے ایک حصے نے بیہق کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں کی مضبوط فصیل میں سنگ باری کی وجہ سے شگاف پڑ گیا تھا اسلامی فوجوں کا ایک دستہ اسی شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔ اسود بن کلثوم اس دستے کے کمانڈر تھے۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں اسود شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اسود کے بھائی ادہم بن کلثوم نے اسلامی فوج کا علم سنبھالا اور اس بے جگری سے دشمن پر حملہ کیا کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور بیہق فتح ہو گیا۔ دوسری طرف عبداللہ بن عامر، بست، اسفرائین، خوف اور ارغیان فتح کر کے شہر نیشاپور کے دروازے پر آ پہنچے اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے اور عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک ماہ جاری رہا۔ آخر ایک روز شہر کے ایک سردار نے عبداللہ بن عامر کو پیغام بھیجا کہ اگر مجھے امان دی جائے تو میں شہر کا دروازہ کھول دوں گا۔ عبداللہ ابن عامر نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ رات کو شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اسلامی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں آخر کار سرداران شہر نے صلح کی پیش کش کی اور چار لاکھ درہم سالانہ پر اہل شہر کو امان دیدی گئی۔

عبداللہ بن عامر نے قیس بن ہیثم کو نیشا پور کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد ابن عامر نے نسا، ابیورد اور سرخس کی طرف مہمات بھیجیں۔ نسا اور ابیورد کے لوگوں نے بغیر لڑے شہر اسلامی فوجوں کے حوالے کر دیے سرخس میں جنگ ہوئی لیکن آخر کار اس شہر پر بھی اسلامی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ اسی دوران میں طوس کا حاکم حاضر ہوا اور صلح کی پیش کش کی۔ اسے بھی چھ لاکھ درہم سالانہ پر اسلامی حکومت کا باج گزار بنا لیا گیا اسی اثنا میں حاکم مرو نے بھی اسلامی لشکر سے خائف ہو کر صلح کی درخواست پیش کی اور دو کروڑ دس لاکھ درہم پر اس سے صلح ہو گئی۔ اس کے بعد عبیداللہ بن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان کی فتح پر مامور کیا راستے میں دارالجبرد اور مروالزود کی مہمات درپیش آئیں۔ دارالجبرد کے حاکم نے تو بلا جنگ کئے تین کروڑ درہم خراج پر صلح کر لی۔ البتہ مروالزود کے حاکم نے جنگ کی لیکن شکست کھائی اور چھ لاکھ سالانہ خراج کی شرط پر صلح ہو گئی۔ اس کے بعد اہل جرجان جو مغلوب ہو چکے تھے پھر مقابلے پر آ گئے اور طالقان و فاریاب کے لشکروں کو اپنی امداد کے لئے ہمراہ لائے۔ بڑا خون ریز مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے ان متحدہ دشمنوں نے شکست کھائی۔ اس طرح جرجان کے علاوہ طالقان اور فاریاب کے نئے علاقے بھی اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ادھر سے فارغ ہو کر احنف نے بلخ پر

حملہ کیا۔ اہل شہر نے سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ اسید بن المنشر کو بلخ کا والی مقرر کرنے کے بعد احنف خوارزم کی فتح کے لئے روانہ ہوئے مگر یہاں کے لوگوں نے دریائے جیحون کا پل توڑ کر لشکر اسلامی کا راستہ روک دیا۔ اس لئے مجبوراً احنف اپنا لشکر لے کر واپس آ گئے۔

یزدجرد کا قتل

جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ ایران کے بہت سے علاقے حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہدِ خلافت میں فتح ہو چکے تھے مگر بہت سے شہر ابھی تک یزدجرد بن شہریار شاہ ایران کے قبضے میں تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں یہ علاقے بھی ایک ایک کر کے مغلوب ہو گئے۔ صرف مدائن کا علاقہ باقی رہ گیا جس پر یزدجرد کا قبضہ تھا۔ ایک روز ایران کے بڑے بڑے رؤسا اور سردار جمع ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ یزدجرد کی قیادت میں مسلمانوں سے ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ اور کر لی جائے۔ شاید قسمت یاوری کرے اور ایرانیوں کا آفتابِ عظمت پھر گہن سے نکل آئے۔ چنانچہ انہوں نے شاہ یزدجرد کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھاتا اور ذلت و رسوائی اٹھاتا مدائن پہنچ کر اپنی سلطنت کی بحالی کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا از سر نو اپنا بادشاہ

بنایا اور مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بڑی خوفناک جنگ ہوئی مگر نتیجہ یزدجرد کے خلاف نکلا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر یزدجرد یہاں سے بھاگا اور حلوان پہنچا۔ یہاں کے والی نے اسے اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ حلوان سے بھاگ کر اصفہان پہنچا مگر اسلامی لشکر نے اصفہان پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔ اب یزدجرد نے اصطخر کا رخ کیا۔ یہاں اس نے بہت بڑی طاقت جمع کر لی۔ عبداللہ بن بدیل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، اور عثمان بن العاص نے یکے بعد دیگرے اصطخر پر حملے کئے مگر ان میں سے کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن عامر بلادِ فارس میں فتح کے علم لہراتے اصطخر پہنچے۔ یہ دیکھ کر یزدجرد اصطخر سے بھاگ کر کرمان پہنچا۔ اس کے اصطخر سے فرار ہوتے ہی عبداللہ بن عامر نے مجاشع بن مسعود سلمی اور حرم بن حیان عبدی کو یزدجرد کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں میرا تعاقب کر رہی ہیں تو وہ کرمان سے بھاگ کر خراسان چلا گیا۔ اسی دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جس وقت مجاشع کا لشکر یزدجرد کا تعاقب کر رہا تھا تو ایک روز رات کو بڑی شدید برف باری ہوئی اور ایک نیزے کی اونچائی کے برابر برف جم گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا اسلامی لشکر برف کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا

صرف مجاشع اس کا ایک ساتھی اور ایک عورت بچ سکی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں شاہ یزدجرد کرمان میں مقیم تھا۔ ایک روز حاکم کرمان نے اس سے کسی موضوع پر گفتگو کرنی چاہی مگر یزدجرد اس وقت اپنے خیالات میں مستغرق تھا۔ اس نے حاکم کرمان کی بات کا جواب نہ دیا۔ اس پر حاکم کرمان نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ یزدجرد کی ٹانگ پکڑ کر کھینچو اور پھر یزدجرد سے کہا کہ تم میں تو ایک موضع پر حکومت کرنے کی اہلیت نہیں ہے ملک تو بہت بڑی چیز ہے اگر تم اس کے اہل ہوتے تو آج تمہارا یہ عبرت ناک حشر نہ ہوتا اور نہ اس قدر ذلیل و خوار ہوتے۔ حاکم کرمان کی بدسلوکی سے دل برداشتہ ہو کر یزدجرد یہاں سے بھی چلا گیا۔ اس کے بعد علاقہ سیستان میں پہنچا۔ یہاں کے حاکم نے اس کی بہت قدر و منزلت کی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ یزدجرد نے حاکم سیستان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم نے بہت عرصہ سے میرا خراج ادا نہیں کیا ہے اب وہ رقم جو تمہارے ذمہ نکلتی ہے ادا کر دو۔ یزدجرد کا یہ مطالبہ حاکم سیستان کو ناگوار گذرا۔ یزدجرد اس کے تیور دیکھ کر سیستان سے نکل کھڑا ہوا اور مرو پہنچا۔ یہاں کے والی نے اس کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مؤرخ ابن خلدون کا بیان ہے کہ مرو روانہ ہوتے ہوئے یزدجرد نے چین، فرغانہ، خزر اور کابل کے والیوں سے امداد کی درخواست کی۔ فارس کے بہت سے

دہقانی بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس لشکر کو ساتھ لیکر وہ مرو پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس کی نیت میں فتور پیدا ہوگیا اور مرو پر قبضہ کرکے اپنے بھتیجے کو بادشاہ بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ مرو کے حاکم کو بھی یزدجرد کے اس ارادے کا علم ہوگیا اور اس نے یزدجرد سے درخواست کی کہ میں آپ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جب دونوں کی خلوت میں ملاقات ہوئی تو حاکم مرو نے شاہ یزدجرد سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا اور اس شرط کے ساتھ اس کی امداد اور بحالی سلطنت کا وعدہ کیا۔ یزدجرد حاکم مرو کی اس جرأت پر غصے سے بے قابو ہوگیا اور اسے نہایت غلیظ گالی دی۔ اس پر حاکم مرو نے مغلوب الغضب ہوکر یزدجرد کے سر پر اپنا گرز دے مارا لیکن وار خالی گیا اور یزدجرد اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ طبری نے اس واقعہ کو ذرا مختلف انداز سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یزدجرد کرمان سے مختصر سی فوج کے ہمراہ مرو آیا اور یہاں کے والی سے پناہ کی درخواست کی۔ والئے مرو نے اسے پناہ دینے سے انکار کردیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کے ساتھ فوج تھی اس لئے اسے خطرہ پیدا ہوا کہ یزدجرد کہیں اس پر حملہ نہ کردے چنانچہ اس نے ترکوں سے امداد کی درخواست کی۔ ترک فوج جلد ہی مرو پہنچ گئی۔ مقابلے کے بعد یزدجرد کا لشکر منتشر ہوگیا بہت سے لوگ قتل ہوگئے۔ یزدجرد جان بچاکر بھاگا اور ایک چکی چلانے والے کے

گھر میں پناہ لی۔ رات کو چکی والے نے اس کے قیمتی تاج، مرصع تلوار اور شاہی زیورات کے لالچ میں اسے قتل کر کے لاش نہر میں ڈال دی۔ اس طرح ایران کے اس بادشاہ اور اس کی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا جو نہ صرف ایران بلکہ افغانستان کے ملحقہ علاقوں اور شام و عراق تک پھیلی ہوئی تھی اور جس کے جاہ و جلال سے بڑے بڑے بادشاہ لرزہ براندام رہتے تھے جس کے باپ نے آں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نامۂ مبارک چاک کر کے حضورؐ کی مقدس تحریر کی بے حرمتی کی تھی۔ اور جس کے اس شرمناک فعل پر حضورؐ نے کسریٰ کی تباہی کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ یہ پیش گوئی حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوئی اور اسلام کے دو بڑے دشمنوں قیصر اور کسریٰ میں سے ایک دشمن صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا۔

طرابلس کی فتح

جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ افریقہ کے بعض علاقے حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہو چکے تھے اور عرب کے مشہور مدبر اور اسلامی جرنیل

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۲

حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر فوج کشی کر کے اس علاقے پر اسلامی پرچم لہرا دیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے ۲۵ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ چند ماہ کے بعد انہوں نے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ مجھے افریقہ فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مشورے کے بعد آپ نے عبداللہ کو افریقہ پر فوج کشی کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ کامیابی کی صورت میں مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں حصہ تمہیں دیا جائے گا۔ مدینہ سے ایک لشکر جرار جو دس ہزار افراد پر مشتمل تھا عبداللہ ابن ابی سرح کی امداد کے لئے روانہ کیا گیا اس لشکر میں بعض جید صحابہ بھی شریک ہوئے ابن خلدون کے بیان کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ اس لشکر کے دو حصے کئے گئے۔ ایک حصہ کا سردار عقبہ بن نافع بن عبدالقیس کو اور دوسرے حصے کا سردار عبداللہ بن نافع بن حرث کو مقرر کیا گیا۔ جس وقت اسلامی لشکر عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں افریقہ کی سرحد پر پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے مقابلے کی تاب نہ لا کر صلح کی درخواست کی اور جزیہ کی شرط پر ان لوگوں کو امان دے دی گئی۔ ۲۶ھ میں مدینہ کا

لشکر افریقہ پہنچ گیا اور اب متحدہ لشکر جس کی قیادت عبداللہ بن ابی سرح
کر رہے تھے طرابلس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس زمانے میں افریقہ کے
اس علاقے کا والی جرجیر تھا یہ قیصر روم کا باج گزار تھا۔ اس کی
سلطنت کی حدود طرابلس سے طنجہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جب
اس نے سنا کہ اسلامی لشکر طرابلس کی فتح کے لئے سرحد کے قریب
پہنچنے والا ہے تو ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر منظم کر کے جرجیر اسلامی لشکر
کے مقابلے کے لئے صف بستہ ہو گیا۔ دونوں فوجوں میں جنگ شروع
ہو گئی۔ یہ جنگ چالیس روز تک جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔
ادھر جب عرصہ دراز تک افریقہ سے کوئی خبر نہ آئی تو حضرت عثمانؓ نے
عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک لشکر دے کر عبداللہ بن ابی سرح کی کمک کے طور پر
روانہ کیا جس وقت یہ لشکر طرابلس کی سرحد پر پہنچا جہاں اسلامی لشکر خیمہ زن
تھا تو نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ یہ نعرے سن کر جرجیر بڑا
حیران ہوا اور جب اسے بتایا گیا کہ مدینہ سے تازہ دم فوج آگئی ہے تو اس
کے حوصلے پست ہو گئے۔ دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مصری فوج
کے لوگوں سے دریافت کیا کہ عبداللہ بن ابی سرح کہاں ہیں؟ انہیں
بتایا گیا کہ جرجیر نے اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا
سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار دیئے جائیں گے اور میں اپنی

بیٹی سے اس کا عقد کر دوں گا۔ اس لئے وہ روپوش ہو گئے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن ابی سرح سے ملے اور انہیں مشورہ
دیا کہ آپ بھی اپنے لشکر میں منادی کرا دیں کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ
کر لائے گا اسے ایک لاکھ درہم دیئے جائیں گے اور جرجیر کی بیٹی سے
اس کا نکاح کر دیا جائے گا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ
مشورہ پسند آیا اور انہوں نے اس کی منادی کرا دی۔ جب یہ خبر جرجیر کو
ملی تو اس کے ہوش اڑ گئے مگر ہمت کر کے مقابلے پر ڈٹا رہا۔ جنگ
طویل ہوتے دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے
کہا کہ ہم ایک غیر ملک میں ہیں، قیصر روم حاکم طرابلس کی پشت
پناہی کر رہا ہے اور تازہ دم فوجیں جرجیر کی امداد کے لئے بھیج رہا ہے
یہاں کے لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر جنگ کا یہی انداز رہا تو
طرابلس فتح کرنے کے لئے عمر نوحؑ درکار ہو گی۔ میری رائے تو یہ
ہے کہ اپنی فوجوں کو منظم کر کے میدان میں لے آؤ اور آزمودہ کار
جوانوں کا ایک دستہ لشکر گاہ میں رہنے دو۔ پہلے عام فوج دشمن
پر حملہ کرے اور جب شام ہو اور دشمن کی فوجیں اپنے خیمے کی طرف
واپس جانے لگیں تو وہ دستہ جو لشکر گاہ میں آرام کر رہا ہو اچانک حملہ
کر دے۔ رومی تھکے ماندے ہوں گے اس لئے وہ ثابت قدمی سے جنگ

نہیں کر سکیں گے۔ مگر اسلامی دستہ تازہ دم ہوگا وہ بڑے ثبات و استقلال سے بھرپور حملہ کرے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ رومی بھاگ کھڑے ہوں گے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی یہ رائے بہت پسند آئی اور دوسرے دن اس طریقے سے جنگ کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس حملے میں والیٔ طرابلس جرجیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی زد میں آگیا۔ حضرت عبداللہؓ نے آگے بڑھ کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ جرجیر کے قتل ہونے ہی میدان رومیوں سے صاف ہوگیا۔ اس دار و گیر میں جرجیر کی لڑکی بھی گرفتار ہوئی اور چونکہ جرجیر کو حضرت عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا تھا اس لیے انہیں کو بخش دی گئی[1]۔ اس کے بعد اسلامی لشکر افریقہ کے مشہور شہر سبیطلہ کی فتح کے لیے روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آخر اہل شہر نے مجبور ہو کر اپنے آپ کو اسلامی فوج کے حوالے کر دیا۔ اس فتح کے نتیجے میں اس قدر دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی کہ غنیمت کی تقسیم کے وقت ہر سوار کو تین ہزار اور ہر پیدل کو ایک ہزار دینار ملے۔ اس کے بعد اسلامی فوج ارد گرد کے علاقوں میں

---

[1] تاریخ ابن خلدون۔ جلد پنجم ص۱۰۵ و فتوح البلدان ص۲۳۵

پھیل گئی اور بڑھتے بڑھتے سرحد قفصہ تک پہنچ گئی۔ اس فوج کے ایک دستے نے اجم کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ سامانِ حرب اور مسلح فوجوں سے بھرے ہوئے اس قلعے پر بھی آخر کار اسلامی لشکر کا قبضہ ہو گیا اور اہلِ قلعہ نے دس لاکھ پانچسو دینار پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

ابن زبیرؓ کا چشم دید بیان

افریقہ کی فتح کا مژدہ لے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ پہنچے اور جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کو یہ خوش خبری سنائی تو آپ نہایت مسرور ہوئے اور حضرت ابن زبیرؓ سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تم افریقہ کی جنگ کے چشم دید حالات اہلِ مدینہ کے سامنے بیان کرو۔ حضرت ابن زبیرؓ نے عرض کیا کہ میں تعمیلِ حکم کے لئے حاضر ہوں۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور یوں تقریر شروع کی۔

وہ جمیع حمد و ستائش اللہ جل شانہٗ کو سزاوار ہے جس نے ہمارے دلوں میں الفت پیدا کی اور ہمیں بغض و عداوت کے بعد ایک دوسرے کا دوست بنا دیا۔ خدا کی نعمتیں ایسی نہیں کہ ان کا انکار کیا جا سکے اور اس کی ملکیت و حکومت ہمیشہ رہے گی۔ وہی حمد و ثنا کے لائق ہے جیسی حمد و ثنا خود اس نے اپنی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبوت کے لئے منتخب کیا اور اپنے علم کے ذریعے آپ کو پسند فرمایا۔ اپنی وحی کا آپ کو امانت دار بنایا۔ لوگوں میں سے آپ کے لئے مددگار منتخب کئے۔ ان کے دلوں میں آپ کی تصدیق اور محبت پیدا کی ۔ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی عزت و توقیر کی۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین میں سے بعضوں کو شہادت کی دولت عطا فرمائی اور وہ بیعِ نفع مند کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز المرام ہوئے اور جو جہاد میں زندہ رہے۔ خدا کے احکام ادا کرنے میں کسی کی ملامت ان کو نہیں پہنچی۔ اے لوگو! خدا تم پر رحم فرمائے۔ ہم مجاہد لوگ جس غرض سے اپنے گھروں سے نکلے وہ تم جانتے ہو جس شخص کو امیرالمومنین (حضرت عثمانؓ) نے ہمارا سردار مقرر کیا ہم اس کے تابع رہے۔ ہمارے سردار نے ہمارے ساتھ صبح و شام ٹھنڈے وقت سفر کیا۔ دوپہر اور گرمی کے اوقات میں کسی منزل پر اتر جاتے تھے۔ رات میں آرام کرتے تھے۔ جس منزل میں دانہ چارہ کی کمی ہوتی وہاں سے جلد چل دیتے اور جو منزل سرسبز و شاداب ہوتی جانوروں کے لئے دانہ چارہ بکثرت ہوتا وہاں زیادہ قیام کرتے۔ اس طرح ہمارا سفر نہایت اچھی حالت میں طے ہوا۔ یہاں تک کہ ہم ملکِ افریقہ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ہم نے اتنے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا کہ کفار ہمارے گھوڑوں کے ہنہنانے

اونٹوں کے بلبلانے اور ہتھیاروں کی آواز سنتے تھے۔ ہم وہاں اتنے دن ٹھہرے کہ ہمارے جانور سفر کی تکان سے آسودہ ہوگئے اور ہم نے اپنے آلاتِ حرب کو درست کر لیا۔ پھر ہم نے کفار کو اسلام کی دعوت دی اور دینِ اسلام میں داخل ہونے کا پیغام بھیجا مگر وہ اسلام سے کوسوں دور تھے۔ پھر ہم نے انہیں ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ ادا کرنے کا پیغام دیا یہ ان سے اور بھی دور تھا۔ پھر ہم تیرہ دن مقیم رہے یہ ان کے لئے مہلت تھی (تاکہ اپنے معاملے میں خوب غور کرلیں) اس عرصے میں ہمارے قاصد ان کے پاس جاتے رہے۔ جب ہمارے سردار کو ان لوگوں کی طرف سے مایوسی ہوگئی تو ایک روز وہ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا اور فضیلتِ جہاد بیان کی۔ لڑائی میں صبر کرنے والوں کے ثواب کا ذکر کیا۔ پھر تمام لشکر دشمن کے مقابلے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ دن بھر جنگ ہوتی رہی۔ دونوں فریق لڑائی میں جمے رہے اور سختی پر صبر کیا۔ اس جنگ میں دونوں طرف کے بہت سے سپاہی کام آئے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو خدائے بزرگ نے دولتِ شہادت سے سرفراز فرمایا سارا دن لڑائی میں مصروف رہنے کے بعد شام کو دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ مسلمانوں کے لشکر میں تمام رات تلاوت قرآن ہوتی رہی اور قرآن شریف پڑھنے کی نرم آواز مثل شہد کی

ٹھیوں کی آواز کے سنی جاتی تھی (برعکس اس کے) وہ رات لشکرِ کفار
نے شراب خواری اور لہو و لعب میں گزاری۔ صبح ہوتے ہی ہم سب
نے اسی میدان میں جہاں گزشتہ روز لڑے تھے صف بندی کی اور
پھر ایک ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس روز بڑا سخت معرکہ ہوا۔ خداوند
تعالےٰ نے ہم لوگوں کو صبر عطا فرمایا اور اپنی مدد و نصرت ہم پر نازل فرمائی
شام ہوتے ہوتے ہم نے کفار پر فتح پائی۔ مالِ غنیمت اس قدر رہا تھا آیا
کہ اس کا خمس پانچ لاکھ تھا جسے مروان نے خرید لیا۔ میں نے مسلمانوں کو نہایت
خوشی اور فارغ البالی میں چھوڑا اور سب کی طرف سے قاصد بن کر امیر المومنین
حضرت عثمانؓ) اور آپ سب کو بشارتِ فتح پہنچانے چلا آیا۔ میں سب کو
اس ملک کی فتح کی مبارک باد دیتا ہوں۔ پس خدا کے خاص بندے اپنے مالک
حقیقی کا شکر اور اس کی حمد و ثنا کریں جس نے اپنے بندوں کو نعمتِ فتح و
ملک و مال عطا کی اور اپنے دشمنوں پر وہ سختی اور بلا نازل فرمائی جس کے
وہ مستحق تھے[1]۔

قسطنطین کا حملہ اور شکست

جب عبد اللہ بن ابی سرح افریقہ کی فتح کے بعد مصر واپس آ گئے تو

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم صـ۱۹۷ بحوالہ العقد الفرید

قسطنطین بن ہرقل نے رومیوں کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں کے مفتوحہ علاقے پر چڑھائی کر دی۔ اس کے ساتھ رومی فوجوں کے بڑے آزمودہ کار لوگ تھے۔ یہ جنگی بیڑہ چھ سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو اس کی آمد سے قبل ہی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ انہوں نے دربارِ خلافت میں لکھا۔ یہاں سے حضرت امیر معاویہؓ شامی لشکر کے ساتھ اور عبداللہ بن ابی سرح دریا کے راستے قسطنطین کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ ساحل اسکندریہ کے قریب سمندر میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ نماز فجر کے بعد سے ظہر کے وقت تک جنگ جاری رہی۔ مسلمانوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ سمندر خون سے سرخ ہو گیا۔ اس جنگ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے مگر کفار کے مقتولوں کی تعداد حدِ شمار سے باہر تھی۔ آخر قسطنطین زخمی ہو کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کی فوج بھی فرار ہو گئی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔[1] علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ جب قسطنطین اپنے مٹھی بھر بچے کھچے فوجیوں کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ کر صقلیہ پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو اس کی شکست کا حال معلوم ہوا تو ان لوگوں نے غصے میں آ کر قسطنطین کو حمام میں قتل کر دیا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۱۴

فتح قبرص اور روڈس

قبرص ایک جزیرہ ہے جو ساحل یونان اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے اسے ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مصر و شام کے علاقے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے تھے جب تک اس جزیرے پر مسلمانوں کا تسلط نہ ہوتا۔ یہاں کے لوگ رومیوں کے باج گزار تھے اور مسلمانوں کے ساتھ رومیوں کی جنگ میں انہیں امداد دیتے رہتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کو مغلوب کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں آپؓ سے درخواست کی تھی کہ مجھے قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا تھا کہ قبرص اسلامی سرحدوں سے اتنا قریب ہے کہ یہاں کے لوگ قبرص کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ تم مجھے قبرص کے کوائف اور بحری سفر کے حالات لکھو۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک بہت بڑی چیز (جہاز) پر چھوٹی مخلوق بیٹھی ہوتی ہے۔ حدِ نگاہ تک آسمان اور پانی کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اگر پانی ساکن ہو اور موجیں نہ بھی اٹھ رہی ہوں تو بھی

بحری مسافروں کے دل لرزتے رہتے ہیں اور اگر سمندر میں طوفان آجائے تو ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں اور جان بچنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ موت سامنے نظر آتی ہے۔ جہاز پر بیٹھا ہوا شخص یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بہت بڑی لکڑی پر ذرا سا کیڑا بیٹھا ہو اگر وہ لکڑی کسی طرف جھک جائے تو کیڑا ڈوب جاتا ہے اور اگر لکڑ ساحل پر پہنچ جائے تو کیڑے کی جان بچ جاتی ہے[1]۔

جب حضرت عمرؓ کو حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ خط ملا تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اس خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم جس نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں کسی مسلمان کو ایسے خطرناک راستے پر جانے کی اجازت نہیں دوں گا مجھے معلوم ہوا ہے کہ بحیرۂ شام کی سطح بہت بلند ہے اور طوفانی موجیں روزانہ بحکم خداوندی ساحلِ شام کو غرق کرتی رہتی ہیں۔ پھر میں مسلمانوں کے لشکر کو ایسے سفر کی اجازت کیسے دوں۔ خدا کی قسم مجھے ادنےٰ درجے کا مسلمان بھی سارے اہل روم سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ خبردار آئندہ تم کبھی اس طرف کا ارادہ کرنا اور نہ مجھ سے اس غرض کے لئے مراسلت کرنا[2]۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ص ۱۰۰ مطبوعہ دار الکتاب اللبنانی بیروت

[2] تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ص ۱۰۸

حضرت عمرؓ کا یہ خط پڑھ کر حضرت امیر معاویہؓ نے فتح قبرص کا ارادہ ملتوی کر دیا مگر جب حضرت عمرؓ شہید ہو گئے اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہؓ نے پھر فتح قبرص کی اجازت مانگی پہلے حضرت عثمانؓ نے اجازت دینے میں تامل کیا مگر جب آپ کو اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ بحری سفر میں نقصان کا اندیشہ نہیں ہے تو آپ نے حضرت معاویہؓ کو قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت دیدی لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ اس جہاد میں حصہ لینے کے لئے مسلمانوں کو مجبور نہ کیا جائے بلکہ جو خوشی سے جانا چاہے اس کو مجاہدین کے لشکر میں شامل کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؓ نے حضرت معاویہؓ کو ہدایت فرمائی کہ اپنی بیوی کو اس سفر میں ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ آپ کی بیوی فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف بن قصی اس بحری سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں ۲۸ھ میں یہ پہلا اسلامی بحری بیڑہ فتح قبرص کے لئے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں بعض صحابہ بھی شامل تھے۔ ان میں حضرت ابوذر غفاریؓ۔ حضرت ابوالدرداؓ حضرت شدادؓ بن اوس۔ حضرت عبادہؓ بن صامت ان کی اہلیہ حضرت ام حرام بنت ملحان قابل ذکر ہیں۔ بلاذری نے ان حضرات کے علاوہ فضالہ بن عبید الانصاری۔ عمیر بن سعد بن عبید الانصاری۔ واثلہ بن الاسقع الکنانی۔ عبداللہ بن بشیر المازنی۔ المقداد، کعب الخیر تابع اور جبیر بن نفیر الحضرمی کے

نام بھی درج کیے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن قیس مجاہدین کے اس دستے کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ شام کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ نے اور مصر کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح نے قبرص کی طرف پیش قدمی کی اور دونوں کی فوجیں متحدہ طور پر جزیرہ میں داخل ہوئیں۔ جس وقت اسلامی لشکر قبرص پہنچا تو وہاں کے سرداروں نے تابِ مقابلہ نہ پاکر مصالحت کی پیش کش کی اور مندرجہ ذیل شرائط پر انہیں امان دے دی گئی۔

(۱) اہلِ قبرص مسلمانوں کو سات ہزار دینار سالانہ بطور جزیہ ادا کیا کریں گے[1]

(۲) شاہِ روم کو جو خراج دیں گے اس پر مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

(۳) اگر مسلمان قبرص کے قرب و جوار میں کسی علاقے پر حملہ کرنا چاہیں گے تو اہلِ قبرص ان سے تعرض نہیں کریں گے۔

(۴) اہلِ قبرص کے لئے لازم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو رومیوں کے اسلام دشمن اقدامات سے مطلع کرتے رہیں گے اور اگر وہ (رومی) قبرص یا کسی اور اسلامی سرحد پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں اور اس کا اہلِ قبرص کو علم ہوجائے تو وہ فوراً مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیں گے۔

(۵) اگر کسی وقت قبرص سے گذر کر رومی سلطنت پر حملہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اہلِ قبرص انہیں گذرنے کیلئے راستہ دیں گے۔

---

[1] الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۴۲

چند سال تک تو اہلِ قبرص نے اس صلح نامے کی پابندی کی مگر ۳۲ھ میں جب رومی فوجوں نے اسلامی سلطنت پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں اہل قبرص نے ان کی پوری طرح امداد کی اور بہت سے جنگی جہاز دے کر مسلمانوں کے خلاف ان کے ہاتھ مضبوط کئے۔ یہ دیکھ کر حضرت امیر معاویہؓ نے ۳۳ھ میں پانچ سو جنگی جہازوں کے ساتھ قبرص پر دوبارہ حملہ کیا اور ایک خونریز معرکے کے بعد اسے فتح کر لیا اور ان کی شرارت کے تدارک کے لئے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں آباد کر دی[1]۔ مشہور مورخ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری اپنی تالیف فتوح البلدان میں لکھتے ہیں کہ جب یزید بن معاویہؓ بادشاہ ہوا تو اس نے اہلِ قبرص سے بہت بڑی رقم بطور رشوت لے کر اسلامی لشکر وہاں سے واپس بلا لیا۔ اس لشکر کے جاتے ہی اہل قبرص نے مسلمانوں کا وہ شہر جسے حضرت معاویہؓ نے آباد کیا تھا مسمار کر دیا اور ان کی مسجدیں منہدم کر دیں[2]۔

بعض راویوں کے بیان کے مطابق قبرص کی فتح اول کے بعد اور بعض کی رائے میں فتح ثانی کے بعد اسلامی لشکر نے حضرت عبداللہ بن قیس کی زیر سرکردگی بحری راستے سے رومیوں پر فوج کشی کی اور کم و بیش پچاس

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۱۸ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۳

جنگیں لڑیں جن میں رومیوں کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا اور بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اسی دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ ایک روز عبداللہ بن قیس کسی کام سے روم کے ایک شہر مرقا میں اترے۔ اہل شہر کے ایک گروہ نے انہیں چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بڑی بہادری سے لڑے مگر تنہا اتنے بڑے ہجوم کا مقابلہ کب تک کرتے آخر بہت سے لوگوں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گئے۔ جب اس حادثے کی خبر سفیان بن عوف ازدی کو ہوئی جنہیں عبداللہ بن قیس نے بحری فوج کا امیر مقرر کیا تھا تو وہ ایک لشکر لے کر مرقا پر حملہ آور ہوئے۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں مرقا کے ہزاروں افراد قتل ہوئے۔ کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے اور سفیان بن عوف نے بھی اس جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق کے مطابق جزیرہ کوڈس کی فتح بھی عہد عثمانؓ کا کارنامہ ہے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب جزیرہ ہے اور اس پر حضرت امیر معاویہؓ نے حملہ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا مگر آخر کار شکست کھائی اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا جس کا خمس آپ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس جنگ میں بہت سے لوگ قیدی بھی بنائے گئے۔ (حاشیہ صفحہ ۱۴۵)

فتحِ اسپین

اسپین کی فتح بھی عہدِ عثمانی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس ملک پر حضرت عثمانؓ کے حکم سے عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن الحصین نے جو انہیں دنوں افریقہ کی فتوحات سے فارغ ہوئے تھے حملہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں لکھا کہ قسطنطنیہ اس وقت فتح نہیں ہو سکتا جب تک اسپین پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس لئے اگر تم نے اسپین فتح کر لیا تو اللہ تعالےٰ تمہیں وہی اجر عطا فرمائے گا جو قسطنطنیہ فتح کرنے والوں کے حصے میں آئے گا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان دونوں بہادر جرنیلوں نے خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے اسپین پر حملہ کیا اور ایک خوں ریز جنگ کے بعد اسپین کا بہت سا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا[1][2]

(حاشیہ ص۱۴۴) [1] ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء حصہ دوم ص۳۲۳ بلاذری کا بیان ہے کہ رودس اس وقت فتح ہوا جب حضرت معاویہؓ مسلمانوں کے بادشاہ ہوئے اور انکے حکم سے جنادہ بن امیۃ الازدی نے اس پر حملہ کر کے یہاں اسلامی پرچم لہرایا۔ [2] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۱۲

قسطنطنیہ پر حملہ

اس کے بعد قسطنطنیہ پر حملہ کا راستہ کھل گیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے ایک بحری لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ پر فوج کشی کی۔ مگر صرف اس کے حدود و اطراف تک پہنچ پائے۔ کچھ قریات و قصبات پر لڑائی ہوئی۔ بہت سے کفار قتل کئے اور تاخت و تاراج کے بعد دیہات کے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت کچھ مال غنیمت لے کر مظفر و منصور واپس آئے۔ اس جہاد میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کی بی بی عاتکہ بنت قرظہ اور بعض کے نزدیک فاختہ تھیں[1] یہ ۳۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی سال حضرت امیر معاویہؓ نے رومیوں پر ایک اور حملہ کیا اور حصن المرأۃ کو سلطنتِ اسلامی میں شامل کر لیا[2]

قارن کا خروج

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جو علاقے فتح کئے گئے ان میں سے بعض علاقوں میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں رونما ہوئیں اور کچھ

---

[1] شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۳ [2] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۶۰

شہر عارضی طور پر مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے مگر حضرت عثمان رض کے جرنیلوں نے ان علاقوں پر حملے کر کے انہیں از سر نو مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ اس سلسلے کا مشہور واقعہ قارن کا خروج ہے ۳۲ھ میں قارن نے جو ترکوں کا بادشاہ تھا خراسان پر حملہ کر دیا۔ بادغیس۔ ہرات اور قوہستان کے سردار جو مسلمانوں کے باج گزار تھے اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس زمانے میں خراسان کے والی قیس بن ہبیرہ سلمی تھے۔ یہاں کے اصل حاکم تو عبداللہ بن عامر تھے مگر ترکوں کے حملے سے قبل حج کو جاتے ہوئے وہ قیس کو اپنا قائم مقام بنا گئے تھے اور ایک تحریر اس مضمون کی لکھ کر قیس کے چچازاد بھائی عبداللہ بن خازم کو دے گئے تھے کہ اگر کسی ضرورت سے قیس کو خراسان سے باہر جانا پڑے تو عبداللہ بن خازم خراسان کے والی ہوں گے۔ چنانچہ جب قارن نے خراسان پر حملہ کیا اور یہ معلوم ہوا کہ چالیس ہزار بہادروں کا لشکر جرار اس کے ساتھ ہے نیز خراسان کے بعض شہروں کے لوگ باغی ہو کر اس سے مل گئے ہیں تو قیس نے ابن خازم سے مشورہ لیا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ ابن خازم نے رائے دی کہ ہماری فوجی طاقت اس قابل نہیں ہے کہ ہم ترکوں کے اس لشکر جرار کا مقابلہ کر سکیں جب کہ اہل خراسان میں سے بھی بہت سے لوگ ان سے مل گئے ہیں اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ میں امکان بھر

کوشش کروں گا کہ ان لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکوں، آپ ابن عامر کے پاس جا کر انہیں سارے حالات بتائیے اور امدادی فوج لیکر آجائیے قیس نے اس رائے کو پسند کیا اور ابن عامر کے پاس روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد ابن خازم نے فوج کو وہ پروانہ دکھایا جو عبداللہ ابن عامر نے انہیں لکھ کر دیا تھا اور جس میں تحریر کیا کہ اگر قیس کسی وقت خراسان سے باہر جائیں تو عبداللہ بن خازم یہاں کے والی ہوں گے۔ یہ پروانہ دیکھ کر فوج اور خراسان کے عمالؐ نے ان کی اطاعت اختیار کر لی۔

قیس بن ہبیرہ کے جانے کے بعد عبداللہ بن خازم نے چار ہزار کا لشکر منظم کیا اور شاہ قارن کے مدمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ چالیس ہزار کے سامنے چار ہزار کی طاقت ہی کیا۔ اگر کھلے میدان میں دن کے وقت مقابلہ ہوتا تو مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آتی اور انہیں بہت بڑے اتلافِ جان کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے عبداللہ بن خازم کے ذہن رسا نے ایک ترکیب سوچی انہوں نے اپنے لشکر کے دو حصے کئے ہر حصے میں مختلف دستے تھے۔ ہر دستہ چھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے قائد خود عبداللہ بن خازم تھے دوسرے لشکر کو جو قریب ساڑھے تین افراد پر مشتمل تھا انہوں نے حکم دیا کہ اپنے نیزوں کے سروں پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیل میں ڈبو کر روشن کر لو۔ اس کے بعد انہوں نے دشمن پر شبخون

ترک آرام سے اپنے خیموں میں سو رہے تھے۔ عبداللہ بن خازم کا دستہ جونہی یکبارگی ان پر حملہ آور ہوا اور پھر انہوں نے ہر طرف آگ کے شعلے دیکھے تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور سراسیمگی کی حالت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ اسلامی فوج نے چاروں طرف سے گھیر کر انہیں تلواروں اور نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اس ہنگامہ دارو گیر میں ہزاروں ترک قتل ہوئے اور ان کا بادشاہ قارن بھی مارا گیا[1] اس طرح عبداللہ بن خازم کی تدبیر سے چار ہزار مسلمان چالیس ہزار ترکوں پر غالب آ گئے۔

اس کے بعد عبداللہ بن خازم باغی علاقوں کی طرف بڑھے اور ایک ایک شہر کو فتح کر کے باغیوں کو عبرتناک سزا دی۔ اس کامیابی پر انہیں خراسان کا والی بنا دیا گیا اور وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اس علاقے کے حاکم رہے۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ پنجم ص ۱۰۲۵ و الکامل ابن اثیر جلد سوئم ص ۶۶

فتنہ کا آغاز

○

فتنہ کا آغاز

(اہانتِ صحابہ کا الزام اور اس کا جواب)

حضرت عثمانؓ یکم محرم ۲۴ھ کو مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ ۳۰ھ تک آپ کے عہد خلافت میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق آپ کی خلافت کے یہ چند سال نہایت امن وامان خوش حالی اور فارغ البالی سے بسر ہوئے۔ لوگ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کے عہد کی سختی[1] کے بعد آپ کی نرمی کو اپنے لئے ایک نعمت تصور کرتے تھے۔ ایک بہت بڑے مورخ کا

---

[1] حالانکہ وہ سختی بھی مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت تھی۔ (مولف)

بیان ہے کہ "آپ کے عہدِ مبارک میں ہر طرف رزق کی فراخی تھی، کفار پر مسلمانوں کی ہیبت طاری رہتی تھی، ہر مسلمان دوسرے سے محبت کرتا اور اس کا خیر طلب تھا۔"[۱]

۳۱ھ سے اعتمادِ باہمی، محبت و شفقت اور امن و امان کی یہ خوشگوار فضا مخالفت و انتشار کی بادِ صرصر سے متاثر ہونے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے بے اعتمادی، بدظنی، نا اتفاقی، عیب جوئی اور حرص و ہوس نے ملت اسلامیہ کو کبھی نہ ختم ہونے والی خونریزی میں مبتلا کر دیا۔ یہاں پہنچ کر تاریخِ اسلام کے ہر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بڑے بڑے سلاطینِ عالم اسلامی قوت و شوکت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ سلطنت اسلامیہ کے اندر بھی کسی کی مجال نہ تھی کہ خلیفۂ وقت کے خلاف دم مار سکے یا اس کے کسی گورنر کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر سکے۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا اور مسلمان نہایت اتحاد و اتفاق سے زندگی گزارتے تھے۔ خود حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال تاریخ اسلام کے عہد زریں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس عہد میں حضرت عثمانؓ مسلمانوں میں بے حد محبوب تھے اور ان کے

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۱۳

نظم ونسق پرکسی قسم کی حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ سنہ ۳۰ھ کے بعد اچانک ایسے حالات رونما ہو گئے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے قصر شوکت واقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ پر جان چھڑکتے تھے انہیں میں سے ایک گروہ ان کا دشمن ہو گیا اور اتنا بڑا فتنہ برپا ہوا جس نے خلیفۂ وقت کی جان لے لی۔

ہر مورخ نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے مگر ان میں سے کسی نے افراط کا اور کسی نے تفریط کا راستہ اختیار کرکے قارئین کے لیے نئی نئی الجھنیں پیدا کر دیں (مورخین کے ایک گروہ نے ان حالات کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ پر ڈال دی اور انہیں کمزور، قوت فیصلہ سے عاری، اقربا نواز، ظالم، اصحاب رسول کی اہانت کرنے والا اور سنت رسولؐ سے روگردانی کرنے والا قرار دیا۔ دوسرے گروہ نے حضرت عثمانؓ پر تو کوئی الزام نہیں لگایا البتہ ان کے گورنروں کو ظالم اور خائن ثابت کرکے انہیں اس فتنۂ عظیم کا ذمہ دار قرار دیا۔ تیسرے گروہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابہ کو اس فتنے کا بانی یا زیادہ محتاط الفاظ میں اسے ہوا دینے والا ثابت کیا۔ چوتھے گروہ نے حضرت عثمانؓ آپ کے گورنروں اور صحابہ کرام کا دامن تو بچا دیا لیکن اپنی سادہ لوحی کی بنا پر جو روایات پیش کیں ان سے کسی نہ کسی صحابی کا دامن داغدار

ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل روایات کا وہ انبار ہے جس کے نیچے حقائق دبے پڑے ہیں۔ یہ روایات اس قدر متناقض اور متضاد ہیں کہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل ہے اور اسی تناقض اور اختلاف روایات نے تاریخِ اسلام کے اس دور کو بہت بری طرح مسخ کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض نہایت عقلمند اور ذی علم افراد بھی حضرت عثمانؓ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اس فتنے کی ذمہ داری انہیں پر عائد کرتے ہیں۔ بعض لوگ تو انہیں غلط روایات کی بنا پر اسلام ہی سے متنفر ہو گئے کیونکہ ان روایتوں کو پڑھ کر انہوں نے بجا طور پر یہ نتیجہ نکالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر چند ہی سال گزرے تھے کہ آپؐ کے اصحاب اقتدار کے لئے ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے اور ایسی خوفناک لڑائیاں لڑیں کہ وسیع پیمانے پر قتلِ عام کیے علاوہ ملتِ اسلامیہ کا سارا اخلاقی نظام بھی تہہ و بالا ہو گیا) ان حالات میں ہر تاریخ نویس کا فرض ہے کہ وہ ان روایات کو قبول کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لے اور دنیا کو اسلام کا ایسا چہرہ نہ دکھائے جس پر ہر طرف داغ نظر آ رہے ہوں (اب ہم ذیل میں اس الزام پر گفتگو کرتے ہیں جسے حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کا سبب قرار دیا جاتا ہے) یعنی اہانتِ صحابہ مگر اس سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثہ کا تذکرہ کر دیا جائے جو

واقعۂ اریس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس واقعے کے بعد خلافتِ عثمانی میں اختلال شروع ہوا۔

واقعۂ اریس

مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلا واقعہ جس نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے بدظن کر دیا۔ اس انگوٹھی کی گمشدگی کا حادثہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتقل ہوتی ہوئی حضرت عثمانؓ تک پہنچی تھی۔ مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطینِ عجم سے مراسلت شروع کرنا چاہی تو صحابہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ ان ممالک کے بادشاہ اس تحریر کو معتبر نہیں سمجھتے جس پر مہر نہ ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی ایک انگشتری بنوائی (جس پر پہلی سطر میں "محمد" دوسری میں "رسول" اور تیسری میں "اللہ" کے الفاظ کندہ تھے۔ جب آپ کسی ملک کے فرماں روا کو خط لکھواتے تو اس کے نیچے یہ مہر ثبت فرما دیتے۔ آپ کے وصال کے بعد یہ انگشتری حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلی گئی اور وہ اسے اپنے فرامین کے نیچے ثبت کرتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد یہ انگشتری حضرت عثمانؓ کے پاس آئی ۲۴ھ سے ۳۰ھ تک آپ اس مہر کو استعمال فرماتے رہے۔ ۳۰ھ کا واقعہ ہے

کہ ایک روز آپ مدینہ سے دو میل دور ایک کنویں (بیر اریس) کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور انگوٹھی کو انگلی سے نکال کر اس سے شغل فرما رہے تھے کہ وہ اچانک آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں جا پڑی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ اس کنوئیں کو صاف کرا رہے تھے۔
جوں ہی انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گری آپؓ نے فوراً کنواں صاف کرنے والوں کو ہدایت فرمائی کہ انگوٹھی تلاش کرو۔ انہوں نے کنوئیں کا سارا پانی نکال پھینکا اور کونہ کونہ چھان مارا مگر انگوٹھی نہ ملی۔ چونکہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتری اور آپؐ کی ایک مقدس یادگار تھی اس لئے اس کے گم ہونے کا حضرت عثمانؓ کو بے حد قلق ہوا[1]۔ صحابہ اور اہلِ مدینہ کو بھی اس مہر کے گم ہونے کا سخت رنج ہوا مگر جن لوگوں نے اس واقعہ کو طول دے کر اسے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بیان کیا ہے انہوں نے سراسر قیاس سے کام لیا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض لوگوں نے اس سلسلے میں ایسی بے سر و پا روایتیں بیان کی ہیں جنہیں پڑھ کر سخت قلق ہوتا ہے اور تعجب بھی۔ مثلاً ایک مورخ نے لکھا ہے کہ جب مشہور صحابی حضرت زیدؓ بن خارجہ کا انتقال ہوا اور حضرت نعمانؓ بن بشیر نماز پڑھانے

---

[1] الکامل ابنِ اثیر جلد سوم صفحہ ۵۶

کھڑے ہوئے تو اچانک حضرت زیدؓ بن خارجہ نے اپنے چہرے سے کفن ہٹا کر پہلے السلام علیکم کہا اور پھر فرمایا کہ "حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر کتاب اوّل (تورات) میں دی گئی ہے اور یہ سچ ہے سچ ہے حضرت ابوبکرؓ کی خبر بھی تورات میں مذکور ہے جو جسمانی لحاظ سے کمزور مگر احکام الٰہی کے نفاذ کے معاملے میں بڑے سخت تھے اور یہ سچ ہے سچ ہے حضرت عمرؓ کی بابت بھی کتاب اوّل میں مذکور ہے وہ قوی اور امین تھے اور یہ سچ ہے سچ ہے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دو سال گذر گئے اور باقی ہیں۔ بیراریس۔ بیراریس۔ کیا ہے (یعنی کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ بیراریس کیا ہے اور کس فتنے کا سبب بنے گا) ایک اور روایت کے مطابق حضرت زید بن خارجہؓ نے فرمایا کہ چاہ اریس سے لوگوں میں اختلاف واقع ہوگیا اِرجعوا اِلیٰ خلیفتکم فانہ مظلوم[1] یعنی اپنے خلیفہ کی جانب رجوع کرو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مظلوم ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو اس روایت کا مقصد حضرت عثمانؓ کی مظلومیت ثابت کرنا اور یہ جتانا ہے کہ وہ خلیفۂ برحق تھے اور مسلمانوں کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنی توجہ اور وفاداری کا مرکز انہیں کو بناتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

---

[1] وفاء الوفا جلد سوم صـ۹۷۶

حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق تھے۔ وہ مظلوم شہید ہوئے اور جن لوگوں نے انہیں شہید کیا انہوں نے اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا مگر اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک فوت شدہ شخص سے گواہی دلوانا نہ صرف انتہائی مضحکہ اور واقعات کے خلاف ہے بلکہ یہ تعلیماتِ قرآن کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی شخص نے مرنے کے بعد کلام نہیں کیا حتیٰ کہ بڑے سے بڑے نبی کی روح بھی جب اس کے پیکر خاکی سے نکل کر ملاءِ اعلیٰ کی طرف چلی گئی تو اس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا لیکن حضرت عثمانؓ کے غالی عقیدت مندوں نے ان کی مظلومیت ثابت کرنے کے لئے ایک ایسے شخص سے شہادت دلوائی جو اس دنیا سے جا چکا تھا اور جس کا بے جان جسم کفن میں لپٹا پڑا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ :-

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیا ، رکوع ۷) یعنی ہم نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے کہ ہر ایک بستی جسے ہم ہلاک کر چکے ہیں اس کے رہنے والے اس دنیا میں واپس نہیں آئیں

قرآن کریم کی اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اور ایسا کرنا اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر حرام کر چکا ہے۔ حضرت زیدؓ بن خارجہ کا مرنے کے بعد زندہ ہو

...نے ہم نے رہنے اوپر حرام ہونا کیا۔

کلام کرنا قرآن حکیم کی اس آیت کے صریح خلاف نہیں ہے؟ مگر افسوس کہ بعض لوگوں نے اپنی نادانی سے حضرت عثمانؓ کی مظلومیت ثابت کرنے اور انگشتری مبارک کی گمشدگی کے واقعے کو اس فتنے کا سبب قرار دینے کے لئے ایک خلاف قرآن روایت وضع کر لی۔ حالانکہ اگر ہم کتب تاریخ و سیر کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کریں تو ہمیں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ حضورؐ کی انگشتری مبارک کا حضرت عثمانؓ سے گم ہو جانا ان کی مخالفت کا سبب بنا۔ باغیوں نے مدینہ پہنچکر صحابہ کرام اور حضرت عثمانؓ کے سامنے الزامات کی جو فہرست پیش کی تھی وہ تاریخ کی ہر کتاب میں درج ہے۔ اس فہرست کا مطالعہ کرنے والے ہمارے اس خیال کی تائید کریں گے کہ اس فہرست میں واقعہ اریس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عثمانؓ کے معترضین بڑے شد و مد سے کہتے کہ اے عثمانؓ! ہمیں تم سے ایک شکایت یہ بھی ہے کہ تم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مقدس یادگار اپنی غفلت سے ضائع کر دی اگر وہ لوگ یہ اعتراض کرتے تو لازمی تھا کہ حضرت عثمانؓ اس کا جواب دیتے مگر کوئی شخص کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں کر سکتا کہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ پہ یہ اعتراض کیا اور آپ نے اس کا کوئی جواب دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ پھر اس واقعے کو حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا سبب کیونکر قرار دیا جاتا ہے۔

اب ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد صحابہ کی توہین کی۔

حضرت ابوذرؓ کی جلا وطنی

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے آن حضورؐ کے ایک بزرگ صحابی حضرت ابوذرؓ کو بلا وجہ مدینے سے نکال دیا۔ ان کا یہ اقدام حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کا بہت بڑا سبب بنا۔ قبل اس سے کہ ہم اس الزام کا جائزہ لیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوذرؓ کی زندگی کے حالات اور ان کے مزاج کی کیفیات بیان کر دیں تاکہ قارئینِ کرام کو اس الزام کی حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ قبیلہ اس شاہراہ کے قریب آباد تھا جو مکہ سے شام کی طرف جاتی تھی۔ چونکہ ادھر سے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ اس لئے اس قبیلے کے نوجوانوں میں سے بہت سے لوگوں نے ڈاکہ زنی کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ یہ بڑے دلیر لوگ تھے حتیٰ کہ مکے والے بھی ان سے خم کھاتے تھے۔ اس قبیلے سے تعلق ہونے کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ میں بھی یہ عادات پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ کا اصل نام جندب تھا۔ ان کے والد کا نام کعب بن صعیر بن الواقعہ بن سفیان بن حرام

بنی غفار تھا چونکہ اس قبیلے کے جد امجد غفار کے نام سے موسوم تھے اس لئے یہ قبیلہ غفاری کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جوان ہونے کے بعد حضرت ابوذرؓ نے بھی اپنے ہم قبیلہ نوجوانوں کی طرح لوٹ مار شروع کر دی اور تجارتی قافلوں پر حملے کرنے لگے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان میں اپنے قبیلے کے لوگوں سے بہت زیادہ شجاعت اور جرأت کا مادہ تھا۔ بعض اوقات وہ تن تنہا گھوڑے پر چڑھ کر قافلے پر حملہ کر دیتے اور قتل وغارت کے بعد اونٹوں کو ہنکا لاتے۔ عربوں میں رواج تھا بلکہ ان کے عقیدہ کا جزو تھا کہ وہ حرمت والے چار مہینوں میں جنگ وجدل اور لوٹ مار ترک کر دیا کرتے تھے مگر حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ اپنی معصیت میں اس حد تک آگے نکل گیا تھا کہ وہ ان حرمت والے مہینوں میں بھی لوٹ مار سے باز نہ آتا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ میں ماحول سے اثر پذیری کے باوجود فطری سعادت موجود تھی جو کبھی نہ کبھی جوش زن ہو جایا کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے قبیلے کے عام افراد کے برعکس ان مہینوں میں لوٹ مار سے احتراز کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل قبیلہ کو بھی ان مہینوں میں اس امرِ شنیع سے منع کیا مگر وہ معصیت کوش کہاں باز آنے والے تھے یہیں سے ان کے اور اُن کے اہلِ قبیلہ کے درمیان اختلاف کا آغاز ہوا۔

بات بڑھی اور معاملہ سخت کلامی تک پہنچا مگر جب حضرت ابوذرؓ اپنی رائے پر بدستور قائم رہے تو ان کے ہم قبیلہ لوگوں نے ان پر سختی کرنی شروع کر دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ اپنے بھائی انیس غفاری اور اپنی والدہ کو لیکر قبیلۂ غفار سے نکلے اور اپنے ماموں کے پاس چلے گئے۔ جو نجد کے بالائی علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اسی دوران میں جب ان کے قبیلے کے لوگ انہیں اذیت دے رہے تھے ان میں زبردست تغیر پیدا ہوا۔ وہ نہ صرف اس فعلِ قبیح سے تائب ہو گئے بلکہ اپنے فرضی طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرنے لگے۔ اپنے ماموں کے پاس رہ کر ان کی زندگی بہت آرام سے گذرنے لگی۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ماموں کا شمار اس علاقے کے رؤسا میں ہوتا تھا اور لوگ ان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے پیش آتے تھے جب ان کے ماموں کے حاشیہ نشینوں اور بعض رشتہ داروں نے دیکھا کہ ان نوواردوں نے ہمارے رئیس کے دل میں اپنے لئے غیر معمولی جگہ بنالی ہے اور اس نے اپنے گھریلو بلکہ بعض بیرونی امور کا نگران بھی انہیں کو مقرر کر دیا ہے تو ان کے دلوں میں ان دونوں بھائیوں کے خلاف حسد کا مادہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابوذرؓ کے ماموں سے ان کی جھوٹی شکایتیں کرنی شروع کر دیں۔ ابتدا میں تو ان

ان کی شکایتوں کا کوئی اثر نہ ہوا مگر آخر انسان تھے جب یہ شکایتیں مسلسل
نے لگیں تو ایک روز انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے اور دوسری روایت
کے مطابق ان کے بھائی حضرت انیسؓ سے پوچھا کہ لوگ تمہارے طرزِ عمل
سے نالاں ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ
بات کچھ زیادہ بڑھ گئی اور حضرت ابوذرؓ اپنے ماحول سے ناراض ہو کر
اپنے بھائی اور والدہ کے ہمراہ وہاں سے چل پڑے۔ یہاں سے
انہوں نے مکہ کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر کسی نزدیکی گاؤں میں
اتر پڑے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں انہیں معلوم ہوا
کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا اور یہ تعلیم
دیتا ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی قابلِ عبادت نہیں[1]۔

حضرت ابوذرؓ کے دل میں تو پہلے ہی ایک انقلاب آچکا تھا اور
معصیت سے تائب ہو کر اپنے تصور کے مطابق خدا کی طرف رجوع کر چکے
تھے۔ اب جو انہیں ایک ایسے شخص کی خبر ملی جو لوگوں کو ایک خدا کی طرف
بلاتا ہے تو ان کے دل میں دبی ہوئی چنگاری شعلہ زن ہو گئی حسنِ اتفاق
سے انہیں دنوں ان کے بھائی انیسؓ کسی کام سے مکہ جانے لگے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ششم ص۱۶۳

حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انیسؓ سے کہا کہ مکہ جاکر ایک کام میرا بھی کرتے آنا اور وہ یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ اسے آسمان سے خبریں دی جاتی ہیں ذرا اس سے بھی ملنا اور معلوم کرنا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ انیسؓ نے مکہ سے واپس آکر حضرت ابوذرؓ کو بتایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں۔ کوئی اسے شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن۔ میں نے اس کا کلام شعر کے اوزان پر اچھی طرح پرکھا ہے وہ شاعر تو ہرگز نہیں۔ جہاں تک کاہن ہونے کا تعلق ہے میں بہت سے کاہنوں سے ملا ہوں اور ان کی گفتگو سنی ہے لیکن اس شخص کا کلام کاہنوں کی باتوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ قسم ہے خدا کی یہ لوگ (کاہن) جھوٹے ہیں البتہ وہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صادق ہے اور اخلاقِ حسنہ کی تلقین کرتا اور برائیوں سے منع کرتا ہے۔

اپنے بھائی کا یہ بیان سن کر حضرت ابوذرؓ کی آتشِ شوق اور بھڑک اٹھی اور چند روز کے بعد وہ خود مکہ کو روانہ ہو گئے تاکہ اس روئے مقدس اور پیکرِ نورانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی زبان مبارک سے اس کا کلامِ شیریں سنیں۔ اس کے بعد روایتوں کا اختلاف شروع ہوجاتا ہے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذرؓ مکہ پہنچ کر کعبہ میں مقیم ہو گئے اور

بیس روز بغیر کچھ کھائے صرف آبِ زمزم پر گذرا وقات کرتے رہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ کعبہ میں تشریف لائے اور حضرت ابوذرؓ کو تنہا پڑا دیکھ کر دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں قبیلہ غفار سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس مختصر سی گفتگو کے بعد حضرت علیؓ انہیں اپنے گھر لے گئے۔ رات گذار کر وہ پھر کعبے میں آ گئے۔ اسی قسم کی کچھ اور روایتیں بیان کی گئی ہیں جو متضاد اور واقعات کے خلاف ہیں یہاں ان پر نقد و تبصرہ کی گنجائش نہیں اس لئے ہم ان روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔

ایک روز حضرت علیؓ کعبہ میں تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ ایک اجنبی شخص فرش پر پڑا ہے حضرت علیؓ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کس مقصد سے آئے ہو۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ عہد کریں کہ کسی سے اس کا ذکر نہیں کریں گے تو بتاؤں گا۔ حضرت علیؓ نے اخفائے راز کا وعدہ کیا۔ تب حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو یہاں بھیجا تھا تاکہ وہ اس شخص سے ملے اور پھر مجھے اس کے حالات اور تعلیم کے بارے میں بتلائے مگر اس نے جو کچھ واپس آکر بیان کیا وہ ناکافی تھا اس لئے میں خود آیا ہوں تاکہ اس شخص سے ملاقات کروں[1]۔ (1 طبقات ابن سعد، جلد ششم ص۱۶۵)

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا جو مجھ سے اپنا مدعا بیان کر دیا میں اسی شخص کے پاس جا رہا ہوں تم بھی میرے ہمراہ چلے چلو۔ چنانچہ حضرت علیؓ انہیں اپنے ساتھ لے کر کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ اپنے جسمِ اطہر پر چادر لئے محوِ استراحت تھے۔ حضرت ابوذرؓ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ ان کی آواز سن کر آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں مجھے بھی سنائیے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہے وہی سنا دیجئے۔ اس پر حضورؐ نے قرآن کی ایک سورت پڑھی جسے سن کر حضرت ابوذرؓ بے اختیار پکار اٹھے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدً عبدہٗ ورسولہٗ اسی دوران میں حضرت ابوبکرؓ بھی آ گئے حضورؐ نے انہیں حضرت ابوذرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت ابوذرؓ کو حضورؐ کی اجازت سے اپنے گھر لے گئے۔ انہیں غسل کرایا۔ نیا لباس عنایت کیا اور اپنے گھر مہمان کے طور پر ٹھہرایا۔ حضرت ابوذرؓ مکہ میں جتنا عرصہ رہے حضرت ابوبکرؓ ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ مکہ کے دورانِ قیام میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے حضرت ابوذرؓ کی خوش طبعی اور ایمانی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں لیٹے ہوئے تھے کہ اتنے میں

ایک عورت آئی۔ اس نے پہلے تو کعبہ کا طواف کیا۔ پھر دعا کرنی شروع کی اور آخر میں یا اساف یا نائلہ کا نعرہ بلند کیا۔ اساف اور نائلہ دو بت تھے جن کے متعلق عربوں میں صدہا سال سے یہ عقیدہ رائج تھا کہ دراصل یہ دو انسان تھے۔ اساف مرد تھا اور نائلہ عورت تھی۔ دونوں یمن کے رہنے والے اور ایک دوسرے پر عاشق تھے یمن میں تو ان کو تخلیہ میسر نہ آسکا۔ آخر ان دونوں نے ایک ترکیب سوچی اور وہ یہ کہ حج کا بہانہ کر کے مکہ آئے اور ایک روز جب کعبہ میں کوئی نہ تھا انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی پوری کر لیں رزنا اور وہ بھی حرم پاک میں چونکہ یہ نہایت خبیثانہ فعل تھا اس لئے ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور یہ دونوں پتھر کے ہو گئے۔ مکہ کے لوگوں نے ان میں سے ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر نصب کر دیا تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ بعد میں جب مکہ کے لوگوں میں بت پرستی کا رواج ہوا تو ان بتوں کو وہاں سے اٹھا کر کعبہ میں نصب کر دیا گیا اور لوگ انہیں بھی (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کا برور سمجھ کر ان سے مرادیں مانگنے لگے۔ بہرحال جب حضرت ابوذرؓ نے اس عورت کو یا اساف یا نائلہ کا نعرہ لگاتے سنا تو بلند آواز سے بولے کہ "ان میں سے ایک کی شادی دوسرے سے کرا دو" اس میں یہ لطیف طنز تھا کہ جو خود اتنے بے بس اور لاچار تھے کہ ایک دوسرے

شادی کرنے پر قادر نہ ہو سکے بلکہ چھپ کر اپنی نفسانی خواہشات پوری کیں اور آج تک ہجر و فراق کے ہاتھوں میں اسیر ہیں بھلا یہ تمہاری دعا کیا سنیں گے اور کیا مدد کریں گے۔ حضرت ابوذرؓ کا یہ جواب سن کر وہ عورت چلا اٹھی کہ یہ صابی ہے[1] اتنا سننا تھا کہ قریش کا ایک گروہ جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا حضرت ابوذرؓ پر ٹوٹ پڑا اور اتنا مارا کہ لہو لہان کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت خانہ کعبہ کے نزدیک کچھ ایسے لوگ بیٹھے ہوئے تھے جو قبیلۂ غفار کے حلیف تھے۔ انہوں نے دوڑ کر حضرت ابوذرؓ کو بچایا۔ جب یہ واقعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس خیال سے کہ ابوذرؓ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں، انہیں ہدایت فرمائی کہ تم مکہ سے چلے جاؤ اور اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کرو۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک خانۂ کعبہ میں جا کر چیخ چیخ کر سنا نہ دوں گا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے رسول ہیں۔ یہ کہہ کر خانۂ کعبہ میں گئے اور بآوازِ بلند فرمایا کہ اشہد ان لا الٰہ

---

[1] کفار مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان کے دین سے نکلے ہوئے (مولف)

الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ اتنا کہنا تھا کہ قریش چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا حسنِ اتفاق سے حضرت عباسؓ ادھر آنکلے۔ انہوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو چلائے کہ ارے کمبختو کیا کر رہے ہو، معلوم بھی ہے یہ کون ہیں؟ یہ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ قبیلہ اس راستے پر آباد ہے جدھر سے تمہارے تجارتی قافلے گزرتے ہیں۔ یہ سن کر کفار نے انہیں چھوڑ دیا۔

تبلیغی مساعی

حضرت ابوذرؓ کی طبیعت میں شروع ہی سے تبلیغِ اسلام کا خاص جوش تھا، خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے بعد وہ حضورؐ کی اجازت سے اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کی۔ وہ دونوں ان کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے قبیلے میں تشریف لے گئے اور اہلِ قبیلہ کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ آپ کی یہ مساعی جمیلہ بار آور ثابت ہوئیں اور بعض لوگوں نے تو اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور بعض نے وعدہ کیا کہ ہم اپنے اسلام کا قطعی اعلان اس وقت کریں گے جب رسولِ خدا یہاں تشریف لائیں گے[1]۔ اس کے

---

[1] مسند امام احمد جلد پنجم صفحہ ۱۷۵

بعد آپ نے قبیلۂ اسلم میں اپنی تبلیغی مہم کا آغاز کیا اور بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا۔

اس تبلیغی مہم میں کئی سال گذر گئے حتیٰ کہ ۵ھ آگیا اور اس وقت حضرت ابوذرؓ مختلف قبائل میں تبلیغ کرنے کے بعد مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو ہمراہ لے کر مدینہ آئے اور حضورؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد آخر وقت تک وہ حضورؐ کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے۔

کتبِ سیر و تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ حضرت ابوذرؓ سے بہت محبت فرماتے تھے وہ خود کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ سے میری ملاقات ہوئی ہو اور آپ نے میرے ہاتھ (مصافحے) کیلئے نہ پکڑے ہوں[1]۔ حضرت ابوذرؓ کو حضورؐ کے پیچھے ایک ہی گھوڑے یا اونٹ پر بیٹھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ بھی محبت کا ایک ذریعۂ اظہار تھا۔ جب آپ جنگ ذات الرقاع کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ آپؐ کو حضرت ابوذرؓ کا زہد بے حد پسند تھا چنانچہ ایک بار آپؐ نے ان کی اس صفت کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی کہ:۔

---

[1] مسند امام احمد حنبل جلد پنجم ص ۱۶۲

من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی ابن مریم فلینظر الی ابی ذر۔ یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کا زہد دیکھ کر مسرور ہو اسے چاہیئے کہ ابی ذرؓ کو دیکھے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد حضرت ابوذرؓ کی سیرت، ان کے استغنیٰ اور ان کی بے نفسی کی مکمل تصویر ہے۔ وہ نہایت فقیرانہ زندگی گذارتے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔ ان کے پاس جو کچھ آتا وہ اس میں سے بقدرِ ضرورت رکھ لیتے اور باقی سارا مال فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کے ذریعہ انہیں ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں وہ شخص اشرفیاں لے کر حضرت ابوذرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ اشرفیاں ان کی نذر کر دیں۔ ابوذرؓ نے صبح ہونے سے قبل وہ ساری اشرفیاں فقراؤ مساکین میں تقسیم کر دیں۔ اس قسم کا ایک واقعہ ابن سعد نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن دنوں حضرت ابوذرؓ ربذہ میں مقیم تھے۔ ان کے ہاں مہمانوں کی ایک جماعت وارد ہوئی، وہ اسی وقت اٹھے اور اپنی بکریوں کا دودھ دوہا پھر گھر میں جا کر کھجوریں لائے اور یہ دونوں چیزیں مہمانوں کے سامنے رکھ کر نہایت تاسف سے

لہ الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۴۲

ساتھ کہا کہ افسوس میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ورنہ میں اس سے اچھی چیزیں آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا۔ مہمانوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حضرت ابوذرؓ کے لئے ایک قطرہ دودھ کا اور ایک دانہ کھجور کا نہیں بچا اور وہ رات انہوں نے فاقے سے بسر کی۔[1]

وہ بڑی سادہ زندگی گذارتے تھے۔ موٹے کپڑے کا لباس استعمال فرماتے۔ بعض دفعہ کمبل سے جسم ڈھکا ہوتا۔ انہوں نے اپنے لباس کی تراش خراش یا وضع قطع درست کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ بستر بھی نہایت سادہ ہوتا یعنی ٹاٹ کا ایک ٹکڑہ بچھا کر اس پر سو رہتے۔ شادی بھی کی تھی مگر صرف سنتِ رسولؐ پوری کرنے کے لیے ایک معمولی شکل و صورت کی سیاہ فام عورت سے جس کا لباس نہایت معمولی ہوتا اور اس کے جسم پر آرائش و زیبائش کی چیزوں کا نام و نشان تک نہ ہوتا سوائے بالیوں کے۔

ہم نے حضرت ابوذرؓ غفاری کے حالاتِ زندگی، قبولِ اسلام۔ ان کی سیرت و کردار اور امتیازِ طبع کے واقعات کسی قدر تفصیل سے پیش کئے ہیں تاکہ اس پس منظر میں ان کے طرزِ عمل اور طرزِ فکر کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد چہارم صـ۱۷۴

اس فتنہ کا ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کا دامن ملوث کیا جاتا ہے اور جو تاریخ اسلام میں ایک بہت بڑے اختلاف کا باعث بنا۔

حضرت ابوذرؓ اور حضرت معاویہؓ

حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام تک حضرت ابوذرؓ مدینہ ہی میں رہے مگر اس کے بعد وہ شامؓ چلے گئے اور دمشق میں کمبلوں کا ایک جھونپڑا بنا کر مقیم ہو گئے۔ اس وقت شام کے گورنر حضرت معاویہؓ تھے جو بنو امیہ کے مشہور سردار ابوسفیان کے بیٹے اور اپنے عہد کے بہت بڑے سیاست دان تھے۔ چونکہ وہ ایک بڑے سردار قبیلہ کے فرزند تھے اس لئے ان کے مزاج میں شاہانہ تمکنت اور امیرانہ خو بو موجود تھی۔ انہوں نے جو طرز طریقے اختیار کئے تھے وہ صحابہ رسولؐ کی سادگی سے قناعت تھے۔ ان کی اس شان و شوکت پر ایک بار حضرت عمرؓ نے بھی ان سے بازپرس کی تھی۔ دوسرے گورنروں کے برعکس انہوں نے اپنے لئے نہایت شان دار محل تعمیر کرایا تھا جس کا نام "الخضرا" تھا۔ اس محل کے

لہ البلاذری جلد پنجم ص۵۶

دروازے پر ہر وقت پہرے دار کھڑے رہتے تھے۔ اس طرح سائلوں کو ان تک پہنچنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ ان کی یہ روش حضرت ابوذرؓ کو سخت ناگوار گذری۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ ایک روز وہ حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ تم نے یہ محل تعمیر کر کے سراسر خیانت کی ہے (اگر تم نے یہ بیت المال کے روپیہ سے بنایا ہے تو یہ جائز نہیں) اور اگر اپنے روپے سے بنایا ہے تو یہ اسراف ہے[1]۔ حضرت معاویہؓ حضرت ابوذرؓ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت معاویہؓ کی تقلید میں شام کے رؤسا نے بھی اپنے لئے نہایت عالی شان عمارتیں بنوانا شروع کر دیں اور روپیہ کی افراط کی وجہ سے اہل شام میں تکلف اور تصنع راہ پانے لگا۔ عیش و عشرت جو دولت کا لازمہ ہے عام ہو گئی۔ حضرت ابوذر غفاری کو یہ باتیں ناگوار گذریں۔ انہوں نے جس ماحول میں زندگی گذاری تھی وہ اس سے مختلف تھا۔ وہ زاہدانہ طبیعت کے مالک تھے اور اس مقدس پیغمبرِ اسلام کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے جو غریبوں کا ملجا و ماویٰ اور ان کا سب سے بڑا غمخوار تھا جس کا نہ کوئی محل تھا نہ دربان جو ٹوٹی ہوئی

---

[1] انساب الاشراف البلاذری۔ جلد پنجم ص۵۲

چٹائی پر سوتا، بھوکوں کو کھلاتا مگر خود کئی کئی وقت فاقے سے رہتا۔ حضرت ابوذرؓ کی زندگی بھی غریبوں اور ناداروں کے اس سب سے بڑے غم خوار کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ انہوں نے جن صحابہ کے ساتھ زندگی گذاری تھی وہ بھی سادگی کا پیکر تھے اور دولت کو ٹھیکریوں سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے مگر حضرت معاویہؓ اور ان کے امراد اس رنگ کے لوگ نہ تھے۔ ماحول اور طبائع کا یہی اختلاف حضرت ابوذرؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کا سبب بنا اور انہوں نے امیر معاویہؓ اور شام کے مال دار لوگوں پر تنقید کرنا شروع کر دی یہ تنقید کسی تخریب کی غرض سے نہ تھی۔ یہ ان کا فطری اقتضا تھا وہ چاہتے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درویشانہ زندگی گذاری اور حضورؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپؐ کے دونوں خلفا نے اسلامی سادگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ اسی طرح ہر مسلمان مال و زر اور دنیوی آسائش سے قطع تعلق کر لے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوذرؓ کا یہ جذبہ نہایت قابل قدر تھا مگر اس کا کیا علاج کہ انسانی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعض لوگ اپنے نفس پر ہر قسم کی سختی برداشت کر لیتے ہیں اور بعض پر یہ سختی گراں گزرتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ چونکہ نفس کشی اور درویشانہ زندگی گذارنے کے عادی تھے اس لئے وہ ایسے نہایت

آسان اور ہر ایک کے لئے قابلِ عمل سمجھتے تھے۔ ان کی یہ تلقین اگر صحابہ کے لئے ہوتی تو بلاشبہ وہ اس سے نہایت اچھا اثر قبول کرتے اور کسی فتنے کا امکان پیدا نہ ہوتا مگر مشکل یہ آپڑی کہ جب وہ فرماتے کہ "سونا چاندی جمع کرنے والوں کو آگ کے عذاب کی خوش خبری سنا دو" تو ان کے یہ الفاظ وہ لوگ بھی سنتے جو حال ہی ہیں مسلمان ہوئے تھے اور جن کی ایمانی حالت صحابہ کی طرح اعلیٰ درجے کی نہ تھی۔ یہ الفاظ ان کے لئے مہمیز کا کام دیتے اور ان کے دل دولت مند لوگوں کے خلاف غم و غصے سے بھر جاتے۔ اس طرح دمشق میں ایک فتنہ پرورش پانے لگا جس کے نتیجے میں امیروں اور غریبوں کی طبقاتی کشمکش پیدا ہونے لگی۔ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ کے لئے یہ صورت حال بڑی تشویشناک تھی۔ ایک طرف انہیں حضرت ابوذرؓ کی اسلامی خدمات اور ان کے دینی مرتبے کا لحاظ تھا اور دوسری طرف وہ اس تحریک سے خائف تھے جو حضرت ابوذرؓ کی تنقید کی وجہ سے ابھر رہی تھی۔ ابتدا میں انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے تبادلۂ خیال کر کے انہیں اپنا ہم نوا بنانے کی بہت کوشش کی تاکہ یہ معاملہ کوئی ناخوشگوار صورت اختیار نہ کرلے مگر حضرت ابوذرؓ اپنی رائے پر بدستور قائم رہے اور حضرت معاویہؓ انہیں قائل نہ کر سکے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ مختلف بستیوں میں جاتے اور کہتے کہ "اے دولتمند لوگو!

فقیروں اور محتاجوں کو خیرات دو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو کہ اس نے سونا چاندی جمع رکھنے والوں کو سخت وعید فرمائی، اور عذاب دوزخ سے ڈرایا ہے۔ ایک دن اور ایک رات کی خوراک سے زیادہ اپنے پاس نہ رکھو۔ ابوذرؓ نے اس وعظ میں اس قدر شدت اختیار کی کہ شام کے فقرا اور محتاج امراء رؤسا سے سختی کے ساتھ اپنا حق وصول کرنے لگے اور دولت مند لوگوں کو ان کے بے وقت کے تقاضوں سے تکلیف ہونے لگی۔[1]

حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ

مورخ ابن جریر طبری نے بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ابوذر غفاریؓ نے دولت مندوں پر تنقید شروع کی تو شام کے فقراء و مساکین امراء سے سختی کے ساتھ پیش آنے لگے اور ان سے بہ جبر اپنے حقوق مانگنے لگے۔[2] یہ صورت حال دیکھ کر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لکھا کہ ابوذرؓ کی وجہ سے میں سخت مشکل میں مبتلا ہو گیا ہوں آپ مجھے حکم دیں کہ ان کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کروں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ "ابوذرؓ کے

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم ص ۲۵۶ [2] تاریخ طبری ص ۵۹، ۲۸

ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور انہیں زادِ راہ دے کر کسی شخص کے ساتھ بحفاظت میرے پاس بھیج دو۔" چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیجدیا۔ جب آپ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ "اے ابوذرؓ کیا وجہ ہے کہ شام کے لوگ آپ کی سختی کے شاکی ہیں؟" آپ نے فرمایا کہ شام کے لوگ دولت جمع کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ جمع کرنے کی بجائے اسے خدا کی راہ میں دے دیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ! یہ فرض میرا ہے کہ اپنی رعیت کے حقوق کی حفاظت کروں اور جو کچھ جس کے ذمہ ہے وہ اس سے وصول کروں نیز یہ کہ لوگوں کو اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کروں مگر میں کسی کو ترکِ دنیا پر مجبور نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوذرؓ حضرت عثمانؓ کی اس مدلل گفتگو کا جواب نہ دے سکے۔ البتہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مدینہ سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمایئے حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ کیا آپ مدینہ کو چھوڑ کر جو سب سے اچھی جگہ ہے بدتر جگہ رہنا پسند کریں گے۔ اس پر حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ ایک روز

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۹

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ" اے ابوذرؓ!
جب مدینہ کی آبادی کوہ سلع تک پھیل جائے تو تم یہاں سے چلے جانا"
چونکہ اب مدینہ کی عمارتوں کا سلسلہ کوہ سلع تک پہنچ چکا ہے اس لئے
میرا یہاں رہنا ہرگز مناسب نہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ
آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی ضرور تعمیل کیجئے۔ چنانچہ
حضرت ابوذرؓ اپنی مرضی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت
کے مطابق مدینہ سے چلے گئے اور ربذہ کے مقام پر سکونت اختیار کر لی۔
یہ جگہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ مدینہ سے رخصت
ہوتے وقت حضرت عثمانؓ نے انہیں اونٹوں کا ایک گلہ عنایت کیا اور
خدمت کے لئے دو غلام دیئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ
نے اونٹوں کے علاوہ بکریوں کا ایک گلہ بھی انہیں عطا فرمایا اور روزانہ
تازہ گوشت ان کے لئے مدینہ سے بھیجتے تھے[1]۔ ربذہ جانے کے بعد بھی
حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے تعلق قائم رکھا اور وقتاً فوقتاً مدینہ آتے
اور حضرت عثمانؓ سے ملتے رہتے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جب حضرت ابوذرؓ
ربذہ پہنچے تو وہاں کے افسر مال مجاشع سے ملاقات ہوئی اور جب نماز کا

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۳۷ - ۳۳۶

وقت آیا تو مجاشع نے حضرت ابوذرؓ کے زہد و تقویٰ اور صحابیت کے پیشِ نظر ان سے درخواست کی کہ آپ امامت کریں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ایک نکٹا غلام بھی تمہارا حاکم مقرر کر دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ مگر تمہاری تو ناک سلامت ہے پس تمہاری موجودگی میں مجھے امامت کا حق نہیں پہنچتا۔ تم ہی نماز پڑھاؤ۔[1]

یہ ہیں وہ واقعات جنہیں حضرت ابوذرؓ کی جلا وطنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حضرت عثمانؓ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ کے ایک جلیل القدر صحابی کی ہتک کی اور ان کو جوارِ رسولؐ سے محروم کر کے مدینہ طیبہ سے نکال دیا مگر مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ الزام بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان روایات سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ :-

(۱) حضرت ابوذرؓ نہایت متقی و پرہیزگار مگر جوشیلے بزرگ تھے اور مال و زر جمع کرنے کو برا سمجھتے تھے۔

(۲) شام کے امراء پر تنقید کرنے سے وہاں کے غربا میں امراء کے خلاف جوش پیدا ہونے لگا تھا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ص ۲۸۵

(۳) حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال کی اطلاع دی۔

(۴) حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ لکھا کہ ابوذرؓ سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ اور زادِ راہ دے کر میرے پاس بھیجدو۔

(۵) حضرت معاویہؓ نے ایسا ہی کیا اور حضرت ابوذرؓ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ بھیجدیا۔

(۶) مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوذرؓ میں اس نظریاتی اختلاف پر گفتگو ہوئی جس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے مدینہ سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت مانگی۔

(۷) حضرت عثمانؓ نے انہیں جوارِ رسولؐ چھوڑ کر جانے سے روکا مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد بیان کر کے فرمایا کہ ان حالات میں میرا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔

(۸) حضرت ابوذرؓ کی زبان سے حضورؐ کی حدیث سن کر حضرت عثمانؓ نے انہیں مدینہ سے جانے کی اجازت دیدی۔

(۹) روانگی کے وقت ایک گلہ اونٹوں کا، ایک گلہ بکریوں کا اور خدمت کے لئے دو غلام انہیں عطا فرمائے۔ علاوہ ازیں ان کا روزینہ بھی مقرر فرمادیا جو انہیں باقاعدگی سے ملتا رہا۔

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ

میں کوئی رنجش یا عداوت نہیں تھی نہ انہیں شام میں ذلیل کیا گیا اور نہ مدینے سے نکالا گیا بلکہ انہوں نے خود ربذہ میں سکونت اختیار فرمائی اور حضرت عثمانؓ آخر وقت ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہے۔ اسی طرح وہ بھی نہ صرف حضرت عثمانؓ کا بلکہ ان کے عمال تک کا احترام اور ان کی فرماں برداری کرتے رہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی (جسے جلاوطنی کہنا ہی غلط ہے) حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کا سبب بنی تو ہمارے خیال میں یہ رائے قطعاً غلط ہے۔ جب حضرت ابوذرؓ کو جلاوطن ہی نہیں کیا گیا نہ انہیں شام یا مدینے میں کسی قسم کی اذیت پہنچائی گئی تو پھر ان کے ترکِ سکونت کو اس فتنے کا سبب قرار دینا سراسر مفروضہ ہے۔ اس عہد کے تمام صحابہ کے بیانات اور ان کا کردار ہمارے سامنے ہے کسی مستند تاریخ سے کوئی صحیح روایت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے یہ ثابت ہو کہ فلاں صحابی نے حضرت ابوذرؓ کے معاملے میں حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف یا احتجاج کیا۔ حضرت ابوذرؓ کا معاملہ شام میں پیش آیا تھا دوسرے الفاظ میں ان کے ساتھ نظریاتی اختلاف کی ابتدا شام سے ہوئی اور شام ہی میں انہیں اپنی زندگی کا وہ دور گذارنا پڑا جسے ہنگامہ خیز دور کہنا چاہیے۔ اگر ان کے نظریات سے متاثر ہو کر کسی فتنے کی بنیاد

پڑتی تو شام میں پڑتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت نے زور پکڑا اور مخالفین کے گروہ مدینہ روانہ ہوئے تو شام وہ تنہا صوبہ تھا جہاں مکمل طور پر امن وامان رہا اور کسی ایک شخص نے بھی اس فتنے میں حصہ نہیں لیا۔ شام کے بعد دوسرا شہر مدینہ تھا جو حضرت ابوذرؓ کا آبائی وطن تھا اور معترضین کے بقول انہیں یہاں سے جلاوطن کر کے ربذہ بھیجا گیا تھا اس واقعے کا سب سے زیادہ رنج اہلِ مدینہ کو ہونا چاہیے تھا مگر جیسا کہ ہم آگے جا کر ثابت کریں گے اہل مدینہ نے سوائے دو شخصوں کے اس فتنے میں حصہ نہیں لیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد کے لوگ اس واقعے کو بالکل دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے اس اقدام پر کسی شخص کو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوا نہ انہوں نے اس معاملے کو زیادہ اہمیت دی بلکہ سرے سے اہمیت ہی نہیں دی۔ ان حالات میں ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابوذرؓ غفاری کی ترک سکونت کو حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا سبب قرار دینا بعد کے لوگوں کی دماغی اختراع ہے۔ ہمارے اس خیال کی مزید تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے مخالف مختلف شہروں سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں اپنی شکایات پیش کیں تو اس فہرست میں حضرت ابوذرؓ کی

"جلا وطنی" کا ذکر سرے سے تھا ہی نہیں۔ اگر ان لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے اس مبینہ اقدام پر اعتراض ہوتا تو وہ یہ اعتراض ضرور پیش کرتے۔ اس صورت میں حضرت عثمانؓ بھی اس اعتراض کا جواب دیتے مگر تاریخ کے صفحات اس شکایت اور اس کے جواب دونوں سے خالی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بہت عرصے بعد یہ اعتراض وضع کیا گیا اور اسے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

حضرت عمارؓ سے مبینہ بدسلوکی

حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسر کو کوفے کی امارت سے معزول کر دیا اور ایک روز اتنا مارا کہ ان کی انتڑیاں پھٹ گئیں اور انہیں " فتق " کا عارضہ لاحق ہو گیا۔

حضرت عمارؓ قدیم صحابیوں میں سے تھے اور اس وقت ایمان لائے تھے جب مسلمانوں کی تعداد صرف تیس تھی۔ وہ اپنے والد حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سمیہؓ سے بھی پہلے اسلام لائے تھے۔ چونکہ حضرت یاسرؓ یمنی تھے اور مکہ میں ان کی کوئی جماعت نہیں تھی جو

ان کی حمایت کرتی اس لیے قریش ان کی ایذا رسانی پر دلیر ہو گئے خصوصاً حضرت عمارؓ کے ساتھ بہت انسانیت سوز سلوک کیا جاتا۔ انہیں دوپہر کے وقت آگ کی طرح گرم ریت پر لٹا دیا جاتا اور سینے پر جلتی اور تپتی ہوئی پتھر کی سل رکھ دی جاتی۔ کبھی ان کے جسم کو دہکتے ہوئے انگاروں سے داغا جاتا۔ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزر رہے تھے۔ جہاں حضرت عمارؓ کو انسانیت سوز تکلیفیں دی جا رہی تھیں۔ حضورؐ نے ان کی یہ حالت اور پھر اس پر یہ صبر و استقامت دیکھ کر بے اختیار فرمایا۔ اصبروا یا ال یاسر فان موعدکم الجنۃ" اے اولادِ یاسرؓ صبر کرو۔ تمہارے لئے جنت مقرر ہو چکی ہے۔ کفار حضرت عمارؓ کو مارتے اور ان سے کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برا کہو۔ وہ ان شدید مظالم کو برداشت کر لیتے مگر اپنے آقا و مولا کی شان میں گستاخی کرنے سے انکار کر دیتے۔ حضرت عمارؓ کے والدین پر بھی اسی طرح ظلم و ستم روا رکھا جاتا اور کوشش کی جاتی کہ وہ اس نئے دین سے منحرف ہو جائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک روز ابوجہل نے حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہؓ کو پکڑ لیا اور ان کی شرمگاہ پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ اس صدمے سے جان بحق ہو گئیں [1] مگر یہ سختیاں اور مظالم

---

[1] مدارج النبوۃ جلد دوم ص۵

کی انتہا بھی حضرت عمارؓ اور حضرت یاسرؓ کو جادۂ حق سے نہ ہٹا سکیں
حضرت عمارؓ کو پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کو ہجرت کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا
جب مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو دوسرے صحابہ کے ساتھ وہ بھی
مٹی کھودتے اور اینٹیں اٹھانے میں شریک تھے بلکہ دوسرے صحابہ
ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں لاتے
تھے۔ انہوں نے سارے غزوات میں حصہ لیا اور بڑی بے جگری سے
دشمن کا مقابلہ کیا۔

حضرت عمارؓ اور ان کے والدین کا یہ مختصر سا تعارف اس لئے
کرایا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس مرتبے کے لوگ تھے اور
حضرت عثمانؓ جیسا مقدس اور نیکوں کا قدردان اس پائے کے لوگوں
کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر سکتا تھا؟ مورخوں نے حضرت عثمانؓ پر پہلا
الزام یہ لگایا ہے کہ انہوں نے حضرت عمارؓ کو بلا کسی جرم کے کوفہ کی گورنری
سے معزول کر دیا۔ قطع نظر اس سے کہ انہیں کوفہ کی گورنری سے کیوں
معزول کیا گیا سرے سے یہ الزام ہی غلط ہے۔ حضرت عثمانؓ کی بیعت
خلافت کے وقت وہ کوفہ کے گورنر تھے ہی نہیں بلکہ اس سے بہت
پہلے حضرت عمرؓ انہیں معزول کر چکے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل
کوفہ ان سے خوش نہیں تھے اور بارگاہِ خلافت میں ان کی شکائتیں کیا کرتے

تھے گو یہ شکایتیں درست نہ تھیں اور اہل کوفہ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے گورنروں کے خلاف شورش کرتے اور ان کے تبادلے کے مطالبے کرتے رہتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے صرف اس خیال سے حضرت عمارؓ کو معزول کر دیا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی دلجوئی کرنی چاہیئے اور ان پر ان کی پسند کا حاکم مقرر کرنا چاہیئے تاکہ راعی اور رعایا میں مخلصانہ تعلق قائم رہے۔

جہاں تک حضرت عثمانؓ پر اس الزام کا تعلق ہے کہ وہ حضرت عمارؓ پر سختی کرتے تھے اور ایک بار انہیں اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ دوسری بار لاتوں سے مارا جس کی وجہ سے آنتیں پھٹ گئیں — نہ صرف ہمارے ذاتی خیال میں بلکہ تاریخ کی روشنی میں یہ الزام صداقت سے قطعی عاری ہے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ حیا کا پیکر تھے۔ ان کے مزاج میں بے حد حجاب تھا انہوں نے ساری عمر میں صرف ایک بار اپنے ایک غلام کا کان مروڑا تھا اور غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد اسے بلا کر معافی مانگی اور کہا کہ اس کے قصاص میں تم بھی میرا کان مروڑ دو۔ اس نے (شاید آہستہ سے) آپ کا کان پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ زور سے کھینچو دنیا میں قصاص دے دینا آخرت کے قصاص سے کہیں زیادہ آسان ہے[1] (حاشیہ صفحہ ۱۹۰ پر)

جس شخص کی رحم دلی اور خوفِ خدا کا یہ عالم ہو کیا اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مقدس اور محبوب صحابی پر ایسا سخت ظلم کرے گا۔ صحابی بھی وہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دیا اور جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ پھر اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو لازمی بات تھی کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو اس کا رنج ہوتا اور کبھی نہ کبھی وہ ضرور حضرت عثمانؓ کے متعلق کلماتِ نا ملائم استعمال کرتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آخر وقت تک حضرت عثمانؓ کے وفادار رہے نہ صرف وفادار رہے بلکہ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا تو انہوں نے محاصرین کو ان کی اس حرکت پر برملا ٹوکا اور حضرت عثمانؓ کی مدافعت میں جو کچھ کر سکتے تھے کیا[۱]۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ جب مصر کے گورنر کے خلاف وہاں کے بعض لوگوں کو شکایتیں پیدا ہوئیں تو حضرت عثمانؓ نے اس کی تحقیق کرنے کے لئے جس شخص کو بھیجا وہ یہی حضرت عمارؓ تھے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر

(حاشیہ ص۱۹۰) [۱] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا مقصد دوم ص۲۲۵ (۲) اس پر مفصل گفتگو وہاں کریں گے جہاں حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے واقعات بیان کریں گے (مؤلف)

حضرت عثمانؓ حضرت عمارؓ کو مار مار کر بیہوش کر چکے ہوتے تو وہ کبھی ایسے شخص کو ایک سنگین معاملے کی تحقیق پر متعین نہ فرماتے جس پر آپ ظلم کر چکے تھے کیونکہ ایسے شخص کی تحقیق پر انہیں کبھی اعتماد نہیں ہو سکتا تھا مگر تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان پر پورا اعتماد کیا اور انہیں مصر بھیجا اور وہ بخوشی اس خدمت کے لئے تیار ہو گئے۔ یہیں سے روایات کا اختلاف شروع ہوتا ہے اور حضرت عثمانؓ و حضرت عمارؓ کے تعلقات کو بھیانک رنگ دینے کے لئے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ مصر جا کر حضرت عثمانؓ کے مخالفوں سے مل گئے حالانکہ یہ بالکل فرضی روایت ہے جس پر ہم آئندہ اس کے مقام پر بحث کریں گے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا حضرت عمارؓ اور حضرت عثمانؓ کے مبینہ اختلاف کا اس فتنے سے بھی کوئی تعلق ہے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہوا ؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ جس چیز کا کوئی وجود ہی نہیں اسے فتنے کا سبب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس عہد کے لوگوں کے بیانات اور خود حضرت عثمانؓ کے مخالفین کے اعتراضات کی فہرست بھی اس تذکرے سے بالکل خالی ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی جلا وطنی کی طرح حضرت عمارؓ پر مظالم کی داستان بھی بعد کے لوگوں کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اہانت؟

حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی قرار دیا جاتا ہے کہ آپ نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس قدر مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ان کا وظیفہ بھی بند کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان جلیل القدر صحابہ میں سے تھے جنہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب حاصل تھا۔ آپ مکہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے راستے میں عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہے ہیں۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر تمہارے پاس تھوڑا سا دودھ ہو تو ہم لوگوں کو دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں دوسرے کی ملکیت ہیں۔ اس لئے ان کا دودھ میں آپؐ کو نہیں دے سکتا۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی ملاقات تھی۔ ظاہر ہے کہ اس جواب نے حضورؐ کو کس قدر متاثر کیا ہوگا۔ روایات میں آتا ہے کہ اسی ملاقات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر سفر و حضر ہر جگہ حضورؐ کے ساتھ رہے۔
انہوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کو ہجرت کی۔ ہر معرکے میں حضورؐ کے
ہم رکاب رہے۔ جنگ بدر میں انہوں نے ایک عظیم الشان کارنامہ
انجام دیا جو تاریخ سے کبھی محو نہ ہو سکے گا۔ اور وہ یہ کہ جب کفار کے
بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے
تو وہ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اسی اثنا میں مدینہ کے ایک صحابی معاذ بن
عمرو بن جموحؓ نے دیکھا کہ کچھ کفار ایک شخص کے گرد حصار بنائے
کھڑے ہیں۔ جب وہ آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ ابوجہل ہے چنانچہ وہ
موقع کی تاک میں رہے اور لوگوں کو غافل پاکر اس کے قریب پہنچ گئے پھر
تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ اتنے میں
ایک اور نوجوان صحابی معوذؓ بن عفرا بھی ادھر آنکلے۔ اور انہوں نے ابوجہل
کو پہچان کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس معرکے میں وہ شہید ہو گئے مگر ابوجہل
زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اتنے میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ادھر
سے گذر ہوا انہوں نے ابوجہل کو پہچان لیا دیکھا کہ مقتولوں کے درمیان
پڑا سسک رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے مخاطب کر کے
فرمایا کہ اے دشمن خدا دیکھا خدا نے تجھے کس قدر ذلیل کیا۔ اس کے
بعد آپؓ نے اس سے کہا کہ اب میں تیری گردن کاٹوں گا یہ سن کر ابوجہل کہنے

لگا تمہیں معلوم ہے کہ میں قریش کے اکابرین سے ہوں اس لئے میری گردن ذرا اونچی کر کے کاٹنا مگر عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کی یہ آخری خواہش بھی پوری نہ ہونے دی اور اس کی گردن سر کے بالکل قریب سے کاٹی جس طرح غلاموں کی کاٹی جاتی ہے۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھوں اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اس عظیم الشان کارنامے کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دستارِ فضیلت بے شمار آبدار گوہروں سے مزین ہے۔ وہ قرآن کے بہت بڑے عالم، مفسر، حافظ اور اس کے عاشق تھے جب حضورؐ اپنے کاشانۂ مبارک سے تشریف لاتے تو یہ آپ کو جوتا پہناتے مسجد میں پہنچکر آپؐ کی نعلین لے کر اپنی آستینوں میں رکھ لیتے۔ حضورؐ کو وضو کراتے۔ اثنائے سفر میں آپؐ کا بستر کرتے۔ حضورؐ بھی آپؐ کی ان خدمات کی وجہ سے آپ سے بے حد خوش تھے اور آپ کے حق میں اکثر دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک درخت پر چڑھے۔ ان کی پنڈلیاں بہت پتلی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بعض صحابہ ہنس دیئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حشر کے دن جب میزان نصب کی جائے گی تو یہ پتلی پنڈلیاں کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ثابت ہوں گی (الفتنۃ الکبریٰ ص۱۵۹) بعض

مورخین نے لکھا ہے کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر قرآن سیکھنا ہے تو چار آدمیوں سے سیکھو ان میں سب سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لیا تھا۔ بعض صحابہ سے یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ جب تک تم لوگوں میں یہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) عالم دانا موجود ہیں۔ ہم سے سوال کرنے اور مسائل پوچھنے کی ضرورت نہیں[1]۔ جب حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کے نام ایک فرمان لکھا جس میں تحریر کیا کہ:۔

"میں عمار بن یاسرؓ کو تم پر امیر کر کے بھیجتا ہوں اور عبداللہ بن مسعودؓ ان کے ساتھ ہیں۔ یہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) ان (حضرت عمار بن یاسرؓ) کے معلم واستاد وشفیق ہیں۔ یہ دونوں صاحب جناب رسولِ خدا کے صحابہ میں شریف اور بزرگ اہل بدر میں سے ہیں۔ تم لوگ ان کی پیروی کرنا اور ان کا کہنا بگوشِ قبول سننا۔ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو خاص تم لوگوں کے واسطے پسند کیا ہے۔ مجھ کو جو کچھ ان کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اس کا خیال نہ کیا اور تمہارے پاس بھیج دیا ہے[2]۔"

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم ص۳۲۳ [2] شمس التواریخ جلد چہارم ص۳۲۵

یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مرتبہ اور آپ کے اسی مرتبہ کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کا افسر بیت المال[1] مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں وہ اپنے فرائضِ منصبی کو نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے اور حضرت عمرؓ ان سے آخر وقت تک خوش رہے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے عہدِ خلافت میں ۲۵ھ تک وہ بہ اطمینان اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ[2] اسی سال بیت المال کی کچھ رقم کے سلسلے میں ان کے اور گورنر کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے کچھ رقم بہ طور قرض لی تھی مگر جب اس کی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو افسر بیت المال تھے۔ رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس پر دونوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ولید بن عقبہ کو اس خدمت پر مامور کر دیا

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۱۳

[2] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۱۱

ب ولیدؓ بن عقبہ کوفہ کے گورنر اور حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ افسر بیت المال تھے کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ اور ولیدؓ بن عقبہ میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ولید نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ اس کی واپسی میں دیر ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ نے سختی سے مطالبہ کیا۔ ولید نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی اور اس میں اپنی مجبوری بیان کی حضرت عثمانؓ نے ان کی مجبوری کو معقول قرار دیتے ہوئے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کو لکھا کہ وہ ولید سے رقم کی واپسی کا مطالبہ فی الحال نہ کریں۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ نے خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل میں ولید سے مطالبہ نہ کیا مگر ساتھ ہی بیت المال کی افسری سے استعفیٰ پیش کر دیا جسے حضرت عثمانؓ نے منظور کر لیا۔ ان واقعات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ نہایت جلیل القدر صحابی، عاشق رسولؐ کمالِ علم و فضل کے حامل اور شیخین کے نہایت معتمد مشیر تھے۔ حضرت عثمانؓ بھی ان کے مراتب سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لئے ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ میں اختلاف ہوا تو انہوں نے فیصلہ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ

کے حق میں دیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔ ولید اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف میں بھی آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معزول نہیں کیا صرف یہ لکھا کہ ولید سے قرض کی واپسی کا فی الحال مطالبہ نہ کریں۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے از خود استعفیٰ دے دیا۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے استعفیٰ کی وجہ حضرت عثمانؓ کے فیصلے سے ناراضگی نہ تھی بلکہ آپ کی صحت کمزور ہو چکی تھی اور افسر بیت المال کی اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا آپ کے لئے ممکن نہ رہا تھا۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مارنے اور ان کی پسلیاں توڑنے کے اعتراض کا تعلق ہے تو ہر وہ شخص جس نے حضرت عثمانؓ کی سیرت اور ان کی کیفیتِ مزاج کا مطالعہ کیا ہے اس الزام کو بیہودہ اور سراسر اتہام قرار دے گا جس شخص نے ایسے نازک وقت میں جب اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اپنی جان قربان کر دی مگر اپنی مدافعت کے لئے ملتِ اسلامیہ میں خونریزی پسند نہ کی۔ اس کے متعلق کوئی نادان یا متعصب شخص

لہ تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۱۱

ہی یہ الزام لگائے گا کہ اس نے رسولؐ خدا کے ایک جلیل القدر صحابی کو اتنا مارا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ اسی صدمے سے وفات پا گیا۔ جو شخص حیا و شرم کا مجسمہ اور اس قدر نرم خو تھا کہ اس کے دشمنوں کو اس پر دست درازی کی جرأت پیدا ہو گئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنے مدینہ سیاسی مخالفوں کو پیٹتا یا پٹواتا تھا تاریخ سے انتہا درجے کی بے خبری ہے یہی وجہ ہے کہ اکابر اسلام اور تاریخ سے پوری واقفیت رکھنے والے بزرگوں نے اس الزام کو ناقابلِ یقین اور غلط قرار دیا ہے چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب "منہاج السنۃ" میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ بالکل غلط الزام ہے اور اہلِ علم و نظر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ نے ہرگز نہیں مارا یہ قطعاً جھوٹ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات حضرت عثمانؓ کے مارنے سے نہیں ہوئی"[1] عالم اسلام کے ایک اور جلیل القدر عالم قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس الزام کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بے بنیاد اور کذب پر مبنی ہے[2]۔ علاوہ ازیں حضرت

---

[1] منہاج السنۃ جلد سوم صفحہ ۱۹۲ [2] العواصم من القواصم صفحہ ۱۰۳

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان محبت و یگانگت کے جو روابط تھے وہ بھی اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کے متعلق جن پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کو سارے عالم اسلام میں سب سے افضل قرار دیتے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کے متعلق فرمایا کہ "ہمارا امام ہم میں سب سے اعلیٰ اور بزرگ تر ہے اور ہم نے اس کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی[1]"

ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے مقام منیٰ میں نماز قصر کے بجائے پوری نماز پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس سے اختلاف تھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اپنے اختلاف کا ذکر کیا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ "خلیفۂ وقت سے اختلاف کرنا شر ہے۔ جب میں نے سنا کہ حضرت عثمانؓ

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۱۱

لے چار رکعتیں پڑھی ہیں (نماز قصر نہیں کی) تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چار رکعتیں پڑھیں۔[1]"

غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص خلیفۂ وقت کا اس قدر تابع فرمان ہو کہ ایک خالص اجتہادی مسئلے میں بھی اس سے اختلاف کرنے کو شر پسندی قرار دے۔ اس کے متعلق یہ گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلیفہ سے ناراض تھا اور دونوں میں اس قدر مخالفت تھی کہ معاملہ زدوکوب تک پہنچا اور ایک خانہ ساز روایت کے مطابق اس کی بیماری کے ایام میں جب خلیفۂ وقت اس کی عیادت کے لئے آیا تو اس نے بات کرنے سے انکار کر دیا اور یہ وصیت کی کہ یہ خلیفہ نہ میرے جنازے میں شریک ہو اور نہ نماز پڑھائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حالانکہ تاریخ سے یہ آخری الزام بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شفیق بن مسلمہ سعید جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دوست ہیں کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی عیادت کو ان کے مرضِ موت میں گیا۔ ان کے پاس چند لوگ بیٹھے تھے جو حضرت عثمانؓ کی شان میں کچھ کہہ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ خبردار جنابِ عثمانؓ کے قتل کا ارادہ نہ کرنا۔ اگر تم ان کو مار ڈالو گے تو ان کا مثل

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۳

دوسرا نہ پاؤ گے [۱] کیا ان الفاظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے نہ صرف خوش تھے بلکہ ان کے حقیقی بہی خواہ تھے اور ان کے وجود کو مسلمانوں کے لئے بے مثل سمجھتے تھے اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہانت کا یہ فرضی واقعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کا سبب بنا ؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہانت کی ہی نہیں گئی اور اس دور کے لوگوں میں اس قسم کی کوئی روایت مشہور ہی نہیں ہوئی تو اسے فتنے کا سبب قرار دینا بالکل غلط ہے ، یہ قصہ بھی بعد کے لوگوں کا تراشہ ہوا ہے ۔ اس دور کے لوگوں کے ذہن اس سے بالکل خالی تھے ۔

---

[۱] شمس التواریخ حصہ چہارم ص۱۵۱

فتنہ کے حقیقی اسباب

سے

○
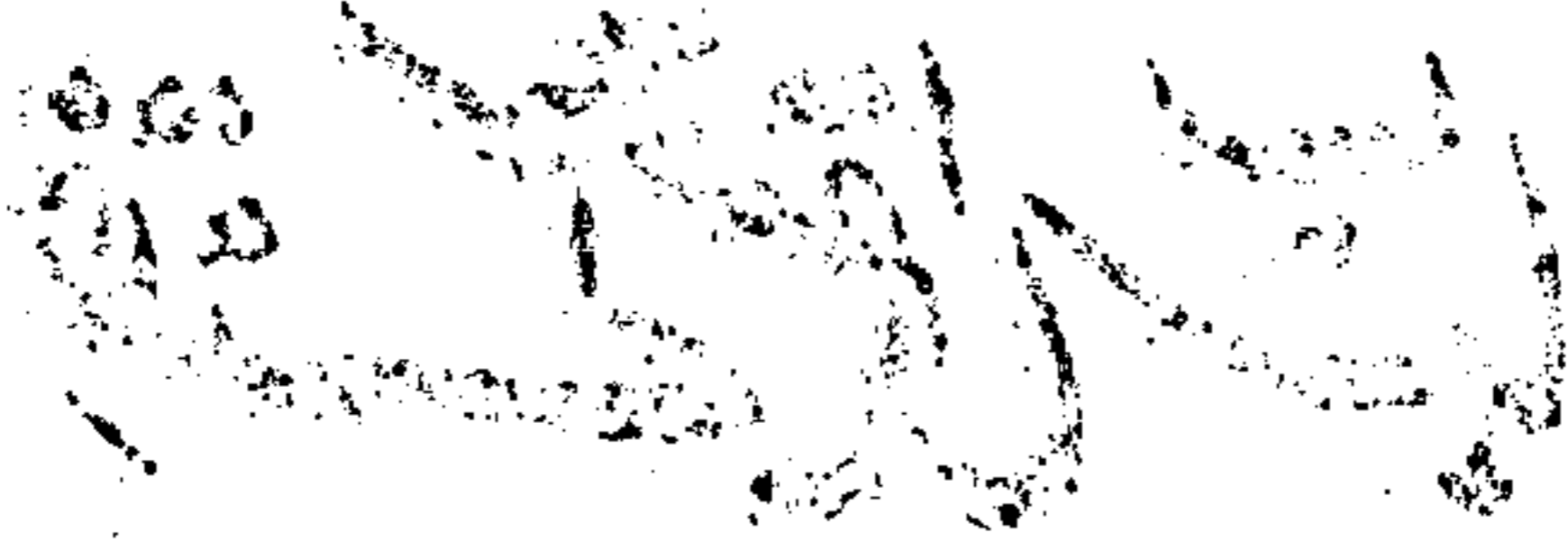
فتنہ کے حقیقی اسباب

جن لوگوں کو اس کائنات اور اس میں پیش آنے والے واقعات پر غور و خوض کرنے کی عادت ہے وہ جانتے ہیں کہ اس عالم اسباب میں جو واقعہ پیش آتا ہے اس کے پیچھے اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے اور کوئی واقعہ کسی ایک وجہ سے رونما نہیں ہوتا بلکہ بہت سے اسباب مل کر اس واقعہ کو جنم دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جو فتنہ رونما ہوا اس کے بھی بہت سے اسباب تھے۔ اور یہ اسباب فوری طور پر پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کا مواد بہت عرصے سے تیار ہو رہا تھا اور واقعات نے جو رخ اختیار کر لیا تھا اس کا لازمی نتیجہ اس فتنے کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے اگر یہ فتنہ ظہور پذیر ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہاں تعجب اس وقت ہوتا

جب یہ فتنہ سر نہ اٹھاتا۔ ہمیں عہدِ حاضر کے ایک فاضلِ جلیل کی اس رائے سے مکمل اتفاق ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کا کوئی قصور ہے تو صرف اتنا کہ وہ ایسے وقت مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے جب اس فتنے کے اسباب جمع ہو چکے تھے اور اس کے ظاہر ہونے کی ساعتیں قریب آتی جا رہی تھیں اگر اس وقت حضرت عثمانؓ کی بجائے کوئی اور خلیفہ ہوتا تو اسے بھی ان حالات سے ضرور گزرنا پڑتا جو اس خلیفۂ مظلوم کو پیش آئے[1]۔ اب ہم ان اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیدا ہوا۔

تربیت کی کمی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد بندے اور آقا کے اس تعلق کو قائم کرنا تھا جو صدیوں سے ٹوٹ چکا تھا۔ آپؐ کی بعثت کی دوسری غرض انسان کہلانے والوں کو ان اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنا تھی جن سے وہ بکلی محروم ہو چکے تھے۔ جن لوگوں نے اسلام اور اس کی تعلیم کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور اسے کسی دنیوی غرض کے لئے قبول نہیں کیا وہ اپنے روحانی مراتب میں ترقی کرتے چلے گئے اور دنیا اور اس کی آسائشیں ان کی

---

[1] اسلام میں اختلافات کا آغاز

نظر میں بے حقیقت نظر آنے لگیں۔ اگر انہوں نے ان آسائشوں سے جائز حد تک لطف اٹھایا بھی تو صرف اس لئے کہ وہ انہیں اللہ تعالےٰ کی نعمت کے طور پر ملی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے نہیں دوڑے بلکہ یہ ان کے پیچھے دوڑیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ اِلّا ماشاء اللہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اگر عالمِ اسلام انہیں نفوسِ قدسیہ پر مشتمل رہتا تو ملتِ اسلامیہ میں کوئی فتنہ راہ نہ پاتا مگر ظاہر ہے کہ یہ ناممکن تھا اور اسلام کے لئے اکنافِ عالم میں پھیلنا مقدر ہو چکا تھا چنانچہ یہ پھیلا اور مملکت اسلامیہ کی حدیں حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اردن اور شام سے بڑھ کر عراق، ایران اور روم تک وسیع ہو گئیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں افغانستان۔ ترکستان اور مصر کے علاوہ فارس بھی مکمل طور پر مغلوب ہو کر سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح ان علاقوں کے لاکھوں افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے مگر ان میں سے بیشتر لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام کو سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا بلکہ محض اس خیال سے اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ یہ ان کے حکمرانوں کا مذہب تھا۔ خود عرب کے بہت سے قبائل بھی اسلامی تعلیم کے حقیقی شعور سے عاری تھے اور انہوں نے بھی محض وقتی رَو میں بہہ کر اسلام قبول کیا تھا یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان میں سے

بہت سے مرتد ہو کر اسلام کے لئے بہت بڑا فتنہ بن گئے تھے۔ اگر انہوں نے اسلام کو سمجھ کر قبول کیا ہوتا اور اس کی حقیقی روح سے واقف ہوتے تو حضرت ابو بکرؓ صدیق کے زمانے میں ارتداد اور منکرین زکوٰۃ کا فتنہ کبھی سر نہ اٹھاتا۔ یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے رہنے والے تھے جن کی مادری زبان عربی تھی جن میں سے بہت سے لوگوں کو کسی نہ کسی حد تک صحابہ سے ملنے کا اتفاق بھی ہوا گو کم سہی۔ لیکن جو لوگ ایران، ترکستان اور افغانستان وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کو یہ خصوصیات بھی حاصل نہ تھیں۔ یہ سب عجمی قومیں تھیں عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے قرآن اور اسلامی تعلیمات سے براہ راست واقفیت حاصل کرنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ انہوں نے نہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور نہ حضورؐ کے صحابہ کا قرب نصیب ہوا تھا اس لئے ان کی ایمانی حالت ناقص تھی۔ ان کے اخلاق وعادات اور طور طریقوں پہ وہی غیر اسلامی رنگ غالب تھا۔ مملکتِ اسلامیہ کی حدیں جس تیزی سے وسیع ہو رہی تھیں اور جس سرعت سے لاکھوں افراد اسلام میں داخل ہو رہے تھے ضرورت تھی کہ ان کی تربیت اور اصلاحِ اخلاق کا دائرہ بھی اسی تیزی سے بڑھایا جاتا مگر عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ گو حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اس امر کی امکان بھر کوشش

کی اور ان کی تربیت کے لئے معلم بھیجے گئے مگر زبان کی مغائرت، رسل و رسائل کی کمی اور فاصلوں کی دوری کی وجہ سے یہ فرض کما حقہ ادا نہیں کیا جا سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں میں ایثار بے نفسی اور رجوع الی اللہ کی وہ صفات پیدا نہیں ہو سکیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ گو ان نومسلموں میں ایسے لوگ بھی تھے جو تقوی اور راستبازی کے معیار پر پورے اترتے تھے۔ اسلام کے عاشق اور خداؐ اور رسولؐ کے فدائی تھے مگر اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں اسلام پوری طرح گھر نہ کر سکا تھا۔ کوفہ اور بصرہ میں ان عجمی لوگوں کی بہت بڑی تعداد ادھر ادھر سے آکر آباد ہو گئی تھی۔ یہی حال مصر کا بھی تھا۔ مرکز سے دوری اور اسلامی تعلیم سے پوری طرح روشناس نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے بہت سے نومسلموں کی بھی اخلاقی اور ایمانی حالت اعلیٰ درجے کی نہ تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی تینوں مقام آئندہ چل کر اس فتنے کی آماجگاہ بنے[1]

---

[1] یہاں طبعًا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نومسلم ترکستان سے لے کر افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے اس فتنے میں حصہ کیوں نہ لیا اور صرف کوفہ، بصرہ اور مصر ہی کے لوگ کیوں اس میں شریک ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی تحریک اس وقت تک نہیں اٹھتی جب

طبقاتی کشمکش

اس فتنے کی دوسری وجہ وہ طبقاتی کشمکش ہے جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ غربت اور امارت کی کشمکش،

چھوٹے اور بڑے کی کشمکش۔ نسلی اور علاقائی کشمکش۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس کشمکش کو ختم کر دیا جائے اور اس میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ پوری طرح حضورؐ کے زیر تربیت رہے وہ اس کشمکش سے ہمیشہ کے لئے نجات پا گئے مگر جن لوگوں کو حضورؐ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل نہ ہو سکا یا برائے نام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹) ہمسا اس کے لئے زمین ہموار نہ کی جائے۔ ایک مضبوط ہاتھ لوگوں کو ایک مرکز پر جمع نہ کرے اور ایک اعلیٰ درجے کا دماغ ان کی رہنمائی نہ کرے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کیلئے زمین ہموار کرنے، مختلف علاقوں کے لوگوں کو ایک مقصد کے حصول کیلئے جمع کرنے اور انہیں ہدایات دینے والا شخص جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا ترکستان سے افغانستان تک پھیلے ہوئے ان لاکھوں نو مسلموں تک نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے یہ علاقے اس فتنے سے محفوظ رہے۔ کوفہ، بصرہ اور مصر وہ مقامات تھے جہاں اس کا "سبز قدم" پہنچ گیا۔ اس لئے فتنے نے انہیں مقامات سے سر اٹھایا۔ (مولف)

حاصل ہوا وہ اس طبقاتی کشمکش سے پوری طرح نجات حاصل نہ کر سکے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اسلامی لشکر سرزمین عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوئے اور انہوں نے ان علاقوں کو فتح کیا تو دو طبقے پیدا ہو گئے ایک طبقہ فاتح کا اور دوسرا مفتوح کا۔ فاتح عربی النسل تھے۔ اور مفتوح عجمی نژاد۔ یہ عجمی نژاد عربوں کے تسلط کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پھر وہ سوچتے تھے کہ عرب کے وہ قبائل جو کل تک ان کے خیال کے مطابق حد درجہ غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ تھے جنہیں کسریٰ کا ایک گماشتہ جب چاہتا بکریوں کی طرح ہانک کر لے جاتا۔ آج وہ سیلاب بے اماں کی طرح نکل پڑے ہیں اور ہر خشک و تر کو بہائے لئے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کے احساس برتری و تفوق کو سخت دھکا لگتا۔ وہ دیکھتے اور مضروب سانپ کی طرح بل کھا کر رہ جاتے کہ ان کی سیادت ختم ہو چکی ہے اور ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو چکا ہے چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد تک اپنے اقتدار کے غروب شدہ سورج کو طلوع کرنے کی متعدد بار کوششیں کیں اور ایران، ترکستان اور افغانستان میں بار بار بغاوتیں ہوئیں۔ ان بغاوتوں میں غیر مسلموں کے علاوہ نومسلموں نے بھی حصہ لیا اور سخت خون خرابہ ہوا۔ گو

یہ بغاوتیں فرو کر دی گئیں مگر محکوم قوموں کا علم بغاوت بلند کرنا یہ تو ثابت کرتا ہے کہ حاکم و محکوم کے درمیان اختلافات کی خلیج موجود تھی جسے ہم نے طبقاتی کشمکش کا نام دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے میں بھی محکوم طبقے کا بغض و حسد پوری طرح کارفرما تھا۔

صحابہ اور غیر صحابہ کی کشمکش

اس قسم کی ایک اور طبقاتی کشمکش صحابہ اور عام نوجوانوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ صحابہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید اور اسلام کی نصرت کے لئے جو سرفروشانہ جدوجہد کی تھی اور اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال کر جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ان کی وجہ سے عام لوگوں کے مقابلے میں ان بزرگ صحابہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ یہ امتیاز ان صحابہ نے از خود طلب نہیں کیا تھا بلکہ انہیں یہ برتری اللہ اور اس کے رسولؐ نے عطا فرمائی تھی اور اس برتری کی وجہ سے انہیں معاشرے میں دوسروں کے مقابلے میں بہت قدر و منزلت حاصل تھی اور خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ حکومت کے بیشتر مناصب انہیں کے پاس تھے۔ فوجوں کی قیادت کا

شرف بھی اکثر اوقات انہیں کے حصے میں آتا تھا۔ خلیفۂ وقت کی بارگاہ میں بھی انہیں سب سے زیادہ عزت حاصل تھی۔ وہ خلیفہ کے مشیر بھی تھے اور نہیں کی رائے سے امور مملکت سرانجام پاتے تھے۔ ان کی یہ برتری عام نوجوانوں کی طبائع پر گراں گذرتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اقتدار کی اس دولت میں انہیں بھی شریک کیا جائے اور صحابہ کی طرح انہیں بھی اہمیت حاصل ہو جائے۔ یہ عربی نوجوان اور غیر عربی نو مسلم اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے کہ اسلامی حکومت عام حکومتوں کی طرح دنیوی نظام نہیں ہے جہاں طبقات کی بنیاد پر اقتدار کی تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ خالص دینی اور روحانی نظام ہے اور خلیفہ اس کا وہ سربراہ ہے جو صرف اور صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا روحانی پیشوا بھی ہوتا ہے۔ اس کے اعمال و افعال پر دنیوی بادشاہوں کی طرح تنقید نہیں کی جا سکتی اور نہ اسے اس کے منصب سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کے متعلق بدظنی کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا اپنا خلیفہ اسی شخص کو بناتا ہے جو اس منصبِ جلیلہ کا ہر لحاظ سے اہل ہوتا ہے خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ پر بدظنی کرنا گویا خدا پر بدظنی کرنا اور اس کے انتخاب کو ناقص اور غلط قرار دینا ہے۔ مگر افسوس کہ ان عربی نوجوانوں

اور غیر عربی نو مسلموں نے تربیت کی کمی اور اسلامی تعلیمات سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا اور خلیفۂ وقت کی دینی حیثیت اور صحابہ کے بلند مرتبے سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ان میں حسد کا مادہ پیدا ہو گیا۔ بغض و حسد کے ان جذبات نے حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والے فتنے کو خاصی تقویت پہنچائی۔

عجمی اثرات

سادگی عربوں کا وہ جوہر تھا جس نے انہیں بہت سے ابتلاؤں سے محفوظ رکھا۔ اسلامی فوجوں کی نقل و حرکت جب تک جزیرہ نمائے عرب تک محدود رہی اس وقت تک ان کی سادگی بھی برقرار رہی لیکن جب فتوحات کا سیلاب امڈا اور اسلامی لشکر عرب سے نکل کر عراق، شام، ایران، ترکستان، افغانستان اور دوسری طرف مصر تک پہنچ گئے تو حالات کا رخ بدل گیا۔ ان علاقوں میں دولت کی فراوانی تھی۔ سامانِ تعیش کی بہتات تھی اور تہذیب و تمدن میں نہایت درجہ تصنع اور تکلف تھا۔ غربت کے ماحول میں نہایت سادگی سے زندگی گذارنے والے عربوں نے جب اپنے سامنے ایک نئی دنیا دیکھی جو انہیں پکار پکار کر دعوتِ نظارہ دے رہی تھی تو ان کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

مقدس صحابہؓ کے سولئے عام عرب اور خصوصًا نوجوان نسل اس نئی دنیا سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئی۔ مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ میل جول اور عرصہ دراز تک ان کے درمیان رہنے کی وجہ سے بہت سے عربوں کے خیالات میں ایک عظیم تغیر پیدا ہوگیا اور وہ بھی دنیا کی طرف جھک گئے ان کی فطری سادگی رفتہ رفتہ ان سے رخصت ہونے لگی۔ جب وہ ان مفتوحہ علاقوں سے اپنے ملک میں واپس آئے تو زرو جواہر کے ساتھ ساتھ غیر عرب قوموں کے رجحانات اور ان کے خالص دنیوی خیالات بھی اپنے ہمراہ لائے۔ اب ان میں بھی اسی طرز کی زندگی گذارنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی جس قسم کی زندگی مفتوحہ علاقوں کے لوگ گذار رہے تھے لیکن انہوں نے دیکھا کہ یہاں وہی سادگی ہے۔ کسی بے راہ روی کے لئے قطعًا گنجائش نہیں۔ ہر غیر اسلامی قول و فعل پر گرفت ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں خلیفہ اور حکمران طبقے کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ اسی جذبے نے آگے بڑھ کر ایک فتنے کی صورت اختیار کر لی۔

معاشی تفاوت

حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والی بغاوت کا ایک سبب

معاشی تفاوت بھی تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مکہ، مدینہ اور عراق میں ایک طبقہ ایسا ضرور تھا جو بڑی بڑی جاگیروں کا مالک تھا جن کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اور جو نہایت آرام و آسائش سے زندگی گذار رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی اکثریت کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانشینوں نے ان کی ناقابلِ فراموش بلکہ عدیم النظیر خدمات کے صلے میں جاگیریں عطا فرمائی تھیں۔ ان کو گراں قدر وظائف بھی ملتے تھے۔ انہوں نے اپنی جدوجہد سے بھی دولت پیدا کی تھی اور اس دولت سے زمینیں خریدیں اور باغات لگائے تھے۔ پھر جو مالِ غنیمت مدینہ آتا تھا خلیفۂ وقت اس میں سے بھی انہیں حصہ عطا کرتا تھا۔ ان کی یہ دولت و ثروت غیر تربیت یافتہ نوجوان نسل کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکتی تھی اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم بھی انہیں کی طرح دولت مند بن جائیں۔ جہاں تک ان کی اس خواہش کا تعلق ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا مگر کسی کو اس لئے نفرت کی نظر سے دیکھنا اور اس سے حسد کرنا کہ یہ دولتمند کیوں ہو گیا۔ نہ صرف اسلامی معاشرے میں بلکہ ہر معاشرے میں قابلِ اعتراض ہے۔ ان لوگوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ جن دولتمند افراد کے خلاف ان کے دلوں میں بغض تھا انہوں نے غریبوں کا خون

چوس کر دولت جمع نہیں کی تھی۔ جاگیریں اور وظائف انہیں اللہ کے رسولؐ اور اس کے خلفاء نے عطا فرمائے تھے۔ تجارت اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے انہوں نے جو دولت پیدا کی تھی وہ ان کی ذاتی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ پھر وہ باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ صدقہ و خیرات دیتے تھے۔ اپنے مال سے مستحقین کی امداد کرتے تھے اور جس خلیفہ پر ان معترضین کو سب سے زیادہ اعتراض تھا اس کا تو یہ حال تھا کہ وہ بیت المال سے تنخواہ کے نام پر ایک درم وصول نہیں کرتا تھا۔ ان حالات میں خلیفہ یا اس عہد کے دولت مند افراد پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ نہ کسی کو حق ہے کہ وہ مال داروں پر شرعی حدود کے علاوہ کوئی اور پابندی عاید کرے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے دولت مند افراد پر زکوٰۃ فرض کی ہے اور انہیں غریبوں اور ناداروں کی امداد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم اپنی ساری دولت غرباء میں تقسیم کر کے خود قلاش ہو جاؤ۔ جس امر کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے مکلف نہیں ٹھہرایا۔ اس کا پابند کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ مگر افسوس کہ اس عہد کے بعض نوجوانوں نے ان حقائق کی طرف مطلق توجہ نہیں کی اور دولت مندوں کی امارت و ثروت نے ان میں بغض و حسد کی ایسی آگ بھڑکا دی جس نے اخلاقی قدروں کو تباہ کر دیا اور فتنے کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔

فوجوں کی واپسی

جن مورخوں نے حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں رونما ہونے والے فتنے کے اسباب پر بحث کی ہے انہوں نے ایک بہت بڑے سبب کو نظرانداز کر دیا اور وہ ہے فوجوں کی واپسی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اسلامی فوجیں جہاد میں مصروف رہیں اس وقت تک کسی فتنے نے سر نہیں اٹھایا اور مملکت میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ رہا مگر جوں ہی جہاد ختم ہوا اور فوجی اپنے اپنے علاقوں میں واپس آئے فتنے نے سر اٹھانا شروع کر دیا عرصۂ دراز تک مصروفِ پیکار رہنے کے بعد انہیں فراغت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے گرد و پیش کے حالات پر نظر ڈالنی شروع کی تو ان کے دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالات راہ پانے لگے۔ یہ انہیں پر منحصر نہیں انسانی فطرت اسی قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب کوئی کام نہ ہو تو طرح طرح کے وساوس خانۂ دماغ کو خالی پاکر اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ یہی معاملہ ان فوجیوں کے ساتھ پیش آیا جو طویل عرصہ تک جنگ و پیکار میں مصروف رہنے کے بعد واپس آئے تھے۔ کبھی انہیں خلیفہ اور صحابہ کی دولت و ثروت قابلِ اعتراض نظر آتی اور اسے موضوعِ گفتگو بنایا جاتا۔ کبھی گورنروں

اور دوسرے عمالِ حکومت کے اختیارات اور طرزِ عمل کو نشانۂ تنقید بنایا جانا اور کبھی اپنے ان شجاعانہ کارناموں کو یاد کرتے جن کی بدولت مملکتِ اسلامیہ کی حدیں روم و افغانستان اور مصر تک وسیع ہو گئی تھیں۔ ان کارناموں کو یاد کرکے ان میں اپنی اہمیت کا ایک خاص احساس پیدا ہو جانا اور وہ چاہتے —— کہ ان کی اس اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کو معاشرے میں کوئی خاص اہمیت حاصل تھی یا نہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ اپنے شجاعانہ کارناموں کے صلے میں انہیں خاصا مالِ غنیمت مل گیا تھا اور وہ مفتوحہ ممالک سے مالا مال ہو کر واپس آئے تھے۔ صرف مال و زر ہی نہیں لونڈیوں اور غلاموں کی ایک "فوج" بھی ان کے ساتھ تھی۔ اس مال و زر اور لونڈی غلاموں کا حصول وہ مادی فائدہ تھا جو انہیں حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اجرِ عظیم جو فرضِ جہاد کی ادائیگی کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے ملنا تھا اس کے علاوہ تھا۔ اگر وہ غور کرتے تو یہ وہ اہمیت تھی جو اس ظاہری اہمیت سے کہیں زیادہ تھی جس کے حصول کے وہ خواہشمند تھے۔ اگر وہ اس پر قانع رہتے تو یہ امر ان کی دینی اور دنیوی فلاح کے لئے بہت کافی تھا مگر افسوس کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ان نا سمجھ انصار کی پیروی کی جنہوں نے ایک جنگ کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ "خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مالِ غنیمت مہاجرین لئے جا رہے ہیں۔" ان لوگوں کو مالِ غنیمت تو مل چکا تھا۔ اب انہیں یہ شکایت تھی کہ ملک تو ہم نے فتح کئے ہیں اور عہدے اور جاگیریں دوسروں کو دیئے جا رہے ہیں اور وہ ہم پر حکومت کر رہے ہیں حالانکہ ممالکت اسلامیہ کے تمام اہم مناصب پر وہی لوگ فائز کئے جاتے تھے جو کسی نہ کسی جہاد میں حصہ لے چکے تھے اور جنہوں نے بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ خلیفہ کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ ہر شخص کو عہدے اور جاگیریں دیتا۔ غرض ان فوجوں کی واپسی سے ایک اور فتنہ پیدا ہوا اور ان میں سے بعض نے فراغت کی زندگی کا غلط استعمال کر کے اپنی قوت خلیفۂ وقت کے خلاف صرف کرنی شروع کر دی۔

جرائم پیشہ افراد کی شورش

دنیا کا کوئی ملک، کوئی معاشرہ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں نیک نفس لوگوں کے ساتھ ساتھ شر پسند اور فتنہ پرور لوگ نہ پائے جاتے ہوں آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک سے زیادہ بابرکت زمانہ اور کون سا ہوگا مگر اس زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو محض دکھاوے

کے لئے مسلمان ہو گئے تھے اور جن کی سیرت و کردار سراسر غیر اسلامی تھے/ جو قدم قدم پر کمزوریاں دکھلاتے تھے۔ قرآن حکیم میں بھی متعدد جگہ ان کی مذمت کی گئی ہے/ خلفائے راشدین کا زمانہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہ تھا بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا تھا/ ان کی غیر شرعی اور خلافِ قانون حرکات پر جب انہیں سزا دی جاتی تو اس سزا سے اصلاح کی بجائے ان میں سے بعض میں بغاوت اور سرکشی کا رجحان پیدا ہوتا اور سزا دینے والے افسر کے دشمن ہو جاتے/ اس قسم کے لوگوں کی کوفہ اور بصرہ میں بھی خاصی تعداد تھی اور ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں قتل اور ڈاکہ زنی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کو حضرت عثمانؓ کے گورنروں نے پھانسی، دُرّوں اور قید کی سزائیں دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سزا یافتہ مجرموں کے ساتھیوں اور رشتہ داروں کی ایک بڑی تعداد حکومتِ وقت کی مخالف ہو گئی اور عوام میں بھی مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے لگی۔ بعض لوگ اس پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے اور جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ رونما ہوا تو اس عنصر نے اس میں پوری گرم جوشی سے حصہ لیا/

یہ تھے وہ بڑے بڑے بواعث جو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا سبب بنے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان تمام اسباب کے باوجود حضرت عثمانؓ

کے خلاف وہ منظم بغاوت کبھی نہ ہوتی جس نے نہ صرف خلیفۂ وقت کی جان لے لی بلکہ نظامِ خلافت میں اختلال پیدا کر دیا اور امتِ مسلمہ نفاق و انتشار کا شکار ہو گئی، یہ بغاوت اس وقت رونما ہوئی جب ایک فتنہ پرور شخص نے نہایت عیاری سے کام لے کر ان تمام عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جو اپنے مخصوص مفادات اور ذاتی اغراض کی خاطر خلیفۂ وقت اور اس کے عمال سے غیر مطمئن تھے۔ آئندہ صفحات میں ہم فتنے کے بانی اس کی سرگرمیوں اور اس کی شخصیت سے متعلق تفصیل سے گفتگو کریں گے (انشا اللہ)
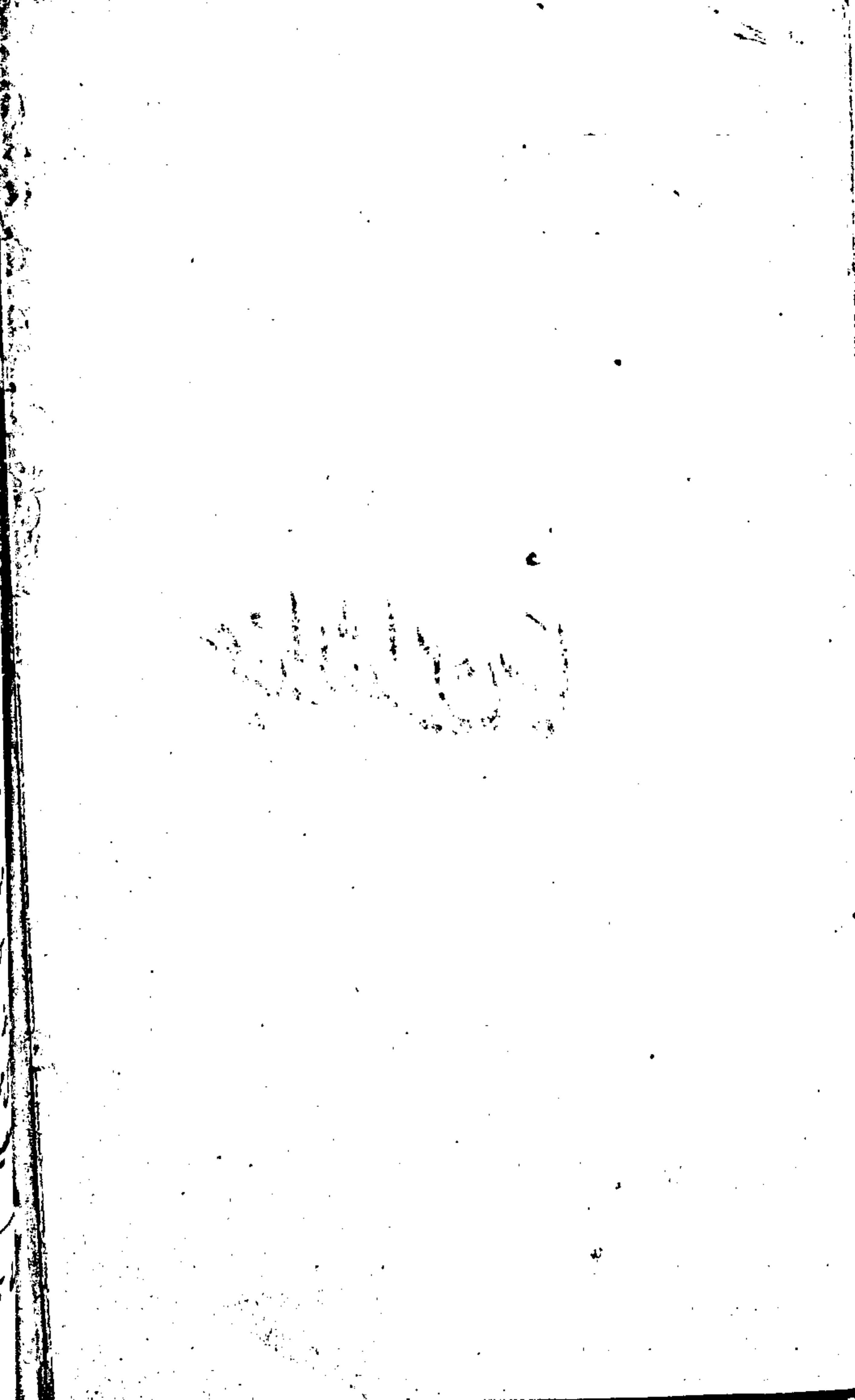
عبداللہ ابنِ سبا

عبداللہ ابنِ سبا

عبداللہ ابن سبا یمن کے مقام صنعا کا باشندہ[1] تھا۔ اس کے باپ کا نام سبا تھا۔ یہ مذہباً یہودی تھا۔ اس کی ماں حبشی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی لئے یہ ابن السودا کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمان ہوا مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس نے اسلام دل سے قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ازراہِ مکر و فریب اسلام کو مٹانا اس کا مقصد تھا۔ یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ اسلام پر قریشِ مکہ کے بعد سب سے زیادہ مصیبتیں یہودیوں کے ہاتھوں آئیں۔ تمام بڑی بڑی جنگیں انہیں

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۷۸

کی شرارت کی وجہ سے برپا ہوئیں اور بعض جنگیں تو خالصتہً یہودیوں نے لڑیں اور پوری کوشش کی کہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیں۔ حتیٰ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کرنے والے بھی یہودی تھے۔ پھر وہ بد بخت عورت جس نے حضورؐ کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی یہودن ہی تھی۔ اگر دین اسلام کوئی انسانی منصوبہ ہوتا تو یہودیوں کی سازشوں اور منظم کوششوں کی بدولت کبھی کا ملیامیٹ ہو گیا ہوتا مگر اس کی تخم ریزی اور آبیاری اس قادر و توانا خدا تعالیٰ نے کی تھی جس کی طاقت اور جس کی تدبیروں کے سامنے ساری طاقتیں اور تدبیریں ہیچ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر معمولی دولت و ثروت، کثرت تعداد اور قوت و تدبیر کے باوجود یہودیوں کو ہر محاذ پر عبرتناک شکست ہوئی اور ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ آخر کار ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ کچھ نے بادلِ ناخواستہ اور کچھ نے اس کی صداقت سے متاثر ہو کر۔ عبداللہ بن سبا انہیں یہودیوں میں تھا جنہیں اسلام کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور انہیں اپنی شکست و نامرادی کا سخت رنج تھا مگر وہ خوب جانتے تھے کہ اسلام اب اس قدر تناور درخت بن چکا ہے کہ اسے بڑی سے بڑی

ندھی بلکہ طوفان بھی کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا الا یہ کہ اس کی جڑ کو کھوکھلا
کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے منافقت
کا راستہ اختیار کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح اسے وہ سب
کچھ کرنے کا موقع مل گیا جو یہودی ہونے کی حالت میں اس کے لئے ممکن نہ تھا
درحقیقت یہ ہے کہ اسے اپنے مقصد میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔
اس کے دو سبب تھے۔ ایک اس کی فراست اور دوسری ماحول
کی سازگاری۔ وہ بڑا ذہین، دور اندیش اور عیار شخص تھا مردم شناسی
میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس میں منصوبہ بندی کی غیر معمولی صلاحیت
پائی جاتی تھی۔ وہ انسانی نفسیات کا بڑا ماہر تھا اور لوگوں کی دکھتی ہوئی
رگیں تلاش کرنے اور ان پر انگلی رکھنے میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔

عقائد اسلامی میں تحریف

اس نے بڑی عیاری اور باریک بینی سے کام لے کر ایک منصوبہ
بنایا اور اس منصوبے کے تحت اس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے عقائد
کو بگاڑنے کی مہم شروع کی۔ چنانچہ اس نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ ہر نبی کا ایک
وصی ہوتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی حضرت علی ہیں[1]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۶۷

اس طرح اس نے خلیفۂ وقت (حضرت عثمانؓ) کی شخصیت کے مقابلے میں ایک اور شخصیت کو لا کھڑا کیا اور اسے مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہا تاکہ ملتِ اسلامیہ میں دو گروہ پیدا ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد پر ایسی کاری ضرب تھی اور اسلام کی مرکزیت پر ایسا بھرپور وار تھا جس نے اس تناور درخت کو نصف کے قریب کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرا عقیدہ یہ وضع کیا کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خاکدانِ عالم میں دوبارہ تشریف نہ لائیں[1] اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتا تھا

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے تجھے ضرور اس جگہ واپس لائے گا جو لوٹنے کی جگہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے وہ یہ نتیجہ نکالتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار اس دنیا میں ضرور تشریف لائیں گے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتحِ مکّہ کی خوش خبری سنائی تھی اور فرمایا تھا کہ ا

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۱۶۷

رے نبی! میں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ اس وقت تو مکہ سے دور ہے
یکن دل گیر نہ ہو۔ وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ہم تجھے اس مقام کی طرف
پس لائیں گے جو لوٹنے کی جگہ ہے "لوٹنے کی جگہ" اس لئے فرمایا
لوگ ہر سال مکہ میں حج کی غرض سے آتے ہیں اور بار بار آتے ہیں.
گر اس عیار شخص نے نہایت چالاکی سے کام لے کر قرآن حکیم کی اس
یت کو اپنے خود ساختہ عقیدے کی تصدیق کے طور پہ پیش کیا اور
سے وہ معنی پہنائے جو اس کے ذہن کی پیداوار تھے۔ بعض سادہ لوح
گ اس کے فریب کا شکار ہو گئے۔ اس طرح اس نے اسلامی تعلیمات
ں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی اور
سلمانوں کی وحدتِ فکر کو سبوتاژ کرنے کی نہایت شاطرانہ
ال چلی۔

ن سبا۔ بصرہ میں

اپنی اس تعلیم کو پھیلانے اور ملتِ اسلامیہ میں اختلاف و انتشار
ا بیج بونے کے لئے اس نے سلطنتِ اسلامیہ کا ایک طویل دورہ
یا اور مدینہ، مکہ۔ بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کا سفر کر کے حالات
گہری نظر سے جائزہ لیا وہ جس شہر میں گیا وہاں کے لوگوں سے

مل کر ایسے افراد کا سراغ لگایا جو کسی نہ کسی وجہ سے حکام کے طرزِ عمل کے شاکی تھے۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ عبداللہ بن سبا یمن سے چل کر مدینہ اور پھر مکہ گیا۔ مگر یہاں اسے کسی قسم کی کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور سے نا امید ہو کر اس نے بصرہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچکر حکیم ابن جبلہ کے یہاں قیام کیا۔ ابن جبلہ بصرہ کا ایک بدنام ڈاکو تھا۔ اس کی ڈاکہ زنی کا طریقہ یہ تھا کہ جب اسلامی لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوتا تو یہ بھی ساتھ ہو لیتا اور فتوحات کے بعد جب اسلامی فوجیں واپس روانہ ہوتیں تو نظر بچا کر ان سے الگ ہو جاتا اور ذمیوں کے اموال لوٹ لیتا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جب اس جماعت کی ان قبیح حرکات کی شکایت حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے حاکم بصرہ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو قید کر دو اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہو جائے انہیں مت چھوڑو۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ عبداللہ بن سبا کا اس ڈاکو کے یہاں ٹھہرنا اور اسی قماش کے لوگوں کا اس کے پاس آکر ملنا اور باہم مشورہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس کے ارادے نہایت خطرناک تھے اور یہ ڈاکوؤں اور بدمعاش لوگوں

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۶۸

منظم کر کے خلیفۂ وقت کے خلاف فتنہ برپا کرنے میں مصروف تھا۔ چونکہ اس قماش کے لوگ فتنہ و فساد اور سرکشی کے لئے جلد تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے ان کے قبیح افعال کی بنا پر حکومت انہیں سزا دیتی ہے اور یہ حکومت کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس لئے عبداللہ بن سبا نے اس قسم کے لوگوں کو اپنی مطلب برآری کے لئے منتخب کیا اور وہ بہت جلد اس کا شکار ہو گئے۔

جب اس کی سرگرمیوں کی اطلاع بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر کو ہوئی تو انہوں نے اسے طلب کیا اور پوچھا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اہلِ کتاب میں سے تھا مگر اب اسلام لے آیا ہوں اور آپ کے سایۂ عاطفت میں رہنا چاہتا ہوں۔ حاکم بصرہ نے کہا کہ تو غلط کہتا ہے۔ مجھے تیرے بارے میں اصل حقیقت کا پتہ چل گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تو حدودِ بصرہ سے فوراً نکل جا۔ چنانچہ وہ بصرہ سے چلا گیا اور کوفہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اس طرح اس کا بصرہ سے نکلنا ایک بڑے فتنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ بصرہ کے دورانِ قیام میں اس نے ان تمام لوگوں کو منظم کر لیا جو حاکمِ وقت سے ناراض تھے اور جنہیں مختلف جرائم میں سزا مل چکی تھی ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ ابن سبا نے حکیم بن جبلہ کو ان کا لیڈر بنایا۔

اوران سب کو امیر کی اطاعت کرنے کی ہدایت کی۔اس طرح عبداللہ ابن سبا بصرہ میں شرپسند لوگوں کی ایک تنظیم قائم کر کے چلا گیا۔

ابن سبا۔کوفہ میں

بصرہ کی طرح کوفہ میں بھی عبداللہ بن سبا کو ایسے لوگ مل گئے جنہیں اس نے اپنا آلہ کار بنالیا۔ان لوگوں میں مالک[1] بن اشتر ابن الکوا۔عمیر بن ضابی۔جندب۔کمیل، صعصعہ اور ابن ذالحبکہ شامل ہیں۔ان لوگوں میں سب سے زیادہ منہ زور، سرکش، جی دار، اور عقلمند شخص مالک اشتر تھا۔عبداللہ بن سبا نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ اسلامی تعلیم کی رو سے قریش اور غیر قریش سب برابر ہیں۔پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ میں تمام مناصب پر قریش کا قبضہ ہے اور غیر قریش محکوموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔مالک بہت جلد ابن سبا کے دام فریب کا شکار ہو گیا اور اس نے اس خیال کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی۔کوفہ میں غیر قریش افراد

---

[1] الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۱۰۸

کافی تعداد میں آباد تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو اسلامی جنگوں میں حصہ بھی لے چکے تھے چنانچہ ان لوگوں نے اس خیال کو جلد قبول کر لیا اور عبداللہ بن سبا نے یہاں بھی خلیفۂ وقت کے مخالفوں اور اپنے تابعین کی ایک جماعت قائم کردی ۔ بصرہ کی طرح کوفہ میں بھی اس کی سرگرمیوں کی اطلاع حاکم شہر کو ہو گئی اور اسے یہاں سے بھی نکالا گیا ۔

ابن سبا ۔ شام میں

کوفہ میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد عبداللہ بن سبا شام کی طرف روانہ ہوا مگر چونکہ شام سلطنتِ اسلامیہ کا وہ صوبہ تھا جہاں کا نظم و نسق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور حاکم و محکوم کے درمیان کسی قسم کا اختلاف یا کشمکش نہ تھی، اس لئے ابن سبا کو یہاں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مقدس صحابی حضرت ابوذر غفاری ؓ کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی اور انہیں حضرت معاویہؓ کے خلاف اکسایا ۔ چونکہ حضرت ابوذرؓ غفاری طبعاً زہد کی طرف مائل تھے ۔ خود بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی درویشی کی زندگی گذارنے کی تلقین کرتے تھے ۔ اس لئے بعض مورخوں نے یہ خیال کر لیا کہ وہ عبداللہ بن سبا کی تحریک کا

شکار ہو گئے تھے اور اس کے اثر کی وجہ سے شام کے امراء پر تنقید اور امیر معاویہؓ پر اعتراض کیا کرتے تھے حالانکہ جن لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری کے حالاتِ زندگی اور ان کے مزاج کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کی طبیعت کا ابتدا ہی سے یہ رنگ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی وہ یہ تلقین کرتے تھے۔ شام میں آکر جب انہوں نے رہائش اختیار کی اور یہاں دولت مندوں کی کثرت دیکھی تو اسی وقت سے انہوں نے مال و دولت جمع کرنے کی مذمت شروع کر دی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اس مذمت میں شدت پیدا ہونے لگی ان حالات میں کوئی وجہ نہیں کہ ہم انہیں ایک یہودی کا فریب خوردہ قرار دیں اور یہ تسلیم کر لیں کہ وہ اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں۔ وہ مقدس صحابی جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے "مسیحِ اسلام" کا خطاب دیا۔ اتنے کمزور ایمان کا حامل نہیں ہو سکتا کہ ایک نو مسلم اسے اسلام کی تعلیم دے۔ ہم مصر کے مشہور فاضل اور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی اس قیمتی رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ:۔

"میرے خیال میں اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک نو مسلم کے متعلق یہ یقین کر لیں کہ ابوذرؓ جیسے بزرگ نے اس سے دین کی تعلیم

حاصل کی۔ اس (ابن سبا) نے انہیں بتایا کہ غریبوں اور حاجت مندوں کا ارباب دولت پر کچھ حق ہے یا یہ کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے یا یہ کہ مال غنیمت زکوٰۃ اور خراج وغیرہ کی رقوم جو بیت المال میں جمع ہوتی ہیں مسلمانوں کی ملکیت ہیں حضرت ابوذرؓ اس کے قطعاً محتاج نہ تھے کہ دین کی یہ ابتدائی باتیں وہ ایک یہودی نیچ سے سیکھتے۔ وہ انصار میں سے پہلے شخص تھے جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے اسلام لائے۔ عرصۂ دراز تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت صحبت میں رہے۔ قرآن حکیم حفظ کیا۔ احادیث نبویؐ کو اپنے سینے میں محفوظ کیا اور یہ دولت غیر مترقبہ دوسروں تک پہنچائی حقوق و فرائض اور مالیات کے اصولوں کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دونوں مقدس خلفا کے طرز عمل کو بہ نظر غائر دیکھا اور دیگر صحابہ کی طرح حلال و حرام میں فرق معلوم کیا۔ ایسے شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ اسے عبداللہ بن سبا نے دین کی بعض باتیں تعلیم کیں (اور وہ ایک منافق کی سازش کا شکار ہو گیا) اس پر بھی ظلم ہے اور خود اپنے اوپر بھی[1]

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ صـ۱۳۳

ابن سبا ۔ مصر میں

شام سے ناکام و نامراد ہونے کے بعد ابن سبا نے مصر کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر فسطاط میں مقیم ہوگیا۔ اب یہ شہر اس تحریک کا مرکز قرار پایا جو خلافتِ اسلامیہ کا نظام زیرو زبر کرنے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ یہاں بیٹھ کر ابن سبا نے دو کام کئے۔ ایک یہ کہ کوفہ اور بصرہ کے ذیلی مراکز کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور ان شہروں کے مفسدوں کو خط و کتابت کے ذریعے ہدایات دینی شروع کیں۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ اپنی خود ساختہ تعلیم کی اشاعت کے لئے اپنے نائبین اور داعی مقرر کئے اور انہیں ہدایت کی جب عوام سے ملو تو ان پر اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کا اثر ڈالو۔ انہیں دین کی طرف بلاؤ اور نیکی کی تلقین کرو تاکہ وہ تمہیں اسلام کا خادم اور مسلمانوں کا خیرخواہ سمجھیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ امران کے ذہن نشین کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اس نے اپنے داعیوں کو یہ بھی ہدایت کی کہ ابتدا میں حضرت عثمانؓ کے خلاف لب کشائی نہ کرو بلکہ ان کے گورنروں پر اعتراضات کرو۔ چنانچہ ان داعیوں نے کوفہ، بصرہ اور مصر میں بڑی ہوشیاری سے اس تحریک کو چلایا اور جب بعض لوگوں نے ان کی باتوں کو قبول کر لیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے

گورنروں کے خلاف الزام تراشی شروع کی۔ رفتہ رفتہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو خطوط کا تبادلہ شروع ہو گیا اور ابن سبا کے ایجنٹوں نے گورنروں کے مظالم اور ان کی غیر اسلامی حرکات کے جھوٹے افسانے مشہور کرنے شروع کر دیئے۔ جب اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی تو ابن سبا نے مصر میں یہ پروپگنڈہ شروع کیا کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا جسے عثمانؓ نے غصب کر لیا۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ عثمانؓ کو مسندِ خلافت سے ہٹا دیں[1]۔ مگر ان خیالات کا اظہار اس نے صرف مصر میں کیا۔ کوفہ اور بصرہ والوں کو اس امر کی تلقین نہیں کی کہ وہ بھی حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے کوشش کریں کیونکہ وہ بڑا ذہین اور غیر معمولی دل ودماغ کا انسان تھا اگر وہ ایسا کرتا تو اس کا مقصد حاصل نہ ہوتا اور مسلمان حضرت عثمانؓ کی بجائے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا لیتے اس طرح خلافت ایک سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس چلی جاتی۔ اس کا مقصد تو اسی وقت حاصل ہو سکتا تھا جب مسلمان کسی ایک شخص کے ہاتھ پر جمع نہ ہوتے بلکہ مختلف الخیال ہو کر بہت سی جماعتوں میں بٹ جاتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوفہ کے لوگ حضرت طلحہؓ اور بصرہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کی خلافت کے لئے کوشش

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۷۸

کرتے ہیں۔ یہ دراصل اسی ابن سبا کی سازش کا نتیجہ تھا اور اس طرح اس نے ایک طرف حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر جمع ہونے سے روکنے کے لئے انہیں تین جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ غرض یہ کہ عبداللہ بن سبا کو مصر میں بیٹھ کر اپنے مقاصد میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی جو شاید دوسرے شہروں میں نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ کوفہ اور بصرہ کی نسبت مصر دارالخلافہ (مدینہ) سے بہت دور تھا۔ اس علاقے کے لوگ سب سے بعد میں اسلام لائے تھے اس لئے ان کے عقائد میں ابھی پختگی نہیں آئی تھی۔ مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے معلمین اور صحابہ کی آمد و رفت بھی اس علاقے میں بہت کم تھی یہ تھے وہ اسباب جن کے پیش نظر ذہین ابن سبا نے اس علاقے کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے سازش اور فتنہ و فساد کا ایسا جال بچھایا جس میں ہزاروں ناواقف اور سادہ لوح لوگ پھنس گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کو دن کی روشنی میں نہایت بے دردی اور سفاکی سے شہید کر دیا گیا۔

کیا ابن سبا کا وجود فرضی تھا؟

یہ بھی عجیب حادثہ ہے کہ وہ فتنہ پرداز جس نے اپنی شرارت اور غیر معمولی

ذہانت سے کام لے کر عالم اسلام کو زیر و زبر کر دیا اور جس کی شرارت کے نقوش تاریخ کے ایک ایک ورق پر ثبت ہیں۔ آج اس کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اس نام کا کوئی شخص تاریخ اسلام میں گذرا ہی نہیں۔ یہ ایک وہمی اور فرضی کردار ہے جسے حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کی نااہلیوں اور مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے تراش لیا گیا ہے اس نظریئے کو شہرت دینے میں مصر کے مشہور محقق اور فاضل ڈاکٹر طٰہٰ حسین پیش پیش ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف تاریخ کے بہت بڑے اسکالر ہیں اور ان کا شمار دنیا کے چند ممتاز ترین علما میں ہوتا ہے اس لئے عبد اللہ ابن سبا کے متعلق ان کا پیش کردہ نظریہ بڑی جلدی عام ہوگیا اور بعض لوگوں نے ان کے علم و فضل اور طرزِ تحقیق کے اچھوتے پن کی وجہ سے اسے قبول کر لیا۔ ہم خود ان لوگوں میں سے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کا صد درجہ احترام کرتے اور انہیں عہد حاضر کا بہت بڑا محقق اور فاضل تسلیم کرتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ ہر بڑا فاضل جو بات کہے یا جو نظریہ پیش کرے اسے بغیر ردّ و کد کے من و عن قبول کر لیا جائے۔ وہ بھی انسان ہیں۔ ان سے غلطی کا صدور عین ممکن ہے اور اس معاملے میں یقیناً ان سے غلطی ہوئی۔ اب ہم ذیل میں پہلے ان کی تحقیق اور پھر اپنی رائے پیش کریں گے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کی تحقیق

ڈاکٹر طہٰ صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں کہ :۔

"گذشتہ زمانے کے راویوں نے عبداللہ بن سبا کے قصے کو بہت اہمیت دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا بانی مبانی یہی شخص ہے اور وہ اسی کو مسلمانوں کے لامتناہی اختلافات کا سبب قرار دیتے ہیں۔ . . . میری رائے میں ابن سبا کے معاملے کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والے تاریخ پر بھی ظلم کرتے ہیں اور اپنے اوپر بھی۔ پہلی بات تو یہ غور طلب ہے کہ ان اہم ماخذوں میں عبداللہ بن سبا کا کوئی ذکر نہیں ملتا جن میں حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والی شورش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا حال درج ہے مگر اس میں ابن سبا کا کوئی ذکر نہیں، بلاذری نے بھی اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں یہ واقعات بیان کئے ہیں مگر وہ بھی ابن سبا کے ذکر سے خالی ہے۔ میری رائے میں" انساب الاشراف" اہم ترین ماخذ ہے اور اس کتاب میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کے

واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ طبری نے ابنِ سبا کا تذکرہ کیا ہے اور ایک شخص سیف بن عمر سے اس واقعے کی روایت کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ بعد کے مؤرخین نے طبری سے اس واقعے کو نقل کیا ہے[1]

"...... ابن سبا کے متعلق جو روایات پیش کی گئی ہیں اگر انہیں صحیح مان لیا جائے تو اغلب خیال یہی ہے کہ اس نے اس فتنے کی تخم ریزی نہیں کی بلکہ اسے ہوا دی اور لے سے پھیلا دیا یعنی فتنہ اور اختلاف پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔"[2]

عبداللہ بن سبا کی "فرضی شخصیت" پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب کی دوسری جلد میں فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے خیال میں ابن سبا کا وجود فرضی ہے اور اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اس کی حیثیت معمولی تھی اور وہ اس قابل نہ تھی کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ اس کی شخصیت وہ نہ تھی جس کی تصویر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت اور حضرت علیؓ کے ابتدائی دور میں دکھائی جاتی ہے۔ دراصل اس کا ہیولا شیعہ اصحاب کے مخالفین

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ۔ حصہ اوّل ص ۱۳۲-۱۳۱ [2] الفتنۃ الکبریٰ حصہ اول ص ۱۳۴

نے انہیں عاجز کرنے کے لئے تراشہ ہے"[1]

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) عبداللہ ابن سبا کا وجود فرضی ہے۔

(۲) تمام اہم تاریخی ماخذ اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

(۳) بلاذری جو سب سے زیادہ اہم ماخذ ہے اس کے بارے میں خاموش ہے۔

(۴) اس کا ہیولا شیعہ اصحاب کے مخالفین نے انہیں عاجز کرنے کے لیے تراشہ ہے۔

یہ ہیں وہ چار بنیادیں جن پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی عمارت تعمیر کی ہے۔ اب ہم ان چاروں شقوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

تذبذب اور تضاد

(۱) ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کی پہلی شق پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم بات مدنظر رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ تاریخ ایک ایسا فن ہے جس کی بنیاد خالصتہً حقائق پر رکھی جاتی ہے۔ اس

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ حصہ دوم

مفروضات کا قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ نہ کسی ایسے واقعے کو تاریخ کا جزو بنایا جا سکتا ہے جس کی حیثیت مشتبہ ہو۔ مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس واقعے کو پیش کر کے اس کی صحت پر اصرار کر رہا ہو اس کے متعلق خود اس کا اپنا ذہن صاف ہونا چاہیئے، اگر وہ خود اس واقعے کے متعلق مذبذب اور متشکک ہو تو اس کا پیش کردہ نتیجہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے عبداللہ بن سبا کے وجود کے فرضی ہونے کے بارے میں جو خاصی طویل بحث کی ہے اس کے گہرے مطالعے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے پیش کردہ نتیجے سے مطمئن نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بار اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ "ابن سبا کا وجود فرضی ہے اور اگر اس نام کی کوئی شخصیت گذری بھی ہے تو وہ بہت معمولی تھی جسے مورخین نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے"۔ اس سے پہلے فرماتے ہیں کہ "ابن سبا کے متعلق جو روایات پیش کی گئی ہیں اگر انہیں صحیح مان لیا جائے تو اغلب یہی ہے کہ ابن سبا نے فتنے کا بیج نہیں بویا بلکہ فتنہ پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اس فتنے کو ہوا دے کر فائدہ اٹھایا۔"

سوال یہ ہے کہ کیا یہ اندازِ بحث و نظر کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جو

اپنے کسی نظریے کی صحت پر پوری طرح یقین رکھتا ہو۔ کیا یہ تضاد نہیں کہ ایک جگہ تو ڈاکٹر صاحب اس کے وجود کا صاف لفظوں میں انکار کر فرماتے ہیں کہ اس نام کا کوئی شخص تاریخ میں نہیں گذرا۔ یہ وہمی اور فر کردار ہے جسے حضرت عثمانؓ کے عقیدت مندوں نے ان کے اوران کے گورنروں کے افعالِ زبوں کی پردہ پوشی کرنے کے لئے تراشا ہے لیکن اسی بیان میں دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ "اگر اس نام کا کوئی شخص حضرت عثمانؓ کے عہد میں گذرا بھی ہے تو اسے مورخوں نے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔" پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا نے فتنے کی آگ کو ہوا دی۔ آگ لگائی نہیں" سوال تو یہ ہے کہ جب یہ وجود فرضی ہے اور اس نام کا کوئی شخص حضرت عثمانؓ کے عہد میں گذرا ہی نہیں تو اس نے آگ کو ہوا کیسے دی؟ بیان کا یہ تضاد صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو خود اپنے پیش کردہ نتیجے کی صحت کا یقین نہیں ہے۔ اگر انہیں اپنی تحقیق کے قطعی اور یقینی ہونے کا پورا اعتماد ہوتا تو وہ اس قسم کے مذبذب آمیز بیان کبھی درج نہ کرتے اور ایک ہی سانس میں اتنی متضاد باتیں نہ کہتے۔

غلط مفروضہ

(۲) ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی دوسری شق میں فرمایا ہے۔ کہ

حضرت عثمانؓ کے عہد سے تعلق رکھنے والے تمام اہم ماخذ ابن سبا کے ذکر سے خالی ہیں اور ابن سعد اور بلاذری نے اس کا کوئی ذکر نہیں سوال یہ ہے کہ کیا کسی واقعے کو صرف اس لئے قبول نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں فلاں کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ تاریخ کے بیسیوں واقعات لیسے ہیں ——— جو ایک کتاب میں درج ہیں لیکن اس عہد کی دوسری کتاب میں سرے سے ان کا ذکر ہی نہیں کیا گیا مگر اس کے باوجود ان واقعات کو درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ تاریخ تو تاریخ ہے اگر احادیث کے سرمایہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جنہیں بخاری نے درج نہیں کیا لیکن ترمذی، مسلم اور "مسند احمد بن حنبل" میں وہ حدیثیں درج ہیں مگر اس کے باوجود ان حدیثوں کو درست تسلیم کیا جاتا ہے خود ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب میں حضرت علیؑ کے متعلق لکھا ہے کہ "ہجرت کی رات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے بستر پر سلایا"۔ ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے یہ دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس واقعے کی صحت کے متعلق سب سے زیادہ مستند بیان حضرت امام بخاری کا ہو سکتا ہے اور امت کی بہت بڑی اکثریت نے بخاری کو قرآن کے بعد اصح الکتاب قرار دیا ہے اور ڈاکٹر صاحب

اس حقیقت کو بھی یقیناً تسلیم کریں گے کہ روایات کو پرکھنے اور محفوظ کرنے میں جو احتیاط محدثین نے کی ہے تاریخ کی کتابوں میں ہرگز اتنا اہتمام نہیں کیا گیا۔ کیا حضرت علیؓ کا ہجرت کی رات حضورؐ کے بستر مبارک پر سونے کا واقعہ امام بخاری نے بیان کیا ہے؟ ہم ڈاکٹر صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ ساری بخاری کو چھان ڈالیں پھر بھی انہیں اس قسم کی ایک روایت نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ آں حضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا؟ حالانکہ بخاری حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کے معاملے میں اہم ترین ماخذ ہے اور وہ حضرت علیؓ کے بسترِ رسولؐ پر لیٹنے کے بارے میں خاموش ہے؟ پھر ڈاکٹر صاحب نے اس روایت کو کیوں تسلیم کیا؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس واقعے کو غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت علیؓ کا بسترِ رسولؐ پر سونا بالکل درست ہے کیونکہ بخاری کے علاوہ احادیث کی بے شمار کتابیں اور تاریخ کی تقریباً تمام کتابیں اس روایت کو درست قرار دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی اس روایت کو قبول کر لیا پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی اہم ماخذ کسی واقعہ کے بارے میں خاموش ہو تو اس واقعے کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ دوسرے بیسیوں ماخذوں میں اس کا ذکر موجود ہی۔ اسی طرح اگر عبداللہ بن سبا کا ذکر ابن سعد نے نہیں کیا تو یہ اس کی لاعلمی کی دلیل تو ہو سکتی ہے ابن سبا کے فرضی وجود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی جب کہ تاریخ کی دوسری بیسیوں اہم اور مستند کتابوں میں عبداللہ بن سبا کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

بل میں ہم ان کتابوں کے نام اور ان صفحات کے نمبر درج کرتے
ہیں جن میں ابن سبا کا تذکرہ درج ہے۔

(۱) میزان الاعتدال جلد دوم صـ ۱۲۲ (۲) الکامل (ابن اثیر) جلد سوم
صـ ۹۵ صـ ۹۶ (۳) الملل والنحل جلد اول صـ ۱۷۴ (۴) ابن خلدون جلد دوم
صـ ۳۸۵ (۵) البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ ۱۶۷ (۶) لسان المیزان جلد سوم
صـ ۲۸۹ (۷) تاریخ طبری جلد سوم صـ ۳۷۸ (۸) الفرق بین الفرق صـ ۲۳۴
(۹) مقریزی جلد چہارم صـ ۱۷۵ (۱۰) شرح عقیدہ السفارینی جلد اول صـ ۸۰
(۱۱) دائرۃ المعارف جلد ہفتم صـ ۱۶۰۔ ان کے علاوہ ابنِ حزم، جرجانی،
ابوالفدا اور زمانہ حال کے مورخین میں سید رشید رضا صاحبِ
"المنار" اور ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے عبداللہ ابن سبا کی شخصیت
اور اس کی سرگرمیوں کا تذکرہ بڑی تفصیل سے اپنی کتابوں میں کیا
ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنے بڑے بڑے مورخ اور عالم و فاضل
جھک مارتے رہے۔ ان میں سے کسی پر یہ عقدہ نہ کھلا کہ ابن سبا
کا وجود محض افسانوی ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہ مورخ ہیں جن کی عظمت
جن کے علم و خبر اور فکر و نظر کی خود ڈاکٹر طہٰ حسین بھی شہادت
دیں گے۔ اتنے جلیل القدر مورخوں اور مفکروں کا عبداللہ بن سبا
کے تذکرے میں اس قدر تفاصیل سے کام لینا اور اس کے

وجود پر اصرار کرنا ثابت کرتا ہے کہ یقیناً عبداللہ بن سبا نام کا ایک شخص حضرت عثمانؓ کے عہد میں موجود تھا اور اس نے آپؓ کو بدنام اور خلافت اسلامیہ کو تہ وبالا کرنے کے لیے ایک منظم سازش کی۔

بلاذری کی شہادت

(۳) ڈاکٹر صاحب اپنی تحقیق کی تیسری شق میں فرماتے ہیں کہ "میری رائے میں (بلاذری کا) انساب الاشراف اہم ترین ماخذ ہے جس میں حضرت عثمانؓ کے عہد کے واقعات بیان کئے گئے ہیں مگر وہ بھی ابن سبا کے ذکر سے خالی ہے۔" یہ الفاظ لکھکر ڈاکٹر صاحب نے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل کردی اور طریق فیصلہ کی ایک نہایت مضبوط بنیاد ہمارے لئے مہیا کردی۔ آئیے دیکھیں "انساب الاشراف" ابن سبا کے معاملے میں خاموش ہے یا پکار پکار کر اس کے وجود کی شہادت دے رہی ہے۔ جب ہم اس کتاب کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ :-

"ایک[1] روز ابن سبا حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا — اور

---

[1] یہ عبارت "انساب الاشراف" کی تیسری جلد میں ہے جو مخطوطے کی صورت میں پیرس میں محفوظ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے جھڑکا اور فرمایا کہ تم لوگ ان بحثوں میں الجھے ہوئے ہو اور یہاں کیفیت یہ ہے کہ مصر پر مخالفوں کا تسلط ہو گیا اور وہاں تمام لوگ قتل کر دیئے جو ہمارے مددگار تھے"۔ اس حوالے کے بعد کیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں اب بھی کوئی شبہ باقی رہ گیا کہ ابنِ سبا کا وجود فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھا۔ اب تو اس کے وجود کی وہ مورخ بھی گواہی دے رہے ہیں جو ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بقول بہت بڑا مورخ ہے اور جس کی کتاب اس سلسلے میں اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابن سبا شیعی لٹریچر میں

(۴) ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی تحقیق کی چوتھی شق میں فرماتے ہیں کہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ابن سبا نام کا کوئی شخص تاریخِ اسلام میں گزرا ہی نہیں۔ دراصل شیعہ اصحاب کے مخالفوں نے انہیں زچ کرنے کے لئے اس کا ایک فرضی ہیولا تیار کر لیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ شیعی عقائد کی بنیاد رکھنے والا ایک یہودی تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ نتیجہ نکالنے میں بھی ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ظن و تخمین سے زیادہ کام لیا اور حقائق سے کم سروکار رکھا۔ ورنہ اگر وہ شیعی

لٹریچر کا گہری نظر سے جائزہ لیتے تو انہیں شیعہ سنی سوال اٹھانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور یہ حقیقت ان پر پوری طرح آشکار ہو جاتی کہ شیعہ حضرات کے اکابر نے اس معاملے میں سواد اعظم سے کبھی اختلاف نہیں کیا۔ ابن سبا کے معاملے میں ان کی رائے بھی وہی ہے جو اہل سنت کی بلکہ سب سے پہلے انہوں ہی نے اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ عبداللہ ابن سبا کا مقصد مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنا تھا اور وہ حضرت علیؓ کی محبت کا جھوٹا دعویدار تھا۔ ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ان تمام لوگوں کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ شیعہ حضرات کو زچ کرنے کے لئے تراشہ گیا ہے۔ اہل تشیع کی ایک مستند کتاب کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اصل عبارت یوں شروع ہوتی ہے

ان عبد الله بن سبا کان یهودیًا فاسلم والی علیا علیه السلام[1]

(ترجمہ) عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت علی علیہ السلام کا محب بن گیا۔ یہودی ہونے کی حالت میں وہ

---

[1] رجال الکشی ص۱۰۱ مؤلفہ ابی عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی (موسسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا)

حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کی محبت میں بہت مبالغہ کیا کرتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں بھی اس نے غلو اختیار کیا۔ یہ ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی کی امامت (خلافت) کے فرض ہونے کو شہرت دی۔ اس نے حضرت کے مخالفوں کے خلاف زبان کھولی اور ان لوگوں کو آشکارا کیا جو آپ کے دشمن تھے۔ اس نے ان کی تکفیر کی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تشیع کے مخالف کہتے ہیں کہ شیعت اور رفض کی اصل یہودیت سے اخذ کی گئی ہے۔" یہ بیان حضرت عثمانؓ کے کسی عقیدت مند کا نہیں ہے بلکہ اس مورخ کا بیان ہے جو شیعانِ علیؓ میں سے تھا۔ اگر طہٰ حسین کے بقول عبداللہ بن سبا کا افسانہ شیعہ حضرات کے مخالفوں نے تراشہ ہوتا تو کم سے کم شیعہ صاحبان کا دامن تو اس سے پاک رہنا چاہیئے تھا مگر یہاں تو خود شیعہ حضرات کا ایک جلیل القدر مورخ و مصنف نہ صرف عبداللہ بن سبا کے وجود کا قائل ہے بلکہ اس کے عقائد و نظریات پر اظہار خیال بھی کررہا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ شیعہ مذہب اور شیعی عقائد کی فکر شیعہ حضرات سے زیادہ ایک غیر شیعہ ڈاکٹر طہٰ حسین کو ہے۔ حقیقت وہی ہے جو ہم قبل ازیں عرض کرچکے ہیں کہ شیعہ حضرات کے قدیم اکابر نے عبداللہ بن سبا کے وجود کا

کبھی انکار نہیں کیا اور نہ یہ مسئلہ کبھی سنی اور شیعہ میں اختلاف کا موجب رہا۔ یہی نہیں بلکہ تاریخ سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات (اور خود اہل سنت کے بھی) امام حضرت جعفر صادقؓ نے نہ صرف عبداللہ بن سبا کا وجود تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے مشرکانہ افکار و عقائد کی وجہ سے اس پر لعنت بھی بھیجی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ :۔

"حضرت امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو عبداللہ بن سبا پر کہ جس نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا ہیں حالانکہ خدا کی قسم امیر المومنین علی علیہ السلام صرف خدا کے بندے تھے۔ خدا اس شخص کو ہلاک کرے جو ہمارے متعلق کوئی اتہام لگائے[1]"

اس روایت کا راوی بھی حضرت عثمانؓ کا کوئی غالی عقیدت مند نہیں ہے بلکہ ایک مسلّمہ شیعہ ہے اور بیان اس مقدس وجود کا ہے جو شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک بے حد قابل احترام ہے۔ اگر عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی ہوتا اور اس کا افسانہ شیعہ حضرات کو عاجز کرنے کے لئے گھڑا گیا ہوتا

---

[1] رجال الکشی ص۱۰۱ مؤلفہ ابی عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی موسستہ الاعلمی للمطبوعات کربلا۔

تو حضرت امام جعفر صادقؒ اس کی موجودگی کبھی تسلیم نہ کرتے اور اگر یہ روایت غلط ہوتی تو "رجال الکشی" کا فاضل شیعہ مصنف اسے اپنی کتاب میں کبھی درج نہ کرتا۔

ابن سبا کا انجام

جو لوگ عبداللہ بن سبا کے وجود کو فرضی قرار دیتے ہیں وہ اپنے موقف کے حق میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر اس نام کا کوئی شخص موجود تھا تو آخر وہ گیا کہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا ذہین، اتنا بڑا منصوبہ ساز، اتنا ذی اثر جس نے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیا وہ اچانک غائب ہو گیا؟ ان کا کہنا ہے کہ اس شخص کا ہیولا صرف حضرت عثمانؓ کے قابلِ اعتراض اقدامات اور ان کے گورنروں کے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ادھر حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور ادھر ابن سبا کا کھیل ختم کر دیا گیا۔ ان حضرات کے خیال میں اگر عبداللہ بن سبا موجود ہوتا تو اس کے آغاز کی طرح اس کا انجام بھی معلوم ہونا چاہیئے تھا۔

اگر یہ حضرات غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ اعتراض قلت تدبر کی بنا پر پیدا ہوا۔ تاریخ میں ایسے بہت لوگ گذرے ہیں جنہوں نے

بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دیے، مگر اس کے بعد اچانک غائب ہو گئے اور آج کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کا انجام کیا ہوا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اپنے ملک غیر منقسم ہندوستان میں ایک بہت بڑی شخصیت گذری ہے جس کا نام جنرل بخت خاں تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں احمد اللہ شاہ مدراسی کے بعد سب سے اہم کردار ادا کیا۔ یہی وہ بہادر اور دانشمند شخص ہے جس نے بریلی کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کیا اور نواب خان بہادر خاں کو تخت نشین کیا۔ یہی وہ شیر دل جنرل ہے جس نے دہلی آکر بہادر شاہ ظفر کی فوجوں کو از سر نو منظم کرنے کے بعد انگریزوں کو متعدد بار شکست فاش دی اور جسے بہادر شاہ ظفر نے باغی فوجوں کا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ یہ وہ بہادر فوجی قائد ہے جس کی شجاعت اور عسکری تدبر کا خود انگریز جرنیلوں نے اعتراف کیا ہے لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا وہ کب اور کہاں فوت ہوا اور فوت ہوا تو کس طرح؟ اس سوال کا کوئی شخص جواب نہیں دے سکتا کیونکہ ہندوستانی اور یورپین سارے مورخ اس بارے میں خاموش ہیں۔ کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ جنرل بخت خاں کا وجود فرضی ہے اور اس نام کا کوئی شخص ہندوستان میں پیدا ہی نہیں ہوا لیکن عبداللہ بن سبا کے ساتھ تو یہ معاملہ بھی نہیں ہے اس کے متعلق تو صراحت

کے ساتھ بیان موجود ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا اور اس کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ چنانچہ ایک شیعہ مورخ لکھتا ہے :۔

"عبداللہ بن سبا نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ امیرالمومنین (حضرت علیؓ) خدا ہیں۔ جب حضرت علیؓ کو اس کے ان عقاید کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اسے اپنے حضور طلب کیا اور ان عقائد کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا۔

انك انت الله وانی نبی الله

لاریب آپ خدا ہیں اور کوئی شک نہیں کہ میں خدا کا نبی ہوں۔

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے نادان تیرے ساتھ شیطان کھیل کر رہا ہے۔ تیری ماں تجھ پر گریہ کرے۔ اس (شیطانی خیال) سے توبہ کر۔ مگر اس نے یہ عقیدہ ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اسے تین دن تک سمجھایا مگر جب وہ راہِ راست پر نہ آیا تو آپؓ نے اسے آگ میں ڈلوا کر ہلاک کرا دیا۔"[1]

روایات میں آتا ہے کہ بعد میں آپ کو اپنے اس فعل پر سخت ندامت ہوئی (کہ میں نے اسے آگ کا عذاب کیوں دیا) کیونکہ آگ میں جلانے کا

---

[1] رجال الکشی صفحہ ۹۹ مؤلفہ ابی عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی (موسسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا)

اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بہرحال اس روایت سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ ابن سبا فرضی وجود نہیں اس نام کا ایک شخص تھا جو بڑا فتنہ پرداز تھا۔ اس نے مسلمانوں کو صرف سیاسی لحاظ سے نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کے مذہب کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ کو خدا بنایا اور خود نبی بنا۔ اس کی یہ جسارت اس قدر خطرناک تھی کہ حضرت علیؓ جیسے محتاط انسان نے دینی غیرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اسے آگ کا ایندھن بنایا

ہمارا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا کی سرگرمیوں۔ اس کی تعلیم۔ اسکے وجود کے حقیقی ہونے اور اس کے انجام کے بارے میں ہم نے خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے ہمیں یقین ہے کہ انصاف پسند طبائع اور جویائے حقیقت دماغ مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی نہیں تھا۔ ہاں اگر کوئی چیز فرضی ہے تو وہ یہ خیال کہ ابن سبا ایک فرضی وجود ہے

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم یہ بھی عرض کر دیں کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ابن سبا کے وجود سے انکار صرف اس لئے کیا ہے کہ وہ دیانت داری سے اس نتیجے پر پہنچے اور ان کی تحقیق نے انہیں یہی بتایا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس تحقیق میں ان سے متعدد غلطیاں سرزد ہوئیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک آزاد خیال محقق و مورخ ہیں اور مذہبی مناقشات سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کے اس خیال اور اس تحقیق کو لے اڑے

اور اسے اچھالنا شروع کیا۔ ان کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی مقصد تھا
اور وہ یہ کہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ عبد اللہ ابن سبا کا وجود فرضی
ہے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف کسی نے کوئی سازش نہیں کی تو
پھر یہ ثابت کرنا آسان ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کے خلافت کے اہل نہیں تھے
انہوں نے بعض قابلِ اعتراض حرکات کیں اور ان کے گورنر ظالم و جابر
تھے۔ اسی لئے لوگوں کو ان سے شکایات پیدا ہوئیں۔ انہوں نے
ان شکایات کا ازالہ نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے
یہ ہے ابنِ سبا کو فرضی وجود قرار دینے کی اصل غرض و غایت۔
اگر اس غرض و غایت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر یہ امر چنداں
تعجب انگیز نہیں رہتا کہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین ابن سبا کو فرضی
وجود قرار دینے کے لئے اتنے مُصر کیوں ہیں۔

کوفہ میں فتنہ کا آغاز

○

کوفہ میں فتنہ کا آغاز

ولید بن عقبہ کی امارت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس وقت کوفہ میں فتنہ پرورش پا رہا تھا اس وقت اس علاقے کی گورنری پر ایک ایسا شخص فائز تھا جو اپنے عز و شرف، اپنی شجاعت، اپنی نیکی و شرافت اور اپنے تدبر و فراست کے لحاظ سے اس عہد کے ممتاز لوگوں میں سے تھا۔ ہماری مراد ولید بن عقبہ سے انہیں ۲۵ھ میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا وہ کم و بیش پانچ سال اس علاقے کے حاکم رہے اس تمام عرصے میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ان کے کردار میں کوئی خامی تھی یا عوام ان سے دل برداشتہ تھے بلکہ برعکس اس

کے کوفہ کے لوگ ان کے حسنِ خلق، انسانی ہمدردی، عوام دوستی اور حسن انتظام کے معترف تھے۔ لوگ ان سے بے حد محبت کرتے اور ان کے عدل و انصاف کے گیت گاتے تھے۔ عوام کو اجازت تھی کہ وہ جس وقت چاہیں بے دھڑک ان کے پاس چلے آئیں۔ انہوں نے اپنے مکان پر کبھی پہریدار مقرر نہیں کئے اور نہ کوئی ڈیوڑھی تعمیر کی۔ غریبوں اور خاص طور پر غلاموں کے وہ بڑے ہمدرد تھے۔ انہوں نے بیت المال سے ہر غلام کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا جو باقاعدگی سے ادا کیا جاتا تھا۔

مخالفت کا آغاز

ایسے نیک نفس اور حسن و احسان کے پیکر کے خلاف فتنہ کا ظہور یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ کوفہ میں شر پسند عنصر موجود تھا اور ولید انہیں کی سازش کا شکار ہوئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کوفہ کے کچھ اوباش لوگوں نے ڈاکہ زنی کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ ایک رات ان لوگوں نے کوفہ کے ایک شخص علی ابن الحیمیان کے گھر ڈاکہ ڈالا صاحبِ خانہ کی آنکھ کھل گئی اور وہ تلوار سونت کر ڈاکوؤں کے مقابلے پر نکل آیا۔ یہ اکیلا اور ڈاکو بہت سے آخر ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا شور سن کر پڑوسی گھروں سے نکل آئے اور انہوں نے ڈاکوؤں کو پکڑ لیا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابو شریحؓ جو علی ابن الحیمیان کے پڑوسی تھے۔ اپنے مکان کی دیوار پر سے سارا حال دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اور کچھ دوسرے لوگوں نے گواہی دی کہ ڈاکوؤں نے علی ابن الحیمیان کو قتل کیا ہے۔ ولید نے گواہیاں قلمبند کرنے کے بعد سارا واقعہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ قاتلوں کی گردنیں ماردی جائیں چنانچہ ولید نے خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل میں ان ڈاکوؤں کو دارالامارۃ کے سامنے قتل کرادیا[1]۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زہیر بن جندب ازدی۔ مورع بن ابی مورع اسدی اور شبیل بن ابی ازدی۔

ان ڈاکوؤں کا قتل ہونا ولید اور حضرت عثمانؓ دونوں کے خلاف بہت بڑے فتنے کا موجب بنا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ڈاکوؤں میں کوفہ کے کچھ بااثر لوگوں کے رشتہ دار بھی تھے۔ یہ لوگ اس واقعہ کے بعد ولید اور حضرت عثمانؓ دونوں کے دشمن ہوگئے ولید کی مخالفت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا سلوک کرتے تھے اور ان کے عہد

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۲۶

امارت میں معاشرے کے اس پس ماندہ طبقے کی حالت بہتر ہونے لگی تھی ولید کی یہ روش ان غلاموں کے آقاؤں اور شہر کے سرکردہ لوگوں کو ناگوار گذرتی تھی کیونکہ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ گورنر "حقیر" لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی اعزاز و اکرام کا سلوک کرے جیسا وہ معزز لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اس طرح ان کی اہمیت اور انفرادیت میں فرق آتا تھا لیکن ولید نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور اپنی اس روش میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

ولید کی مخالفت اور اس کے اسباب

بہرحال جن لوگوں کے رشتہ دار ڈاکہ زنی اور قتل کے جرم میں قتل کئے گئے تھے وہ ولید کے خلاف ہو گئے اور دوسرے جرائم پیشہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے ولید کو بدنام کرنے کے لئے باقاعدہ مہم چلائی اور شہر میں مشہور کیا کہ ولید شراب پیتا ہے، گانا سنتا ہے، جادوگروں کے تماشے دیکھتا ہے۔ یہاں تک الزام تراشی کی کہ شراب کی حالت میں امامت کرتا ہے اور بعض دفعہ زیادہ رکعتیں بھی پڑھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں درخواستیں بھیجیں کہ ولید کو معزول کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے

اس ناجائز مطالبے کو رد کر دیا۔ اب ان لوگوں کا جوش
اور زیادہ بڑھ گیا اور ہر وقت اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی نہ کسی طرح
ولید کو زیرِ الزام لے آئیں اس مقصد کے لئے ولید کے پیچھے جاسوس
لگا دیئے گئے۔ ایک رات ان جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ ولید
اپنے نومسلم ندیم ابوزبید الطائی کے ساتھ شراب پی رہا ہے۔ یہ سننا تھا
کہ شریروں اور اوباشوں کا ایک گروہ قصرِ امارت میں گھس گیا۔ انہیں دیکھتے ہی
ولید نے ایک طشت چارپائی کے نیچے چھپا دیا۔ اب تو ان لوگوں کو یقین ہو گیا
کہ ہو نہ ہو کچھ بات ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے جلدی سے آگے بڑھ کر
وہ طشت چارپائی کے نیچے سے گھسیٹ لیا مگر یہ دیکھ کر انہیں سخت ندامت
ہوئی کہ اس میں انگوروں کے چند خوشوں کے سوائے اور کچھ نہ تھا[1]۔

ولید کے مخالفوں میں سب سے زیادہ بااثر مالک اشتر تھا یہ کوفہ
کے سرکردہ لوگوں میں سے تھا اور کوفہ میں عربی و عجمی کے اختلافات کا جو فتنہ
پرورش پا رہا تھا اس میں سب سے زیادہ ہاتھ اسی شخص کا تھا۔ یہ بہت
دانشمند اور نہایت بہادر آدمی تھا مگر نسلی عصبیت اس میں کوٹ کوٹ کر
بھری ہوئی تھی۔ اہلِ کوفہ خصوصاً عجمیوں اور غیر قریش میں یہ خطرناک پروپگنڈہ

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۶

کرتا تھا کہ دیکھو مٹھی بھر عربوں اور ان میں سے بھی تھوڑے سے قریش نے تمہاری گردنیں پکڑ رکھی ہیں۔ حالانکہ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں جس طرح حکومت کرنے کا حق عربوں اور ان میں سے بھی خاص طور پر قریش نے حاصل کر رکھا ہے اسی طرح یہ حق غیر قریش اور غیر عرب کو بھی حاصل ہے۔ محکوم طبقہ اس کی باتوں کو بڑی توجہ سے سننے لگا اور رفتہ رفتہ اس کا ہمنوا بن گیا۔ اس سے پہلے عبداللہ بن سبا فتنے کا بیج بو گیا تھا اور مالک اشتر اور اسی قماش کے اور بہت سے لوگ اس کے دامِ فریب میں پھنس گئے تھے، ادھر ڈاکوؤں کے قتل کی وجہ سے بہت سے لوگ ولید کے مخالف ہو گئے تھے۔ غرض یہ سب عناصر یکجا ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو ولید کو کوفی گورنری سے معزول کرادیا جائے

ولید کے خلاف الزام اور برطرفی

چنانچہ چند آدمیوں کا ایک وفد مدینہ روانہ ہوا۔ اس میں مالک اشتر ابوخشہ غفاری، جندب بن عبداللہ اور مصعب بن خشامہ شامل تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکایت کی کہ ولید شراب پیتا ہے۔ اس کے اطوار ناپسندیدہ ہیں۔ ایسا شخص گورنر کے عہدے پر فائز نہیں رہ سکتا۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ کیا

نے اسے اپنی آنکھوں سے شراب پیتے دیکھا۔ وفد نے کہا کہ ہم نے اسے شراب پیتے تو نہیں دیکھا البتہ شراب کی قے کرتے ضرور دیکھا اور اس کے شراب پینے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ نشہ میں اس قدر مخمور تھا کہ جب ہم نے اس کے کمرے میں جا کر اس کی انگلی سے انگوٹھی اتاری تو اسے مطلق خبر نہ ہوئی۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کردی ۔۔ مورخین کا بیان ہے کہ ولید نے ہرگز شراب نہیں پی تھی. بات یوں ہوئی کہ ایک روز وہ اپنی مردانہ نشست گاہ میں سو گیا اور ان لوگوں نے جو اس کے خلاف بہتان طرازی میں مصروف تھے موقع پا کر آہستہ سے اس کی انگلی میں سے انگوٹھی اتار لی۔ یہ وہ انگوٹھی تھی جو ان لوگوں نے ایک افسانہ گھڑ کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کردی۔ بہرحال ولید کو مدینہ طلب کیا گیا۔ انہوں نے اس الزام کی تردید کی مگر چار گواہ موجود تھے اور قرائن ایسے تھے جن کے ہوتے ہوئے ولید سزا سے نہیں بچ سکتے تھے ــــــ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے انہیں شراب خوری کے جرم میں شرعی سزا دی اور ان کے کوڑے لگائے گئے، اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے ولید کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ خود حضرت عثمانؓ کو بھی ولید کی مے خوری کا یقین نہیں تھا

اور وہ انہیں اس الزام سے بری سمجھتے تھے مگر قرائنِ ظاہری اور گواہوں کی موجودگی میں وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

یقیم الحدود ویبوء شاھد الزور بالنار یا اخی[۱]:۔

اے میرے بھائی، ہم (مجبوراً) حدِ شرعی جاری کر رہے ہیں لیکن جن لوگوں نے جھوٹی شہادت دی ہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سعید بن العاص کا تقرر

ولید کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے اور ان کی بجائے سعید بن العاص مقرر کر دیئے گئے۔ یہ بھی ولید کی طرح بہت شریف النفس بہت بہادر، نہایت مدبر اور بہت بڑے فاتح تھے۔ طبرستان، خراسان، آرمینیہ اور جرجان کو فتح کر کے سلطنتِ اسلامی میں شامل کرنے کا کارنامۂ عظیم انہیں کی شمشیرِ آبدار کا ادنیٰ کرشمہ[۲] ہے لیکن کوفہ کے شرپسندوں نے ان کے خلاف بھی فتنہ آرائی کی اور انہیں بھی ان کے عہدے پر قائم نہ رہنے دیا یہ مزید ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ہرگز بدکردار نہ تھے اور نہ ولید پر شراب خوری کا الزام درست تھا بلکہ فتنہ پردازوں کا ایک

۱؎ تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۲۳ ۲؎ الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۸۴

روہ انہیں بدنام کرنے کی غرض سے ایک منظم مہم چلا رہا تھا۔ بہرحال کوفہ پہنچکر سعید بن العاص نے حالات کا بہت گہری نظر سے جائزہ لیا انہوں نے سب سے پہلے ولید کے اس طریق کار میں تبدیلی کی جس کے تحت گورنر کی مجلس میں ہر وقت ہر شخص آسکتا تھا کیونکہ اس طرح شریف، بدمعاش، نیک اور بد ہر قماش کے لوگ مجلس میں جمع رہتے تھے اور بعض وقت بدمزگیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس طرح حکومت کا رعب لوگوں کے دلوں سے اٹھ جاتا تھا۔ انہوں نے شرفائے شہر اور نیک لوگوں کو اپنی مجلس میں جگہ دی۔ انہیں ہر روز بلاتے اور دیر تک ان کے ساتھ مختلف معاملات پر گفتگو کرتے۔ البتہ ہفتے میں ایک روز ہر شخص کو ان کے پاس آنے اور گفتگو کرنے کی اجازت تھی۔ سعید کے اس طریق کار کو اکابر کوفہ نے بہت پسند کیا۔ عوام بھی کچھ لوگوں کے سوائے ابتدا میں ان کے ساتھ محبت و اطاعت کا سلوک کرتے رہے لیکن جلد ہی فتنہ نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس دوران میں سعید کوفہ کے سیاسی حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک یادداشت مرتب کی اور ایک قاصد کے ہاتھ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دی۔ اس یادداشت کے مطالعے سے کوفہ کے سیاسی و سماجی حالات اور اس خطرناک انقلاب کا پتہ چلتا ہے جو

اہل کوفہ کے ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا۔ سعید نے اپنی یادداشت میں لکھا تھا کہ :۔

"کوفہ میں صحابہ کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے جو صحابہ باقی رہ گئے ہیں یہاں کی فضا میں عرصۂ دراز تک رہنے کی وجہ سے ان میں کمزوری پیدا ہو چکی ہے۔ یہاں کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ دیہات کے عرب اور جہاد سے کامیاب و کامران ہو کر آنے والے سپاہی بھی بڑی تعداد میں یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ غلام اور لونڈیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ ان لونڈیوں اور غلاموں سے جو نئی نسل پیدا ہو رہی ہے اس کا کوفہ کی سماجی زندگی پر گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ عجمیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ اور دیہات کے عربوں کا یہاں آکر آباد ہونا نئے نئے مسئلے پیدا کر رہا ہے کیونکہ اس طرح پچھلے لوگوں کے لئے میدان تنگ ہو رہا ہے اور وہ اقتدار سے محروم ہو رہے ہیں۔ نئے لوگوں میں علم کم اور جہالت زیادہ ہے ان میں نرمی اور متانت کی بجائے سختی و شقاوت پائی جاتی ہے۔ یہاں دو مختلف تہذیبیں ایک دوسرے سے مل رہی ہیں۔ دیہاتی عرب نسلی تعصب اور آبائی جہالت ساتھ لے کر آئے ہیں اور ایران کے قیدی اپنی خاص تہذیب و تمدن کے ہمراہ اقامت گزین ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ وہ نقائص

ر کمزوریاں بھی ان میں موجود ہیں جو انحطاط پذیر تہذیب کا خاصہ ہیں۔ ان
ی ناکامی اور غلامی کی زندگی نے انہیں اپنے ماضی کو حسرت سے
یکنے اور مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ اپنے
قاؤں سے ڈرتے ہیں اور ان سے نفرت بھی کرتے ہیں۔ ان حالات نے
ن میں مکر و فریب کی عادت پیدا کر دی ہے۔

یہ ہیں کوفہ کے آقا اور غلام جن کی سیرت اور اخلاق کے زیر سایہ۔ وہ
ئی پود ابھر رہی ہے جو خود بھی مصیبتوں میں پھنسی ہوئی ہے اور دوسروں
کو بھی مصائب میں مبتلا کر رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امورِ مملکت میں
سخت الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جب ایک الجھن کو حل کیا جائے تو دوسری
سر اٹھا لیتی ہے[1]"

سعید کی اس یادداشت کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ
نے سعید کو لکھا کہ " امکان بھر حالات کو روبہ اصلاح کرنے کی کوشش
کرو جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں اور جن
کے ذریعے ان علاقوں پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہے انہیں اپنا مقرب
بناؤ اور ان سے مشورہ لیتے رہو۔ ان کی عزت و احترام میں کمی نہ کرو۔ باقی

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ حصہ اوّل ص ۱۰۳-۱۰۲

لوگوں کو ان کے نیچے رکھو۔ لیکن جو لوگ دین کے معاملے میں غفلت دکھائیں اور جن سے حدود کے قیام میں کمزوری ظاہر ہو انہیں ترک کرکے ان لوگوں کو آگے لاؤ جو دینی معاملات میں فرض شناسی کا ثبوت دیں خواہ وہ کسی مرتبے کے ہوں اور کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہر شخص سے اس کے مرتبے کے مطابق سلوک کرو اور از روئے انصاف اس کا حق ادا کرو۔ یاد رکھو عدل و انصاف کے تقاضے اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں۔ جب لوگوں کے مراتب کو پیشِ نظر رکھا جائے۔"

سعید نے حضرت عثمانؓ کی اس ہدایت کے مطابق عمل کیا اور ہر شخص سے اس کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق سلوک کرنے لگے۔ کچھ عرصے تک تو ان کے خلاف کوئی ہنگامہ برپا نہ ہوا مگر رفتہ رفتہ کوفہ کے بعض اکابر اور عوام الناس کا ایک طبقہ بھی ان کے خلاف ہو گیا۔ اس مخالفت کی ایک بڑی وجہ ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کے طرزِ عمل کا وہ فرق ہے جسے اہل کوفہ نے بری طرح محسوس کیا۔ ولید جب تک کوفہ کے گورنر رہے انہوں نے اپنے مکان پر نہ کوئی پہریدار مقرر کیا اور نہ ڈیوڑھی تعمیر کی بلکہ ہر اور کیا خواص ہر شخص کو اجازت تھی کہ جب چاہے ان کے پاس چلا جائے وہ عوام میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ حاکم و محکوم کا فرق باقی نہ رہا تھا۔ ان کی یہ روش کوفہ کے عوام کو بہت پسند تھی مگر یہ خلا ملا انہیں

بہت مہنگا پڑا اور وہ نہ صرف کوفہ کی گورنری سے محروم ہوئے بلکہ شراب خوری کے جھوٹے الزام سے متہم ہو کر سزا بھی پائی۔ سعید بن العاص اپنے پیش رو کا حشر دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا اور وہ سوراخ ہی بند کر دیا جس سے پانی رستا تھا۔ وہ یہ سوچنے میں حق بجانب تھے کہ ولید کو عوام میں حد سے زیادہ گھلنے ملنے اور ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہ لگانے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ انہوں نے ازراہِ احتیاط اپنے دروازے پر دربان مقرر کر دیا اور اپنی مجلس میں عوام الناس کا آنا جانا بند کر دیا۔ خواص میں سے بھی صرف انہیں لوگوں سے راہ و رسم بڑھائی جو اپنی نیکی، شرافتِ نفس اور عقل و علم کے لحاظ سے اس کے اہل تھے تاکہ وہ کسی فتنے کا شکار نہ ہو جائیں مگر ان کی یہ روش اہل کوفہ کو ناگوار گذری کیونکہ وہ ولید کے زمانے میں جس سلوک اور طرزِ عمل کے عادی تھے اب اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کیا گیا تھا۔ ولید کے زمانے میں جن لوگوں کو اس کا قرب حاصل تھا سعید نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قابل التفات نہ سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سعید سے دل برداشتہ ہو گئے اور ان کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اسی طرح جب عوام الناس پر قصرِ حکومت کے دروازے بند ہو گئے اور سوائے خاص ضرورت

کے گورنر کی مجلس میں شریک ہونا ممنوع قرار دیدیا گیا تو ان میں بھی سعید کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی۔

مالک اشتر کی سرکشی

اسی دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا جس نے اس فتنے کو اور ہوا دی۔ ہوا یوں کہ ایک روز سعید کی مجلس میں عرب کی تاریخ اور عربوں کی فطری خصوصیات کا ذکر ہو رہا تھا گفتگو کے دوران سخاوت کا ذکر چل نکلا۔ ایک شریک محفل نے جن کا نام حبیش تھا کہا کہ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کی سی سخاوت شاید ہی کسی میں ہو۔ اس پر سعید بولے کہ وہ صاحب ثروت آدمی ہیں اس لئے سخاوت کرتے ہیں اگر میرے پاس دولت ہو تو میں بھی سخاوت کروں۔ یہ سن کر عبد الرحمٰن بن حبیش نے کہا کہ فرات کے کنارے جو باغات اور کھیت ہیں کیا اچھا ہو کہ وہ آپ کے تصرف میں آجائیں۔ اس پر مالک اشتر اور کچھ دوسرے لوگ بگڑ گئے اور انہوں نے عبد الرحمٰن سے کہا کہ وہ علاقہ جو ہم نے اپنی تلواروں کے زور سے فتح کیا تم ایک شخص کے حوالے کرنا چاہتے ہو ضرور اس میں کسی کا اشارہ ہے اس پہ بات بڑھ گئی اور بعض لوگوں نے عبد الرحمٰن پر حملہ دیا۔ ان کے

والد حبیشؓ ان کی مدد کے لئے بڑھے تو ان لوگوں نے انہیں بھی مارا۔ باوجودیکہ سعید نے بہت روکا مگر حملہ آوروں نے ان کی بھی پروا نہ کی جب شوروغل کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ سعید کی محفل میں فساد ہوگیا ہے تو وہ تلواریں لے کر آگئے تاکہ سعید کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے مگر سعید نے پھر بھی شرافت اور نرمی سے کام لیا اور جو لوگ ان کی امداد کے لئے آئے تھے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے تھے میں نے بیچ بچاؤ کرا دیا ہے۔ آپ لوگ جائیں۔ ہمارے خیال میں سعید کی یہ نرمی بے موقع تھی۔ گورنر کی موجودگی میں لوگوں کا قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اور ایک معمولی سی بات پر ایک بے گناہ شخص کو زدوکوب کرنا، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بوڑھے باپ کو بھی مارنا۔ یہ کھلی ہوئی قانون شکنی اور قابلِ گرفت جرم تھا۔ سعید کی اس بے موقع نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرپسند لوگ دلیر ہو گئے اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ فتنہ آرائی شروع کر دی۔

یہ واقعہ ایسا نہ تھا جو پوشیدہ رہتا۔ رفتہ رفتہ کوفہ کے شرفا تک اس کی خبر پہنچ گئی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لکھا کہ ہمیں ان

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۶۵

لوگوں کے شر سے بچایا جائے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس واقعے کے بعد مالک اشتر اور اس کے ساتھیوں نے سعید اور حضرت عثمانؓ کے خلاف عوام الناس کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ جب ان کی شرارت کی وجہ سے فتنہ پیدا ہونے لگا تو سعید نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لکھا کہ مالک اشتر، ثابت بن قیس، ابن الکوا اور صعصعہ وغیرہم دس افراد شرارت پر آمادہ ہیں۔ یہ لوگ میرے اور آپ کے خلاف الزام تراشی کرتے اور عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے یہی روش جاری رکھی تو اندیشہ ہے کہ یہ لوگ ایک بہت بڑی پارٹی بنالیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے سعید کی رپوٹ پڑھ کر لکھا کہ ان لوگوں کو معاویہؓ حاکمِ شام کے پاس بھیج دو۔[له]

گروہِ مفسدین اور حضرت معاویہؓ

سعید نے حضرت عثمانؓ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کو شام بھیج دیا۔ حاکم شام حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے فطری حلم و بردباری کی وجہ سے ابتدا میں ان لوگوں سے نہایت اعزاز و اکرام کا سلوک کیا

له تاریخ طبری جلد سوم ص۳۶۵

ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ دونوں وقت اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ ان کے ساتھ نہایت تلطف آمیز گفتگو کرتے تاکہ یہ لوگ اپنا طرزِ عمل تبدیل کر لیں اور راہِ راست پر آجائیں مگر ان کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ کیونکہ یہ لوگ ابن سبا کے ایجنٹ تھے اور کوفہ کے دوران قیام میں وہ انہیں جو سبق دیے گیا تھا وہ ہر وقت ان کے ذہن میں تازہ رہتا تھا۔ ان کا ایک خاص مقصد تھا جسے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی مہم کا آغاز کیا تھا۔ اس صورت میں حضرت معاویہؓ کا حسنِ سلوک، یا ان کی نصیحت ان پر کیا کارگر ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ان لوگوں کے ساتھ جس قدر لطف و عنایت کا سلوک کرتے اور جتنی نرمی سے پیش آتے یہ اسی قدر سختی اور شرارت کا مظاہرہ کرتے چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں حضرت معاویہؓ سے ان لوگوں کی ایک ملاقات کا حال قلمبند کیا ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کس قدر سرکش اور فسادی تھے۔ طبری لکھتا ہے ایک روز حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ اپنے معاملے میں اچھی طرح سوچو اور وہ کام کرو جس سے تمہیں بھی فائدہ ہو۔ تمہارے اہل و عیال اور خاندان کے لوگوں کو بھی اور عام مسلمانوں کو بھی۔ یہ سن کر اس جماعت کے ایک رکن صعصعہ

نے کہا کہ تم ہمیں اس قسم کی نصیحت کرنے کے اہل نہیں ہو اور نہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہے جس کی وجہ سے ہم گناہ کی باتوں میں تمہاری پیروی کریں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں کب گناہ کی باتوں میں اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے میں تو تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو تا کہ منتشر نہ ہو جاؤ۔ اس پر اس فسادی جماعت کے بعض لوگوں نے کہا کہ تم اختلاف و انتشار کی تاکید کرتے ہو اور ایسے حکم دیتے ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو میں اللہ تعالےٰ سے توبہ کرتا ہوں مگر اس وقت تو میں تم لوگوں کو جو ہدایت کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اس کی اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرو۔ جماعت سے علیحدگی اور اختلافِ امت سے بچو۔ اپنے حاکموں کا احترام کرو اور ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو ہاں اگر ان میں کوئی خامی دیکھو تو اس سے انہیں آگاہ کرو مگر نرمی کے ساتھ ۔ اس پر صعصعہ نے کہا کہ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنے عہدے سے الگ ہو جاؤ۔ تمہارے سوائے ملت اسلامیہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو تم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے

فرمایا کہ مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہے کہ میں نے شروع میں اسلام قبول کیا اور ممکن ہے جس شخص کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو وہ مجھ سے بھی پہلے اسلام لاچکا ہو۔ جہاں تک اس عہدے سے الگ ہونے کا سوال ہے تو میں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی وجہ سے اس عہدے سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ البتہ اگر امیر المومنین یا مسلمانوں کی جماعت مجھے حکم دے تو میں فی الفور اپنے عہدے سے علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ اگر اس قسم کے معاملات کا فیصلہ تمہاری رائے اور مشورے سے ہونے لگے تو مسلمانوں کا نظام حکومت ایک دن بھی قائم نہ رہے۔ یہ دین اللہ کا ہے اور وہی اس کو قائم رکھے گا اور مسلمانوں کے معاملات میں پیش آنے والی دشواریوں کو اپنی تدبیر سے حل فرمائے گا۔ میں تمہیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ شر انگیزی سے بچو اور خیر کی باتیں کرو۔ یہ سن کر جماعت مفسدین چیخ پڑی کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم تمہیں اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شیطان کے پیچھے چل رہے ہو اور وہ تمہیں بہکا رہا ہے۔ یاد رکھو تم بہت ذلیل ہو گے۔ یہ سن کر شر پسندوں کا یہ گروہ حضرت معاویہؓ پر جھپٹ پڑا اور ان کی داڑھی پکڑ لی۔ حضرت معاویہؓ نے پھر بھی بڑے تحمل سے کام لیا اور فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو اور یاد رکھو کہ یہ کوفہ نہیں بلکہ شام ہے۔ اگر

یہاں کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ تم نے یہ حرکت کی ہے تو سعید بن العاص کی طرح وہ میرے منع کرنے کے باوجود باز نہیں رہیں گے بلکہ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے[1]

یہ کہہ کر حضرت معاویہؓ ان لوگوں کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ "آپ نے میرے پاس ان لوگوں کو بھیجا ہے جن کی زبان شیطان کی زبان ہے۔ وہ بظاہر قرآن کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد لوگوں کو اسلام کے متعلق شکوک میں مبتلا کرنا ہے۔ ان کے عزائم کی حقیقت تک پہنچنا ہر آدمی کے لئے مشکل ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کو اپنے اوپر ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں انقباض ہے۔ ان پر شیطان کا جادو چل چکا ہے۔ اس سے پہلے یہ اہلِ کوفہ کو گمراہ کر چکے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ لوگ شام میں رہے تو یہاں کے لوگوں کو بھی فتنہ میں مبتلا کر دیں گے اس لئے آپ انہیں کوفہ بھجوا دیجئے[2]

حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کا خط پڑھ کر انہیں لکھا کہ ان لوگوں کو سعید کے پاس روانہ کر دو۔ چنانچہ مفسدین کی یہ جماعت پھر کوفہ آ گئی۔ مگر

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۶۶ [2] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۶۷

یہاں پہنچ کر انہوں نے پھر وہی روش اختیار کر لی۔ آخر سعید بن العاص نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پھر ان کی شکایت کی۔ اس بار حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو حمص کے گورنر عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے پاس بھیج دو۔

گروہ مفسدین اور عبدالرحمٰن بن خالدؓ

عبدالرحمٰن تاریخ اسلام کے مشہور جرنیل حضرت خالدؓ بن ولید کے بیٹے اور انہیں کی طرح نہایت بہادر، منتظم اور سخت گیر حاکم تھے۔ جب یہ لوگ ان کے پاس پہنچے تو پہلے تو انہوں نے انہیں منہ ہی نہیں لگایا چند روز کے بعد انہیں بلایا اور اپنے سامنے کھڑا رکھا مگر ان میں سے کسی سے کوئی بات نہ کی۔ بہت دن تک یہ لوگ اسی طرح اس کے پاس جاتے اور کتنی کتنی دیر چپ چاپ کھڑے رہتے اور پھر واپس چلے آتے جب کچھ دن اسی طرح گذر گئے تو ایک روز عبدالرحمٰن نے انہیں مخاطب کیا اور کہا کہ۔

"اے شیطان کے چیلو! خدا عبدالرحمٰن کو ہلاک کرے اگر وہ تمہیں سیدھا نہ کر دے۔ شیطان جب اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے یہ فرض تمہارے سپرد کر دیا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس نے مرتدوں کو خاک میں ملا دیا

اور بڑی مشکل مہمات کو بآسانی سر کر گیا۔ جس طرح تم معاویہ اور سعید کے ساتھ گستاخی سے پیش آتے تھے میں دیکھوں گا کہ میرے ساتھ کس طرح گستاخی کرتے ہو۔"

اس کے بعد عبدالرحمن نے حکم دیا کہ انہیں قید کر دو۔ چند ماہ کے بعد انہیں باہر نکلوایا اور اپنی نگرانی میں رکھا۔ جب سفر پہ جاتا تو خود گھوڑے پہ سوار ہوتا اور انہیں میلوں پیدل چلاتا۔ چند روز کے بعد جن ان سب کے دماغوں سے نکل گیا اور گڑگڑا گڑگڑا کر اس سے معافی مانگنے لگے۔ جب عبدالرحمن نے دیکھا کہ اب انہیں کافی سزا مل چکی ہے اور بظاہر یہ راہ راست پہ آگئے ہیں تو اس نے انہیں معاف کر دیا اور کہا کہ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ خداوند تعالےٰ تم پہ رحم فرمائے اور تمہاری توبہ قبول فرمائے۔ اس کے بعد انہوں نے اس گروہ کے سردار مالک اشتر کو حکم دیا کہ تم مدینہ جاؤ اور حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنی توبہ اور ندامت کا اقرار کرو۔ چنانچہ مالک حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ حضرت عثمانؓ نے کمال محبت و شفقت اور رحم دلی سے کام لے کر اسے معاف کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تم لوگوں پر سلامتی نازل فرمائے۔ اس کے بعد اسے اجازت دے دی کہ تم لوگ جہاں چاہو رہو اب تمہیں پوری آزادی ہے۔ مالک نے عرض کیا کہ ہم لوگ حمص ہی میں رہنا چاہتے

ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو حمص میں رہنے کی اجازت دے دیؔ۔ چنانچہ مالک اشتر مدینہ سے واپس آکر عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے پاس مقیم ہوگیا۔ اور اس کی جماعت کے باقی ارکان بھی وہیں رہ پڑے۔

ؔ تاریخ طبری جلد سوم ص۳۶۶

بصرہ میں اختلاف

بصرہ میں اختلاف

عبداللہ بن سبا کوفہ کی طرح بصرہ میں بھی فتنے کا بیج بو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ وہ یہاں آکر ایک مشہور ڈاکو حکیم ابن جبلہ کے گھر اترا اور اس کی وساطت سے شہر کے جرائم پیشہ اور اوباش لوگوں سے ملاقات کی اور ان کی ایک جماعت بنا کر حکیم بن جبلہ کو ان کا لیڈر مقرر کر دیا۔ یہ حکیم بن جبلہ آگے بڑھ کر بہت بڑے فتنے کا باعث بنا اس کے علاوہ یہاں اختلاف کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی معزولی

حضرت عمرؓ کے زمانے میں بصرہ کے حاکم مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانے میں بھی وہ اپنے عہدے پر برقرار رہے

حضرت ابوموسیٰؓ یمنی تھے مگر بصرہ میں مضریوں کی اکثریت تھی یمنیوں اور مضریوں میں جو نسلی کشمکش تھی وہ تاریخ کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ان کی ہیبت و جلال کی وجہ سے اس قسم کے فتنے سر نہ اٹھا سکے مگر ان کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہیں نرم مزاج اور رحم دل سمجھ کر بعض لوگوں نے شرارت پر کمر باندھی۔ انہیں میں سے بصرہ کے بہت سے مضری بھی تھے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ مضریوں کا سردار غیلان بن خرشہ خاص طور پر حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کا مخالف تھا۔ اس کی مخالفت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود بصرہ کی گورنری کا آرزو مند تھا۔ چنانچہ یہ بصرہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ گیا اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی لڑکا ہے جسے جوان کر کے آپ بصرہ کا گورنر بنا دیں؟ اس بوڑھے کو آپ کب تک ہم پر مسلط رکھیں گے؟ آپؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کسے چاہتے ہو؟ اس پر غیلان تو خاموش ہو گیا۔ اس کی جماعت کے لوگوں نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم غیلان کو چاہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے غیلان کو تو گورنر نہیں بنایا البتہ عبداللہ بن عامر کو جو بڑا بہادر اور مدبر نوجوان تھا بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا[1]۔ گو اس تقرر سے

---

[1] شمس التواریخ صفحہ ۲۱۲

وقتی طور پر فتنہ دب گیا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آگے چل کر یہاں کے لوگ بھی باغیوں کے ساتھ شریک ہوکر مدینہ گئے اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ان لوگوں کو اپنے گورنروں سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ ان کا مقصد صرف فتنہ برپا کرنا تھا اور حکیم ابن جبلہ ان فتنہ پردازوں کا سردار تھا۔ ایک اور واقعے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بصرہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اچھے اخلاق و کردار کے مالک نہ تھے اور شب و روز فتنہ آرائی میں مصروف رہتے تھے۔

عامر بن عبد قیس کے خلاف الزام تراشی

تاریخ میں آتا ہے کہ مدینہ کے ایک شخص حمران بن امان نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر لیا جس کی عدت کے دن ابھی پورے نہ ہوئے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے یہ نکاح فسخ کرا دیا اور حمران کو بطور سزا مدینہ سے جلا وطن کر دیا حمران بصرہ چلا گیا۔ اب ہم وہ واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حمران کے مزاج میں شرارت کا مادہ ضرور تھا۔ بصرہ میں ایک شخص تھے جن کا نام عامر بن عبد قیس تھا۔ یہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے اور دنیا اور اس کی دلچسپیوں سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ ایک روز

گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر اپنے رفقاء کے ساتھ ان کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ حمران بن امان بھی ساتھ ہولیا۔ کچھ دور جاکر اس نے ابن عامر سے کہا کہ میں عامر بن عبد قیس کے پاس ذرا پہلے پہونچ کر آپ کی آمد کی اطلاع کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا حضرت عامر بن عبد قیس کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ حاکم بصرہ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لارہے ہیں۔ حضرت عامر بن عبد قیس اس وقت قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف تھے۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے حمران کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ممکن ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ حمران کی حرکات کی وجہ سے وہ اس سے کلام کرنا پسند نہ کرتے ہوں۔ بہرحال حضرت عامر کا حمران کو جواب نہ دینا اسے بہت ناگوار گذرا اور باہر نکل کر جب اس کی ملاقات حاکم بصرہ سے ہوئی تو اس نے ان کی جھوٹی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ عامر بن عبد قیس کے دل میں آپ کی بالکل عزت نہیں ہے اور نہ وہ قریش کی فضیلت کے قائل ہیں۔ حاکم بصرہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

اور حضرت عامر بن عبد قیس کے مکان میں داخل ہو گیا۔ حضرت عامر نے انہیں دیکھتے ہی قرآن شریف بند کر دیا اور گفتگو کرنے لگے۔ اثنائے گفتگو میں حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عامر بن عبد قیس سے کہا کہ آپ ہمارے مکان پر کبھی تشریف نہیں لاتے اور ہمیں اتنا وقت

نہیں ملتا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ قبل اس سے کہ حضرت عامر
بن عبد قیس کوئی جواب دیتے حمران کا ایک ساتھی بول اٹھا کہ انہیں
شرافت اور عزت بہت محبوب ہے اس لئے یہ کسی کے گھر نہیں
جاتے۔ اس پر ابن عامر نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کو کسی
شہر کا حاکم مقرر کئے دیتا ہوں تاکہ آپ کی عزت میں اور ترقی ہو۔ آپ
نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابن عامر نے ان سے پوچھا
کہ حمران کہتے ہیں کہ آپ کے نزدیک آلِ ابراہیم (قریش) کی کوئی عزت
نہیں اور آپ ان پر اپنے آپ کو فضیلت دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت
عامر بن عبد قیس نے قرآن شریف کھولا اور یہ آیت پڑھی ۔ ان اللہ
اصطفیٰ آدم و نوحًا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔
(اللہ تعالےٰ نے آدم کو اولادِ ابراہیم کو اور اولادِ عمران کو تمام عالم کے
لوگوں میں برگذیدہ کیا) یہ آیت پڑھ کر حضرت عامر نے ابن عامر اور
حمران کو بتایا کہ جو شخص قرآن کو خداوند تعالےٰ کا کلام سمجھتا ہے وہ
قریش کو معزز کیسے نہ سمجھے گا کیونکہ ان کی فضیلت اور بزرگی کی خود خداوند
تعالےٰ گواہی دے رہا ہے۔ اس کے بعد حمران اور ابن عامر دونوں لاجواب
ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس واقعے کے چند سال بعد حمران کو مدینہ آنے
کی اجازت مل گئی۔ ان کے ساتھ بصرہ کے کچھ اور لوگ بھی مدینہ چلے گئے۔

یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت عامر بن عبد قیس کے متعلق افواہیں پھیلانی شروع کیں اور مشہور کیا کہ عامر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے۔ گوشت نہیں کھاتے اور نکاح کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

حضرت عامر شام میں

جب یہ الزامات مدینہ کی گلیوں اور کوچوں میں عام ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عامر کو لکھا کہ آپ شام چلے جائیں اور معاویہؓ کے پاس رہیں۔ چنانچہ حضرت عامر خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل میں شام چلے گئے۔ جس وقت یہ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے اور دسترخوان پر گوشت موجود تھا۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے انہیں بھی کھانے میں شریک کر لیا۔ حضرت عامر نے نہایت بے تکلفی سے گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ ایک روایت کے مطابق دسترخوان پر ثرید رکھا ہوا تھا (عرب لوگ شوربے میں روٹی کے ٹکڑے توڑ کر بھگو دیتے تھے یہ ثرید کہلاتا تھا اور عربوں میں بہت مرغوب تھا) حضرت معاویہؓ نے حضرت عامر کو ثرید کھاتے دیکھ کر معلوم کر لیا کہ ان پر گوشت نہ کھانے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد ان سے پوچھا کہ لوگ آپ پر جو

الزامات لگتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت عامر نے جواب دیا کہ مجھ پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں میں ان سے بری ہوں۔ میں جمعہ کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں مگر سب سے آخر میں جاتا ہوں اور فرض ختم ہوتے ہی گھر آجاتا ہوں۔ اب فرمائیے اس میں کیا عیب ہے میرے بارے میں نکاح نہ کرنے کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ بھی غلط ہے نہ میرا یہ عقیدہ ہے اور نہ قول ہے۔ جن دنوں میں میں بصرہ میں تھا ان دنوں ایک پیغام میرے پاس آیا تھا۔ اگر میں وہاں سے آپ کے پاس نہ چلا آتا تو کیا عجب ہے کہ شادی کر لیتا ہے۔ رہ گیا گوشت نہ کھانے کا معاملہ تو وہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ البتہ عام قصابوں کے ہاتھ کا ذبیحہ میں نہیں کھاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روز میں نے ایک قصائی کو دیکھا کہ وہ بکری کو بری طرح کھینچتا ہوا مذبح کو لئے جا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بکری کو پچھاڑا اور ایک کند سی چھری لے کر اس طرح اس کے گلے پر رگڑنے لگا جیسے کوئی ریتی سے لوہے کو رگڑتا ہے۔ اور بجائے اللہ اکبر کہنے کے معلوم نہیں کیا اول فول بک رہا تھا۔ اب فرمائیے ایسا ذبیحہ شرعاً درست ہے؟ جس دن سے میں نے یہ منظر دیکھا۔ اس روز سے میری طبیعت گوشت سے متنفر ہو گئی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں گوشت کھانا حرام سمجھتا ہوں۔

اگر مجھے یقین ہو جائے کہ کسی جگہ ایسا گوشت پکا ہے جو شریعت کے مطابق ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے تو میں اس کے کھانے سے قطعاً پرہیز نہیں کرتا۔

حضرت عامر کا شام میں مستقل قیام

حضرت عامر کی یہ تقریر اتنی مدلل اور معقول تھی کہ حضرت معاویہؓ بے حد متاثر ہوئے اور انہیں نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے پاس رکھا اور کچھ دن کے بعد ان سے کہا کہ اگر آپ بصرہ جانا چاہیں تو بڑے شوق سے تشریف لے جائیں۔ حضرت عامر نے فرمایا کہ اب میں ایسے شہر میں ہرگز نہ جاؤں گا جہاں کے رہنے والوں نے میری آبرو ریزی کی اور میری عزت خاک میں ملا دی۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں شام میں رہنے کی اجازت دے دی۔ وہ آخر وقت تک شام ہی میں رہے۔ حضرت معاویہؓ ان سے اکثر ملتے اور پوچھتے کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمائیں مگر حضرت عامر ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک روز حضرت معاویہؓ نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ کوئی ضرورت ہو تو بیان کیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ کے ملک میں روزہ کا لطف نہیں آتا اگر ہو سکے تو بصرہ کی تھوڑی

سی گرمی منگوا دیجئے[1] حضرت معاویہؓ ان کے جواب سے بے حد محظوظ ہوئے۔

واقعات کا خلاصہ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے نیک نفس اور بزرگ صحابی کی اہلِ بصرہ کی شکایت پر برطرفی اور حضرت عامر بن عبد قیس جیسے عابد و زاہد کے متعلق الزام تراشی کے واقعات یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ کوفہ کی طرح بصرہ بھی فتنے کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ نسلی عصبیت اور بعض غیر قریش کی جاہ طلبی نے صورتِ حال کو خراب کر دیا تھا۔ عبداللہ بن سبا ان حالات سے پوری طرح فائدہ اٹھانے میں مصروف تھا اور ایسے لوگوں کو ایک جماعت کی صورت میں منظم کر رہا تھا جنکی ایمانی حالت ناقص تھی اور جن میں نسلی عصبیت جڑ پکڑ چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بصرہ کے شر پسند نیک نفس اور پاک سرشت لوگوں کے خلاف بھی الزام تراشی کی مہم چلا رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے جب بصرہ سے مدینہ جا کر رہائش اختیار کی تو اس مہم کو وہاں بھی جاری رکھا اور حضرت عامر بن عبد قیس جیسے عابد شب زندہ دار اور تارک الدنیا کو بھی اپنے اتہامات کا نشانہ بنایا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان لوگوں کی ان حرکات سے بے خبر نہیں تھے اور جانتے تھے کہ حضرت عامر کیلئے بصرہ میں رہنا مشکل ہو جائیگا۔ اسی لئے آپ نے انہیں شام بھیجدیا کیونکہ حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ حضرت معاویہؓ

[1] شمس التواریخ صہ ۳۵۹

نہایت ذہین آدمی ہیں وہ حضرت عامر سے گفتگو کرکے اندازہ کرلیں گے کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے جا رہے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ اس طرح حضرت عامرؓ مفسدوں کے طعن و تشنیع سے بھی محفوظ ہو جائیں گے اور حضرت معاویہؓ ان کے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام کا سلوک کریں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کا اندازہ درست نکلا حضرت معاویہؓ نے ان سے اتنی محبت و شفقت کا سلوک کیا کہ جب حضرت عامر کو بصرہ واپس جانے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور ساری عمر انہیں کے زیر سایہ گذار دی۔

غرض ان واقعات سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ بصرہ کے لوگوں نے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف ہنگامہ کیا۔ پھر حضرت عامر کے خلاف الزام تراشی کی مہم چلائی اور اس کے بعد عبداللہؓ بن عامر سے بھی مطمئن نہ ہوئے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ شرارت پر آمادہ تھے اور گورنروں کے خلاف شکایت محض ایک بہانہ تھا۔

اصلاح احوال کی کوشش

اصلاحِ احوال کی کوشش

جیساکہ ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا عالم اسلامی کا دورہ کر کے مصر چلا گیا اور فسطاط کو اپنا مرکز بنا کر وہاں مقیم ہو گیا۔ مصر میں بیٹھ کر اس نے کوفہ اور بصرہ کے ان لوگوں کو جو اس کی جماعت میں شریک ہو چکے تھے خطوط لکھے اور انہیں ہدایت کی وہ اپنے ہم خیالوں کی تعداد میں اضافہ کریں اور ان سے روابط قائم کریں۔ اسکے علاوہ اس نے اپنے متبعین کو ہدایت کی کہ اپنے علاقے کے گورنر کے خلاف جھوٹی شکایتیں دوسرے صوبوں کے لوگوں کو لکھو۔ ابن سبا بڑا چالاک آدمی تھا اور یہ امر بھی اس کی ذہانت اور چالاکی پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے گورنروں کے خلاف پروپگنڈہ کرنے کے لئے ایسا موثر طریقہ اختیار کیا جو ہر شخص کے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ اس نے سوچا اگر کوفہ کے

لوگ کوفہ والوں کے سامنے ان کے گورنر کے خلاف جھوٹی شکایتیں بیان کریں گے تو وہ ان پر یقین نہ کریں گے کیونکہ یہ شکایتیں واقعات کے خلاف ہوں گی لیکن اگر کوفہ والے بصرہ یا مصر کے لوگوں کو یہ لکھیں گے کہ ہمارے گورنر ایسے ایسے مظالم کر رہے ہیں تو وہ بآسانی اس پروپیگنڈہ کا شکار ہوجائیں گے کیونکہ جس گورنر کی شکایتیں کی جائیں گی دوسرے صوبوں کے لوگ اس گورنر کے حالات اور طرز عمل سے بے خبر ہوں گے۔ اس کی یہ چال نہایت کامیاب رہی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر صوبے کے لوگوں میں دوسرے صوبوں کے گورنر کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہونے لگے۔

تحقیقاتی کمیشن کا تقرر

جب یہ خطوط مدینہ پہنچے اور وہاں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو بعض لوگ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہمیں اس مضمون کے خطوط ملے ہیں۔ آپ نے خط دیکھ کر صحابہ کو بلایا اور فرمایا کہ آپ لوگ میرے مشیر ہیں مجھے رائے دیں کہ اس معاملے میں کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ آپ قابلِ اعتماد اصحاب کو ملک کے مختلف صوبوں میں بھیجیں اور

انہیں ہدایت فرمائیں کہ وہ وہاں جاکر حالات کی تحقیق کریں اور پھر اپنی رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کریں حضرت عثمانؓ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور حضرت محمد بن مسلمہؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ۔ اور حضرت عمارؓ بن یاسر پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا اور ان چاروں صحابہ کو ان چار صوبوں میں تحقیقات کے لئے جانے کا حکم دیا جہاں کے گورنروں کے خلاف شکایات کی گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام، حضرت اسامہؓ بن زید کو بصرہ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر روانہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق مملکت کے باقی صوبوں کے گورنروں کے خلاف تحقیقات کے لئے بھی آپ نے بعض صحابہ کو متعین کیا۔ جن چار صوبوں کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے ان کے گورنروں کے خلاف تحقیقات کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو مقرر کیا وہ بڑے پائے کے صحابہ تھے ان کا تاریخ میں بہت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے اسلام کے لئے جو قربانیاں دی ہیں، ان سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ذاتی کردار، اپنی امانت و دیانت، بے خوفی اور حق گوئی و بیباکی کے لحاظ سے ممتاز ترین لوگوں میں سے تھے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت اسامہؓ بن زید تو وہ جلیل القدر صحابی تھے کہ ان کے متعلق یہ

گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے میں کسی کی رو رعایت کرتے یا کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتے۔ ان میں سے اول الذکر یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پایہ تو اتنا اونچا تھا کہ جنگ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر جب بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ امت میں جو اختلاف و انتشار پیدا ہو گیا ہے اس کے پیش نظر حضرت معاویہؓ کو گورنری سے اور امیر المومنین حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کر کے کسی تیسرے شخص کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے تو نگاہِ انتخاب انہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر پڑی تھی۔ اسی طرح حضرت اسامہؓ وہ عالی مرتبت صحابی تھے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کے فرزند تھے اور جنہیں حضورؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں اس لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا تھا جس میں بڑے جید صحابی شامل تھے۔ حضرت محمد مسلمہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اپنی راست گوئی اور بیباکی کے لحاظ سے کسی سے کم نہ تھے۔ پھر ان میں سے کوئی شخص نہ حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار تھا اور نہ ہم قبیلہ۔ ان لوگوں کو اس تحقیقاتی کمیشن کا رکن مقرر کرنا ثابت کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ برائے نام تحقیقات کے خواہشمند نہیں تھے بلکہ ایسی تحقیقات کرنا چاہتے تھے جو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہو اور حقیقت یہ ہے کہ اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے ان سارے الزامات کی قلعی کھل جاتی ہے

حضرت عثمانؓ کے گورنروں پر لگائے جا رہے تھے۔ اگر اس کمیشن نے یہ رپورٹ کی کہ واقعی مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں عام بے چینی پائی جاتی ہے اور عوام گورنروں کے طرزِ عمل سے شاکی ہیں گورنر رعایا پر ظلم و ستم کر رہے ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شکایت کرنے والے حق بجانب تھے لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ مختلف صوبوں میں ہر طرف امن و امان تھا۔ رعایا کو حکام سے کوئی شکایت نہ تھی۔ گورنر اپنے فرائضِ منصبی کو نہایت دیانت داری اور فرض شناسی سے ادا کر رہے تھے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شکایت کرنے والے جھوٹے تھے جن کا مقصد حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کرنے کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ آئیے دیکھیں اس تحقیقاتی کمیشن نے کیا رپورٹ کی۔

کمیشن کی رپورٹ

مؤرخ طبری اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ یہ رپورٹ تحقیقاتی کمیشن کی طرف سے مجمع عام میں پڑھ کر سنائی گئی تھی۔

"اے لوگو! ہم نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ جو ناپسندیدہ ہو۔ نہ تو خواص اور ممتاز لوگوں نے گورنروں کے خلاف

ہم سے کوئی شکایت کی نہ عام مسلمانوں نے (ہمارے روبرو) کوئی اعتراض کیا۔ تمام معاملات مسلمانوں کے حسب منشا انجام پا رہے ہیں اور (صوبوں کے) گورنر عوام کے ساتھ عدل و انصاف کر رہے ہیں اور ان کی جان و مال محفوظ ہے۔[1]

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر اپنے فرائض کو نہایت دیانتداری سے ادا کر رہے تھے اور ان کے خلاف اتہام طرازی کی جو مہم چلائی جا رہی تھی اس کے پس پردہ محض شرارت کارفرما تھی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ مدینہ سے بڑے بڑے صحابہ مختلف صوبوں میں جاتے اور پوشیدہ و ظاہر دونوں طرح تحقیقات کرتے ہر طبقے کے لوگوں سے ملتے اور انہیں معلوم نہ ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ظالم ہیں یا شرعی حدود کو پامال کر رہے ہیں۔ پھر ایک دو نہیں سارے صحابہ واپس آکر حضرت عثمانؓ کو غلط رپورٹ دیدیتے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہ تھا۔ یہاں ایک امر کی صراحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ مورخ طبری نے تحقیقاتی رپورٹ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو تحقیقات کے لئے بھیجا وہ لوگ حضرت عمار بن یاسرؓ سے پہلے مدینہ واپس آئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۷۹

رپورٹ دینے والوں میں حضرت عمار بن یاسر شامل نہیں تھے لیکن یہ الفاظ کہ یہ لوگ حضرت عمار بن یاسرؓ سے پہلے پہنچے "ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر بھی پہنچے، مگر بعد میں۔ ان کے تاخیر سے واپس آنے کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہے کہ وہ جونہی مصر پہنچے، عبداللہ بن سبا اور اس کے عیار ساتھیوں نے جن میں خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر شامل تھے۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ بڑے ذہین، طرار اور فصیح و بلیغ لوگ تھے۔ انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے سامنے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے خلاف شکایات کا ایک طومار رکھ دیا اور اپنے مدعا کو بڑے اثر انگیز الفاظ میں بیان کیا جس سے وقتی طور پر حضرت عمارؓ متاثر ہو گئے۔ اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق ان لوگوں نے ان کے سامنے ایسے لوگ گواہ کے طور پر پیش کئے جو ان کی جماعت کے رکن تھے مگر حضرت عمار بن یاسرؓ ان سے واقف نہ تھے۔ پھر مصر کا گورنر ایک زمانے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف رہ چکا تھا اور حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ اسے جہاں پاؤ قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ ہی کیوں نہ ہو ــــ گو بعد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش پر آپ نے اسے معاف فرما دیا تھا مگر اس کی گذشتہ حرکات کی وجہ سے مسلمان اسے پسند نہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس کے خلاف جو الزامات مصر کے بعض لوگوں نے لگائے حضرت عمارؓ

نے انہیں قبول کر لیا مگر کچھ عرصے کے بعد جب حضرت عمارؓ ان لوگوں کے اثر سے آزاد ہو کر مختلف لوگوں سے ملے اور حالات کی تحقیق کی تو انہیں معلوم ہوا کہ گورنر مصر کے خلاف جو الزامات لگائے جا رہے ہیں وہ درست نہیں۔ چنانچہ کافی عرصے کے بعد حضرت عمار بن یاسرؓ بھی واپس آ گئے اور انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں یہی رپورٹ پیش کی کہ گورنر مصر کے خلاف جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں[1]۔ یہی ایک صحابی اور تحقیقاتی کمیشن کے واحد رکن ہیں جن کے متعلق مورخین یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ وہ سبائیوں سے مل گئے تھے مگر ہماری تحقیق کے مطابق وہ طرار و فطین لوگوں کی اس جماعت کے اندازِ بیان سے وقتی طور پر متاثر ضرور ہو گئے تھے مگر ان سے ملے نہیں اور کچھ عرصے کے بعد جب ان پر حقیقت حال پوری طرح واضح ہو گئی تو وہ بھی اپنی تحقیقات مکمل کر کے خلیفۂ وقت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصر کے گورنر کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کی تردید کر دی۔

والیوں اور عوام کے نام خطوط

اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کے بعد حضرت عثمانؓ کو معاملہ ختم

---

[1] شمس التواریخ حصہ اول ص ۵۲۵ بحوالہ تاریخ بدایع

کر دینا چاہیئے تھا کیونکہ شر پسندوں اور مفسدوں کی شرارت آشکارا ہو چکی تھی مگر آپ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مزید احتیاط کے طور پر دو فرمان جاری کئے۔ ایک گورنروں کے نام اور دوسرا عوام الناس کے نام
گورنروں کے نام آپ نے جو فرمان بھیجا تھا اس میں لکھا کہ آپ لوگ امسال حج کے موقع پر ضرور آئیں تا کہ جو شکایات مجھ تک پہنچیں ہیں ان کے بارے میں گفتگو کی جا سکے۔ عوام کے نام جو فرمان بھیجا گیا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ:-

"مجھے اور اہلِ مدینہ کو معلوم ہوا ہے کہ بعض علاقوں کے حاکم لوگوں کو گالیاں دیتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اپنے حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ اس بار حج کے موقع پر مکہ آئے اور اپنا حق وصول کرلے[1]"

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا یہ فرمان مختلف شہروں کے لوگوں کو جمع کر کے سنایا گیا تو وہ رو پڑے۔ انہوں نے حضرت عثمان کی سلامتی کے لئے دعا کی اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب اس امت کو ابتلا پیش آنے والا ہے[2]"

---

[1] [2] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۰ - ۳۷۹

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس فرمان کو ان کی شفقت و محبت سے تعبیر کیا اور امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کا جو خیال حضرت عثمانؓ کو رہتا تھا اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا فرمان سنکر خیال کیا کہ اب یہ امت فتنہ میں مبتلا ہو گئی ہے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف ایسے الزامات لگائے جا رہے ہیں جو بے بنیاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صورت حال کا اندازہ کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ورنہ اگر یہ الزامات درست ہوتے تو وہ لوگ بہت خوش ہوتے اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ انہیں خلیفۂ وقت کے پاس جا کر دادرسی کا موقع مل رہا ہے۔ اس صورت میں یہ رونے اور امت کے حال پر آنسو بہانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

گورنروں کی کانفرنس

حضرت عثمانؓ کے فرمان کے مطابق حج کے موقع پر تمام صوبوں کے گورنر جمع ہوئے جن میں شام کے گورنر حضرت معاویہؓ۔ کوفہ کے گورنر جناب سعید بن العاص، بصرہ کے گورنر جناب عبداللہ بن عامرؓ

مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر بھی شامل تھے حضرت عثمانؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"ہر شخص کے کچھ مشیر ہوتے ہیں میرے مشیر تم لوگ ہو تم سن رہے ہو کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں ان کا مطالبہ ہے کہ تمام گورنروں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا جائے اور ایسے لوگوں کو حاکم بنایا جائے جسے یہ لوگ پسند کرتے ہیں۔ اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔

والیوں نے حضرت عثمانؓ کی تقریر سن کر کہا کہ "اے امیرالمومنین آپ نے کچھ لوگوں کو تحقیقِ حال پر مامور فرمایا تھا انہوں نے مختلف صوبوں میں جا کر حالات کا جائزہ لیا اور واپس آکر آپ کو رپورٹ دی۔ کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا کہ شکایات بالکل جھوٹی ہیں، خدا کی قسم یہ لوگ غلط بیانی کرتے ہیں۔ ان کو نیکی اور شرافت سے کوئی تعلق نہیں یہ سب ان لوگوں کی بہتان طرازی ہے۔ اس لئے آپ اس کی طرف توجہ نہ دیجئے" حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کی رائے میں اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے کیا اقدامات ہونے چاہئیں، اس پر حضرت عثمانؓ اور گورنروں کے درمیان مندرجہ ذیل مکالمہ ہوا :-

سعید بن العاص :۔ امیر المومنین! جب تک فتنے کی جڑ نہیں کاٹی جائیگی
اس وقت تک حالات روبہ اصلاح نہ ہوں گے
اس لئے آپ اس راہ کے کانٹوں کو صاف کر دیجئے
اور میرا مشورہ قبول کر لیجئے ۔

حضرت عثمانؓ :۔ تمہارا مشورہ کیا ہے ۔

سعید بن العاص :۔ امیر المومنین! ہر جماعت اس وقت تک قائم رہتی ہے
جب تک اس کا سردار اس جماعت میں موجود رہتا ہے
اگر وہ قتل کر دیا جائے تو ساری جماعت منتشر ہو جاتی
ہے۔ پس میری رائے یہ ہے کہ آپ ان فتنہ پرداز وں
کے سرغنہ افراد کو پکڑ کر قتل کرا دیجئے ۔ سارا فتنہ
ختم ہو جائے گا ۔

حضرت عثمانؓ :۔ تمہاری رائے نہایت صائب ہے مگر میں مسلمانوں
کو قتل کر کے امت میں خونریزی کا دروازہ
کھولنے والا خلیفہ بننا پسند نہیں کرتا ۔

عبداللہ بن سعد :۔ امیر المومنین! یہ لوگ حریص اور طمع کے بندے ہیں۔
بیت المال سے کچھ رقم انہیں دیدیجئے۔ ان کا منہ بند
ہو جائیگا اور یہ آپ کے ہی خواہ ہو جائیں گے ۔

حضرت معاویہؓ :- امیرالمومنین! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ گورنروں کو ان کے صوبوں میں واپس بھیجدیجئے اور ہر گورنر کو ہدایت فرمادیجئے کہ وہ اپنے صوبے میں امن وامان قائم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ شام میں امن قائم کرنے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔

عبداللہ بن عامر :- امیرالمومنین! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان مفسدوں کو کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف کر دیجئے۔ اس طرح جنگ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کے دماغ میں شرارت آمیز خیالات راہ نہ پاسکیں گے اور اپنی فکر میں مبتلا ہوجائیں گے۔

اپنے گورنروں کے مشورے سننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"آپ لوگوں کا مشورہ میں نے سن لیا۔ ہر امر اپنے دروازے میں سے نکلتا ہے۔ یہ امر بھی (اشارہ تھا فتنہ وفساد کی طرف) ایک دروازے میں بند ہے اور یہ دروازہ اس وقت تک بند رہے گا جب تک نرمی اور اتباعِ شریعت سے کام لیا جائے گا لیکن خدا کی قسم یہ دروازہ امت پر کھل کر رہے گا لیکن اس معاملے میں مجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ حجت۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے امت کی فلاح وبہبود کا ہر وقت

خیال رکھا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ خدا کی قسم فتنے کی چکی ضرور چلے گی۔ عثمانؓ کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو گی کہ اس کی جان چلی جائے مگر وہ اس چکی کو حرکت دینے والا نہ بنے۔ میں تم لوگوں کو ہدایت دیتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں کو فتنہ سے دور رکھو۔ تمہارے ذمہ ان کے جو حقوق ہیں وہ ادا کرتے رہو۔ ان سے چشم پوشی کا معاملہ کرو الاّ یہ کہ حدودِ شریعت پامال ہونے لگیں۔ اس صورت میں نرمی کا معاملہ کرو۔[1]"

حضرت عثمانؓ کی مندرجہ بالا تقریر پڑھ کر ایک ایسا سیاستدان جس کی نگاہ صرف دنیوی معاملات تک محدود ہے اعتراض کرے گا کہ انہوں نے اس فتنے کو دبانے میں کمزوری کا مظاہرہ کیا اور کسی اعلےٰ درجے کی سیاسی بصیرت کا ثبوت نہیں دیا۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ ان کے گورنروں میں سے دو گورنروں کی رائے بظاہر بڑی صائب تھی۔ ایک سعید بن العاص گورنر کوفہ اور دوسرے عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ۔ سعید کا خیال تھا کہ مفسدوں کے سرغنہ افراد کو قتل کر دیا جائے تاکہ دوسروں پر ہیبت طاری ہو جائے اور فتنہ پرداز لوگ منتشر

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۰

ہوجائیں۔ عبداللہ بن عامر کی رائے تھی کہ فتنہ پردازوں کو عام لوگوں کے ساتھ جہاد کے لئے بھیجدیا جائے تاکہ جنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کے دماغ سے شرپسندانہ خیالات نکل جائیں۔ اگر حضرت عثمانؓ ان مشوروں پرعمل کرتے تو امید تھی کہ حالات درست ہوجاتے لیکن حضرت عثمانؓ دنیا کے عام سیاست دانوں یا حکمرانوں کی طرح نہ تھے۔ وہ حاکمِ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی انسان بھی تھے۔ ان کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی روحانی بصیرت سے وہ نتائج کا اندازہ لگاچکے تھے اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ جو فتنہ اٹھا ہے یہ اب کسی کے روکے رکے گا نہیں۔ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئیاں جن میں فتنے کی خبر دی گئی تھی حضرت عثمانؓ کے پیش نظر تھیں۔ حضورؐ نے خود حضرت عثمانؓ کو جو نصائح فرمائی تھیں اور وقتاً فوقتاً اس فتنے کے بارے میں جو ارشادات فرمائے تھے وہ بھی حضرت عثمانؓ کے ذہن میں محفوظ تھے۔ ان سب امور کی وجہ سے ان کی یہ رائے اور پختہ ہوگئی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس فتنے کی خبر دی ہے وہ رونما ہوچکا ہے۔ حضورؐ کے ایک عاشقِ صادق کی حیثیت سے انہیں یقین کامل تھا کہ آپ کا ارشاد پورا ہوکر رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت فتنے کے اس درخت کو برگ و بار لانے سے نہیں روک سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسے دبانے

میں وہ سرگرمی نہیں دکھائی جس کی ایک دنیوی حاکم سے توقع کی جاتی ہے اور نہ مفسدوں کے سرغنہ افراد کو قتل کر لینے کی تجویز منظور کی کیونکہ آپ مسلمانوں میں خوں ریزی کا آغاز کرنا پسند نہ کرتے تھے خصوصاً ان حالات میں جب آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ اس خوں ریزی کے بعد بھی فتنہ ختم نہیں ہوگا اور وہ معاملہ پیش آکر رہے گا جو مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ نے سختی سے گریز کیا۔ ہاں اگر اپنی روحانی بصیرت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیوں کی وجہ سے وہ اس نتیجے پر نہ پہنچتے اور جو فتنہ رونما ہوا تھا اس کے بڑھنے کا انہیں یقین نہ ہوتا تو اسے دبانے کی وہ ہر ممکن کوشش کرتے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی انہوں نے اپنے گورنروں کو یہ ہدایت ضرور کردی کہ جب حدود شریعت پامال ہوتے دیکھو تو پھر نرمی سے کام نہ لینا اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ جب تک مفسدین تمہیں اور مجھے برا بھلا کہتے رہیں اور الزام تراشی کرتے رہیں اس وقت تک سختی نہ کرنا ہاں انہیں فتنے سے باز رکھنے کی کوشش جاری رکھنا مگر اس الزام تراشی اور زبانی مخالفت کی بنا پہ کسی کو گالی مت دینا نہ گرفتار کرنا، نہ مارنا اور نہ قتل کرنا۔ لیکن جب دیکھو کہ وہ نجی یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور ان سے تمہاری یا عوام کی جانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو پھر سختی

سے کام لینے میں تامل نہ کرنا۔

حضرت معاویہؓ کا مشورہ

گورنروں کی کانفرنس ختم ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے انہیں انکے علاقوں میں روانہ کر دیا مگر حضرت معاویہ ٹھہر گئے اور جب حضرت عثمانؓ مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ مدینہ کے دوران قیام میں بھی حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض دوسرے صحابہ اس فتنے کے انسداد کے بارے میں مشورہ کرتے رہے۔ چند روز قیام کرنے کے بعد حضرت معاویہؓ نے شام جانے کا ارادہ کیا اور جب حضرت عثمانؓ سے رخصت ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کیا کہ "امیرالمومنین فتنہ بڑھ رہا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں"۔
حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں کسی قیمت پر جوارِ رسولؐ کو نہ چھوڑوں گا خواہ میری جان جاتی رہے۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ اچھا اگر آپ کو یہ صورت منظور نہیں تو پھر میں شامی فوج کا ایک دستہ آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دیتا ہوں۔ اسکی موجودگی میں کوئی شخص آپ کو نقصان پہنچانے

کی جرات نہیں کر سکے گا۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں فوج مدینہ میں رکھ کر رسولِ خدا کے ہمسایوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے بیت المال پر اخراجات کا اتنا بارِ گراں ڈالوں گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے تیسرا مشورہ دیا کہ اگر خدانخواستہ کوئی فتنہ اٹھا تو مجھے اندیشہ ہے کہ مفسد صحابہ میں کسی نہ کسی کو آپ کے مقابلے میں لے آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ صحابہ کو مدینہ سے باہر دور دراز علاقوں میں بھیج دیجئے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو رسولِ خدا نے ایک جمع کیا مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ انہیں منتشر کر دوں۔ حضرت عثمانؓ کے اس جواب پر حضرت معاویہؓ کا دل بھر آیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے آخری تجویز یہ پیش کی کہ امیر المومنین! اگر آپ میری کوئی بات نہیں مانتے تو یہ اعلان کر دیجئے کہ خدا نہ خواستہ اگر آپ قتل کر دیئے گئے تو معاویہؓ کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوگا۔ یہ سن کر حضرت عثمان نے فرمایا کہ جو معاویہؓ جو مقدر ہو چکا ہے وہ پیش آ کر رہے گا۔ میں تمہیں یہ حق نہیں دوں گا مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح تم لوگوں پر سختی کرو گے" ۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ "امیر المومنین پھر آپ کو فریب دیا جائے گا اور آپ لوگوں کی یورش کا نشانہ بنیں گے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی :-

حسبی اللہ ونعم الوکیل[۱]۔ اس کے بعد حضرت معاویہ شام کو
روانہ ہو گئے۔

سازش کی ناکام واپسی

کوفہ کے گورنر سعید بن العاص جب گورنروں کی کانفرنس میں
شرکت کرنے کے لئے مکہ روانہ ہوئے تو ابن سبا کے کارندوں نے
میدان خالی پاکر اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ
مالک اشتر کو ایک خط بھیجا جو حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس
مقیم تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ "جس وقت تمہیں یہ خط ملے تو قبل
اس سے کہ خط کو ہاتھ سے رکھو فوراً کوفہ روانہ ہو جاؤ کیونکہ اہل کوفہ
ہمارے ساتھ پوری طرح متفق ہو گئے ہیں" — یہ خط پڑھ کر اشتر اور
ان کے ساتھیوں کے خیالات بدل گئے۔ ایک روایت میں آتا ہے
جب اشتر نے یہ خط اپنے ساتھیوں کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ
اب ہم اس فتنے میں حصہ نہیں لیں گے (کیونکہ وہ عبدالرحمٰن بن خالد
کے ہاتھ پر توبہ کر چکے تھے) لیکن اشتر نے انہیں ان کی توبہ پر قائم نہ

---

[۱] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۲

رہنے دیا اور اپنے ساتھ لے کر کوفہ کو روانہ ہو گیا۔ ادھر کوفہ میں یزید بن قیس جو ابن سبا کی جماعت کا رکن رکین تھا سخت فتنہ پھیلا رہا تھا اور اہل کوفہ کو کھلم کھلا سعید اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ سبائیوں کا خط پڑھ کر مالک اشتر کوفہ پہنچ گیا مگر اس کی جماعت کے باقی ارکان کوفہ سے باہر ٹھہر گئے۔ مالک اور اشرارِ کوفہ نے مل کر زبردست ہنگامہ بپا کیا۔ ایک روز کوفہ اور اطراف کے لوگ اشتر اور یزید کے پاس جمع ہو گئے۔ جب حضرت قعقاعؓ کو خبر ہوئی جو اس علاقے کے فوجی کمانڈر تھے تو انہوں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ جماعتِ مسلمین میں فتنہ پیدا نہ کرو۔ مالک اشتر اور یزید بن قیس نے کہا کہ ہمارا مقصد فتنہ پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنے گورنر سے کچھ شکایتیں ہیں۔ ہم مدینہ جا کر اپنی یہ شکایتیں خلیفۂ وقت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت قعقاعؓ نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اب ان لوگوں نے بصرہ کے لوگوں سے بھی خط و کتابت شروع کی اور وہاں سے بھی مفسدین کا ایک گروہ کوفہ آ گیا۔ اس کے بعد یہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوئے اور ایک شخص نے جو ایک روایت کے مطابق مالک اشتر تھا کھڑے ہو کر کہا کہ "میں مدینہ سے آیا ہوں۔ تمہارے حاکم سعید بن العاص حضرت عثمانؓ کے پاس ہیں عنقریب وہ پھر واپس آئیں گے۔ میں نے انہیں خود یہ کہتے سنا ہے کہ "کوفہ کی شریف عورتیں میری وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوں گی کیونکہ

میں ایک جوان مرد ہوں"۔ وہ تم پر بڑی سختی کریں گے وہ تمہاری سرزمین کو اپنا باغ اور سیرگاہ سمجھتے ہیں"۔ شریف اور سنجیدہ لوگوں نے مالک اشتر کو بہت روکا کہ اس قسم کی شرانگیز باتیں نہ کرو مگر اس نے ایک نہ سنی یہاں تک کہ لوگوں کو خوب مشتعل کیا۔ مسجد سے باہر نکل کر اس نے اعلان کیا کہ "یزید بن قیس کوفہ سے باہر جا کر سعید کو روکنا چاہتے ہیں تاکہ وہ شہر میں داخل نہ ہوں تم میں سے کون اس کام میں ان کا ساتھ دینا چاہتا ہے"۔ یہ اعلان سنکر مفسدوں اور غلطی خوردہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت یزید کے ساتھ ہوگئی۔ یہ لوگ کوفہ سے روانہ ہوگئے۔ قادسیہ کے قریب جرعہ کے مقام پر پہنچکر ان لوگوں کی سعید سے ملاقات ہوئی جو اپنے ایک غلام کے ساتھ کوفہ آرہے تھے۔ ان لوگوں نے جن میں مالک اشتر بھی شامل تھا سعید سے کہا کہ کوفہ کے لوگ آپ کی امارت کو پسند نہیں کرتے۔ ان کی اکثریت اس بات کی مخالف ہے کہ آپ کوفہ میں داخل ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ واپس چلے جائیں"۔ اتنے میں سعید کا غلام بول اٹھا "یہ نہیں ہو سکتا امیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے"۔ اتنا سننا تھا کہ مفسدین کی جماعت نے اسے اونٹ سے کھینچکر زمین پر ڈال دیا اور مار مار کر ختم کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اسے اشتر نے اونٹ پر سے کھینچکر قتل کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سعید نے کہا۔ "اتنی سی بات کے لئے اتنی بڑی جماعت

کو لانے کی کیا ضرورت تھی ایک آدمی کافی تھا جو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جا کر یہ پیغام دے دیتا۔" یہ کہہ کر سعید واپس مدینہ روانہ ہو گئے۔ مگر قبل اس سے کہ وہ اپنی سواری کو آگے بڑھاتے اشتر نے کہا کہ آپ امیرالمومنین کو پیغام دیدیجئے گا کہ کوفہ والے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے سوائے اور کسی کو پسند نہیں کریں گے۔

سعید نے مدینہ پہونچکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اہلِ کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی امارت کے خواستگار ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے رفعِ شر کے خیال سے سعید کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور ایک خط لکھ کر انہیں دیا کہ اس کا مضمون اہل کوفہ کو سنادیں۔ اس خط میں آپ نے لکھا کہ :-

"اما بعد تم لوگ جس کو چاہتے تھے میں نے اسی کو تمہارا امیر مقرر کر دیا ہے۔ تم لوگ سعید سے کبیدہ خاطر تھے اور ان کی امارت کو ناپسند کرتے تھے۔ اس وجہ سے میں نے بجائے ان کے ابو موسیٰ اشعریؓ کو روانہ کیا ہے۔ واللہ میں اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے ادا کرتا اور تمہاری زیادتیوں پر صبر و تحمل اور تمہاری اصلاح کی حتی الامکان کوشش کرتا رہوں گا

جو خواہش تمہاری ہوگی (بشرطیکہ اس کے پورا کرنے میں خدا تعالیٰ کی معصیت نہ ہو) میں پوری کروں گا۔ جس امر سے تم ناخوش ہو (بشرطیکہ اس کے دفع کرنے میں خدا کا گنہگار نہ ہوں) اس کو میں تم سے دور کروں گا۔ ہر کام میں تمہارے موافق رہوں گا اور تمہارے سوال و خواہش پوری کرتا رہوں گا یہاں تک کہ کوئی حجت تمہاری خدا کے نزدیک باقی نہ رہ جائے اور میں تمہاری زیادتیوں پر صبر کرتا رہوں گا تاکہ تم اپنی دلی مرادوں پر فائز ہو اور جو کچھ تمہاری تمنا ہے وہ کر گذرو[1]۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ باغیوں اور مفسدوں کے ساتھ ظلم و ستم کا نہیں بلکہ نرمی کا سلوک کرتے تھے اور حتی الامکان رفع شر کی پوری کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے باغیوں کے مطالبے پر سعید کو معزول کر کے ان کی پسند کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کوفہ پہنچ کر

---

[1] شمس التواریخ صفحہ ۳۶۸

حضرت عثمانؓ کا خط اہلِ کوفہ کو سنایا اور فتنہ و فساد سے باز رہنے
کی تلقین کی۔ سلیم الطبع اور سنجیدہ لوگ اس خط اور حضرت ابو موسٰی
اشعری کی تقریر سے بے حد متاثر ہوئے اور وقتی طور پر فساد دب گیا

اعتراضات اور جوابات

اعتراضات اور جوابات

سنہ ۳۴ھ میں حج کے موقع پر گورنروں کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع کے بعد حالات روبہ اصلاح ہونے کی بجائے اور خراب ہونے لگے۔ چنانچہ اسی سال سے مدینہ پر آفات کا نزول شروع ہوا اور مفسدوں کی پہلی جماعت سنہ ۳۴ھ میں مدینہ آئی۔ عبداللہ بن سبا مصر میں بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ عالم اسلام کے مختلف صوبوں کے گورنر مدینہ میں جمع ہو رہے ہیں صحابہ بھی حضرت عثمانؓ کے مشوروں میں شریک ہیں کچھ عجب نہیں کہ خلیفہ، گورنروں اور صحابہ کی مشترکہ مساعی سے کوئی ایسا سخت اور نتیجہ خیز قدم اٹھایا جائے جس سے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا منصوبہ ناکام ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے نائبوں سے خط و کتابت شروع کی اور کوفہ اور بصرہ کے مفسدوں کا ایک گروہ اس کی ہدایت پر

مدینہ روانہ ہو گیا۔ روانگی کے وقت راستے میں اور پھر مدینہ پہنچ کر انہوں نے ہر پوچھنے والے کو یہی بتایا کہ انہیں حضرت عثمانؓ کے گورنروں سے کچھ شکایات ہیں۔ خلیفہ کی خدمت میں یہ شکایات پیش کرنے کی غرض سے وہ مدینہ جا رہے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس جماعت میں مصر کے مفسد بھی شامل تھے۔ دوسری روایت کے مطابق صرف کوفہ اور بصرہ کے لوگ شریک تھے لیکن گمان غالب یہی ہے کہ اس گروہ میں مصر کے لوگ بھی ضرور شامل ہوں گے کیونکہ ان لوگوں کے مدینہ میں جمع ہونے کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ یہ کہ اول مدینہ کے حالات معلوم کئے جائیں اور دیکھا جائے کہ وہاں کے لوگ حضرت عثمانؓ کے مخالف ہیں یا حامی اور کیا ان لوگوں میں سے کچھ افراد کو اپنا ہم خیال بنایا جا سکتا ہے؟ ان کے مدینہ میں جمع ہونے کا دوسرا مقصد آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کرنا تھا اور ظاہر ہے کہ جب تک تینوں علاقوں کے لوگ اس اجتماع میں شامل نہ ہوتے یہ مقاصد حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ مصر کے مفسدوں کا اس اجتماع میں شامل ہونا اس لئے بھی سب سے زیادہ ضروری تھا کہ مفسدوں کا سرغنہ عبداللہ بن سبا مصر ہی میں مقیم تھا اور جب تک یہ خود یا اس کے معتمد افراد مدینہ نہ جاتے ان کا منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ان حالات میں قرائن اسی روایت کو

قبول کرنے کی تائید کرتے ہیں جس میں اہلِ مصر کے ایک گروہ کا مدینہ پہنچنا بیان کیا گیا ہے۔

مفسدوں کے عزائم

غرض یہ گروہ مدینہ پہنچ کر شہر سے باہر مقیم ہو گیا جب حضرت عثمانؓ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو آپ نے اپنے دو معتمد ان لوگوں کے پاس تحقیقِ حال کے لئے بھیجے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مفسدوں کا ساتھی اور ہم خیال ظاہر کیا اور اس طرح ان کے آئندہ عزائم کا پتہ لگالیا۔ مفسدوں نے بتایا کہ ہمارا مقصد بظاہر تو یہ ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ان کے بعض گورنروں کی شکایات پیش کریں اور ان کے ازالے کی درخواست کریں لیکن دراصل ہمارا مقصد کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ اس طرح عوام الناس کو یہ بتا سکیں کہ ہم حضرت عثمانؓ کے پاس گئے تھے اور ان کے سامنے اپنے مطالبے پیش کئے تھے مگر انہوں نے ہمارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور ہمیں ناکام واپس لوٹا دیا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں کو جو مختلف صوبوں میں ہیں اپنی اس تجویز سے آگاہ کر دیا ہے۔ ہمارا دوسرا پروگرام یہ ہے کہ ہم اگلے سال حج کے موقع پر بہت بڑی تعداد میں پھر آئیں گے اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ خلافت سے معزول ہو جائیں

اگر انہوں نے معزولی گوارا کرلی پھر تو خیر ورنہ ہم انہیں قتل کردیں گے۔ اپنے جاسوسوں کی زبانی مفسدوں کے منصوبوں کی تفصیل سن کر صبر و تحمل اور شجاعت کا یہ کوہِ گراں (حضرت عثمانؓ) مسکرایا اور فرمایا کہ "اے اللہ تو انہیں گمراہ ہونے سے بچالے ورنہ یہ تباہ ہو جائیں گے۔" اس کے بعد آپ نے انہیں مسجد میں طلب کیا۔ صحابہ کو بھی بلایا اور ان کی آمد کے متعلق آپ کو جو معلومات حاصل ہوئیں تھیں، ان سے حاضرین کو مطلع کیا اس موقع پر وہ دو آدمی بھی موجود تھے، جنہیں حضرت عثمانؓ نے ان کے حالات معلوم کرنے بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے کھڑے ہو کر وہ ساری باتیں بیان کر دیں جو مفسدوں کے اس گروہ نے انہیں بتائیں تھیں۔ یہ روئیداد سن کر صحابہ سخت غضبناک ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں متفقہ طور پر عرض کیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ بعض صحابہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک امام کی موجودگی میں کوئی شخص دوسرے امام کی طرف بلائے یا پہلے امام کے خلاف بغاوت کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی ایسے شخص کو قتل کر دو۔[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۸۳

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات

مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی فطری رحم دلی سے کام لے کر قتل کرنا تو دور کی بات ہے انہیں سخت سست تک نہیں کہا بلکہ ان سے فرمایا کہ تمہیں مجھ سے کیا شکایات ہیں۔ مفسدوں نے آپ پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے۔

(۱) بقیع کی چراگاہ کو سرکاری چراگاہ قرار دے کر اسے اپنے ذاتی اونٹوں کے لئے مخصوص کر دیا اس میں نجی زمین شامل کر کے وسعت دیدی ہے۔ اور عام لوگوں کے جانوروں کے لئے اسے بند کر دیا۔

(۲) منیٰ میں پوری نماز ادا کی حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قصر فرمایا کرتے تھے۔

(۳) نوجوانوں کو حاکم بنایا۔

(۴) عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا خمس بخش دیا۔

(۵) حکم کو مدینہ واپس بلالیا حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جلا وطن کر دیا تھا۔

(۶) اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتے ہیں اور انہیں عطیات دیتے ہیں

(۷) بعض لوگوں کو مفتوحہ علاقے جاگیر کے طور پر بخش دیئے۔

(۸) جنگِ بدر اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے اور جنگِ احد میں ثابت قدم نہ رہے۔

(۹) حج کے موقع پر تمتع سے منع کیا۔

(۱۰) حالتِ احرام میں شکار کا گوشت کھایا۔

(۱۱) ایک قرآن کے سوائے باقی تمام قرآن جلوا دیئے۔

حضرت عثمانؓ کے جوابات

یہ ہیں وہ الزامات جو باغیوں اور مفسدوں نے حضرت عثمانؓ پر عائد کئے۔ آپ نے ان اعتراضات کو کمال صبر و تحمل سے سنا اور پھر ایک ایک اعتراض کا نہایت کافی و شافی جواب دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:۔

(۱) تم لوگوں نے نقیع کی چراگاہ سے عوام الناس کو روکنے کا جو الزام لگایا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سرکاری اونٹوں اور گھوڑوں کے لئے ایک چراگاہ مخصوص کی تھی۔ میں نے اس میں کچھ اور زمین شامل کر لی کیونکہ حدودِ مملکت کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے یہ زمین جو چراگاہ میں شامل کی گئی کسی کی ذاتی ملکیت نہ تھی اور نہ میں نے اسے جبراً شامل کیا۔ جہاں تک اسے اپنے اونٹوں کے لئے

مخصوص کرنے کا اعتراض ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس چراگاہ میں سوائے بیت المال کے اونٹوں کے کسی کے ذاتی اونٹ نہیں چرتے اور میرے پاس تو اب صرف دو اونٹ رہ گئے ہیں جو میں نے حج کے لئے رکھے ہیں اور ان دو اونٹوں کو بھی میں سرکاری چراگاہ میں نہیں بھیجتا۔

(۲) جہاں تک منیٰ میں نماز قصر کا کرنے کا اعتراض ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں میری زمین ہے۔ پھر میں نے یہاں شادی بھی کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ میرا گھر ہے۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے منیٰ میں نماز قصر نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے خیال کیا کہ یہ حج کا موقع ہے اور دور و نزدیک کے لوگ آئے ہوئے ہیں ان میں علم والے بھی ہیں کم علم بھی اور جاہل بھی۔ کیا عجب ہے کہ وہ کہیں کہ خلیفہ عصر کی صرف دو رکعتیں پڑھتا ہے اور مجھے دیکھ کر وہ بھی دو رکعتیں پڑھنے لگیں۔

(۳) جہاں تک نوجوانوں کو حاکم بنانے کا اعتراض ہے تو میں نے صرف ان نوجوانوں کو حاکم بنایا جو اس کے اہل تھے اور جن میں حکومت کرنے کی قابلیت تھی۔ مجھ سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی یہ اعتراض کیا گیا تھا جب حضورؐ نے ایک نوجوان اسامہ بن زید

کو فوج کا سردار بنایا تھا مگر آپ نے اس اعتراض کی کچھ پرواہ نہ کی تھی۔

(۴) عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا خمس دینے کے اعتراض کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے خمس نہیں دیا بلکہ خمس میں سے ایک ہزار درہم دیئے اور یہ کوئی نئی اور قابل اعتراض بات نہیں۔ مجھ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی بعض لوگوں کی خدمات سے خوش ہو کر انہیں بطور انعام نقد یا جائیداد دیدیا کرتے تھے مگر اس کے باوجود جب میں نے دیکھا کہ بعض فوجیوں نے میرا یہ فعل ناپسند کیا ہے تو میں نے یہ رقم عبداللہ بن ابی سرح سے واپس لے کر انہیں میں تقسیم کر دی

(۱۵) جہاں تک حکم کو مدینہ واپس بلانے کا اعتراض ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مدینہ سے جلا وطن ضرور کر دیا تھا مگر میں نے حضورؐ سے ان کو معاف کر دینے کی درخواست کی تھی اور حضورؐ نے میری یہ درخواست منظور فرما کر حکم کو معاف فرما دیا تھا اس لئے میں نے انہیں مدینہ واپس آنے کی اجازت دیدی۔

(۱۶) جہاں تک رشتہ داروں سے محبت کرنے کا سوال ہے تو اس کے لئے میں مجبور ہوں اپنے رشتہ داروں سے کون محبت نہیں کرتا اور نہ یہ کوئی قابلِ اعتراض بات ہے لیکن مجھ پر انہیں بیت المال سے

عطیات دینے کا جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے میں انہیں جو کچھ دیتا ہوں اپنے مال سے دیتا ہوں۔ میں تو وہ شخص ہوں جو بیت المال سے اپنی ذات کے لئے ایک درہم نہیں لیتا۔

(۷) جہاں تک مفتوحہ زمینیں بعض لوگوں میں تقسیم کرنے کا سوال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مہاجرین وانصار نے اپنی تلوار سے یہ علاقے فتح کئے اور ان میں سے بعض زمینیں انہیں انعام کے طور پر دی گئیں اس کے بعد کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہماری جائیدادوں کا تبادلہ کر دیا جائے چنانچہ مفتوحہ علاقوں میں انہیں جو زمینیں دی گئی تھیں وہ میں نے ان سے لے لیں اور ان کے عوض انہیں مدینہ کی زمینیں دے دیں، اس طرح ان کی زمینوں کا صرف تبادلہ ہوا کوئی نئی جاگیر کسی کو نہیں دی گئی۔

(۸) یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں جنگ بدر اور بیعت الرضوان میں شریک نہیں ہوا اور جنگ احد میں ثابت قدم نہیں رہ سکا۔ سو جہاں تک جنگ بدر میں حصہ نہ لینے کا سوال ہے تو اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت عثمانؓ کی بیوی) حضرت رقیہؓ بیمار تھیں اور حضورؐ نے مجھے ان کے پاس رہنے اور ان کی تیمارداری کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، میں حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کر سکتا تھا۔

بیعت رضوان میں شریک نہ ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ جب میں حضورؐ کا سفیر بن کر مکہ گیا اور وہاں سے میری واپسی میں دیر ہوئی اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ مجھے کفار نے قتل کر دیا ہے تو حضورؐ نے میرا قصاص لینے کے لئے تمام مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دیکر دوسرے ہاتھ سے خود بیعت کی۔ (مطلب یہ تھا کہ اس میں میری ہتک نہیں ہوئی بلکہ یہ تو میرا وہ اعزاز ہے جو اس روئے زمین پر میرے سوائے اور کسی کو حاصل نہیں ہوا) غزوۂ احد میں ثابت قدم نہ رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا جو اس جنگ میں ثابت قدم نہ رہے تھے تو اب اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے

(۹) حج کے موقع پر تمتع سے منع کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس میں کوئی بدعت نہیں کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم ایک خاص وجہ سے دیا تھا اب وہ دور ہو چکی ہے اس لئے میں تمتع نہیں کرتا مگر دوسروں کو اس سے روکتا بھی نہیں۔

(۱۰) احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھانے کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے شکار کا گوشت ضرور کھایا مگر خود میں نے شکار نہیں کیا اور نہ شکار کا کسی کو حکم دیا۔ شکار کسی اور نے کیا اور اس نے پکا کر میرے سامنے پیش کیا جسے میں نے کھا لیا اس میں اعتراض کی کونسی

بات ہے۔ احرام کی حالت میں خود شکار کرنا یا کسی سے شکار کرانا منع ہے لیکن کسی اور کے شکار کیے ہوئے گوشت کو کھانا تو منع نہیں۔

(۱۱) ایک قرآن کے سوائے باقی قرآنِ حکیم جلا دینے کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے بعض صحابہ نے جو آرمینیہ اور آذربائیجان وغیرہ سے آئے تھے بتایا کہ وہاں قرآن کی قرأت میں بڑا اختلاف ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی کتاب اللہ میں اختلاف نہ کرنے لگیں، یہ سن کر میں نے قرآنِ حکیم کا ایک نسخہ جو حضرت زیدؓ نے تیار کیا تھا منگوا کر اس کی نقول کرائیں اور وہ مملکت کے تمام صوبوں میں بھجوا دیں اور قرآن کے باقی نسخے جلوا دیئے تاکہ مسلمان ایک قرآن پر جمع ہو جائیں ورنہ ان میں اختلاف کا اندیشہ تھا۔

یہ ہیں وہ کافی و شافی جوابات جو حضرت عثمانؓ نے معترضین کو دیئے تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہر اعتراض کا جواب دینے کے بعد حاضرین سے پوچھتے تھے کہ کیا میں نے سچ نہیں کہا۔ حاضرین بیک زبان کہتے کہ آپ نے سچ کہا ہے[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۳۴۷

حضرت عثمانؓ کے جوابات پر محاکمہ

حضرت عثمانؓ نے معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے جن باتوں کی تصریح فرمائی ان میں سے بعض امور وضاحت طلب ہیں۔ علاوہ ازیں موجودہ تاریخوں میں حضرت عثمانؓ کے خلاف جو الزامات شائع کئے گئے ہیں۔ ان میں بعض اعتراضات ایسے ہیں جو آپ کے زمانے میں یا آپ کے روبرو پیش نہیں کئے گئے بلکہ یہ بعد کے لوگوں کے ذہنوں کی اختراع ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے جوابات اور بعد میں عائد کئے جانے والے اعتراضات دونوں پر خالص علمی اور تاریخی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی جائے۔"

چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کا الزام

حضرت عثمانؓ نے اس اعتراض کا جواب دے کر اپنی پوزیشن بالکل صاف کر دی اور حاضرین میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ "ہم آپ کے جواب سے مطمئن نہیں ہیں؟" چراگاہ کو سرکاری قرار دے کر عوام الناس کو اس سے روک دینا یہ کوئی ایسا اقدام نہ تھا جسے موردِ طعن و تشنیع بنایا جاتا۔ دنیا کے ہر ملک کی کچھ سرکاری ضروریات ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا حاکم وقت کا فرض

ہوتاہے۔ اس زمانے میں اونٹ اور گھوڑے جنگ اور رسل و رسائل کے سب سے بڑے ذرائع تھے۔ حکام اور عام کارندے سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے انہیں کو استعمال کرتے تھے۔ سرکاری اونٹوں اور گھوڑوں کے لئے ایک چراگاہ مخصوص کردینا اور باقی لوگوں کو اس کے استعمال سے روک دینا معمولی عقل رکھنے والے شخص شخص کی نگاہ میں بھی جرم نہیں ہوسکتا بلکہ یہ امر حاکم کے حسنِ انتظام کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ہاں اعتراض اس صورت میں عائد ہوتا جب حضرت عثمانؓ دوسروں کو تو اس چراگاہ کے استعمال سے روک دیتے مگر اپنے ذاتی اونٹ یا گھوڑے اس میں چرنے کے لئے چھوڑ دیتے۔ مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کو موردِ الزام قرار دینے کے لئے نہایت عیاری سے کام لے کر آپ پر یہی اعتراض کیا مگر حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر اس اعتراض کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ میرے پاس تو اب دو اونٹ رہ گئے ہیں جو میں نے حج کے لئے رکھے ہیں[1]۔ اس جواب سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں کہ ان دو اونٹوں کو بھی اپنے پاس سے دانہ چارہ نہیں دے سکتا اور انہیں سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیتا

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۲

ہوں تاکہ وہاں سے گھاس کھا کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ پھر آپ کے یہ الفاظ کہ یہ اونٹ میں نے حج کے لئے رکھے ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان اونٹوں کو میں نے ایک مقدس مقصد کے لئے رکھا ہے اور جو اونٹ میں نے ایک پاکیزہ مقصد کے لئے مخصوص کئے ہوں انہیں ناجائز طریقے سے کھلا کر میں اپنا ثواب کیونکر ضائع کر سکتا ہوں۔

افریقہ کا خمس

معترضین نے حضرت عثمانؓ پر ایک اعتراض یہ کیا تھا کہ آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا خمس (پانچواں حصہ) بخش دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں نے ابن ابی سرح کو پانچواں حصہ ہرگز نہیں دیا بلکہ پانچویں حصہ میں سے ایک لاکھ درہم دیئے تھے۔ مگر جب میں نے سنا کہ بعض فوجیوں نے اس پر اعتراض کیا ہے تو وہ ایک لاکھ بھی میں نے اس سے واپس لے کر عام فوجیوں میں تقسیم کر دیئے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس واقعے کو مروان بن الحکم کے سر تھوپ دیا اور کہا کہ حضرت عثمانؓ نے افریقہ کا خمس مروان کو بخش دیا حالانکہ تاریخ اس الزام کا صریح انکار کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ افریقہ کی

فتح کے بعد جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسے فاتحین میں تقسیم کرنے کے بعد قانون کے مطابق اس کا پانچواں حصہ خلیفۂ وقت (حضرت عثمانؓ) کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ اگر حضرت عثمانؓ یہ مالِ غنیمت مروان کو انعام کے طور پر دیدیتے تو معترضین کے لئے اعتراض کی گنجائش نکل بھی سکتی تھی لیکن انہوں نے یہ مال مروان کو بطور انعام ہرگز نہیں دیا بلکہ اس کے ہاتھ فروخت کردیا اور اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ "ابن زبیرؓ نے (حضرت عثمانؓ کو) فتح کی خوشخبری بھیجی اور ساتھ ہی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھی جسے مروان نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے (مروان کو) بخش دیا بالکل غلط ہے[1]۔"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مروان کو افریقہ کا خمس ہرگز نہیں دیا۔ ہاں ان کے ہاتھ پانچ لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ اور اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔ اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔ البتہ آپ نے عبداللہؓ بن ابی سرح کو جس نے افریقہ کی فتوحات میں بڑی بہادری اور عسکری تدبر کا مظاہرہ کیا تھا خمس میں سے ایک لاکھ ضرور

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد دوم ص ۱۲۹

دیا وہ بہ طور انعام تھا مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی یہ بخشش بعض لوگوں کو ناگوار گذری ہے تو آپ نے حکم دیا کہ یہ رقم عبداللہ بن ابی سرح سے لے کر فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے[1]۔

حضرت عثمانؓ کا انعام کی یہ رقم واپس کرنا معترضین کے تالیف قلوب کے لئے تھا ورنہ علمائے امت کی ایک بہت بڑی جماعت کا خیال ہے کہ امام وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال غنیمت کا خمس جس طرح چاہے تقسیم کرے۔ چنانچہ حضرت امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت امام مالکؒ اور علماء کا ایک گروہ اس خیال کا حامی ہے کہ خلیفہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو چاہے فیصلہ کرے حتیٰ کہ اگر وہ چاہے تو مال غنیمت کا سارا خمس کسی کو دے سکتا ہے[2]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ مال غنیمت کا سارا خمس بھی مروان کو عطا فرما دیتے تو ان پر کوئی الزام نہ آتا۔ مگر آپ نے از راہ احتیاط اور امت کو فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایسا نہیں کیا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۱۳۰

[2] العواصم من القواصم ص۱۰۱

حکم کی واپسی کا معاملہ

حضرت عثمانؓ پر ایک الزام یہ عاید کیا گیا تھا کہ انہوں نے حکم بن العاص کو مدینہ واپس بلا لیا جسے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جلا وطن کر دیا تھا۔ اس الزام پر بحث کرتے ہوئے حضرت ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت عثمانؓ نے جب حکم کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دی تو انہوں نے اس کی صراحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے اس کے متعلق سفارش کی تھی اور حضورؐ نے قبول فرمائی تھی"[1]

یہی بات حضرت عثمانؓ نے مفسدوں اور صحابہ کرام کے اجتماع میں کہی تھی اور حاضرین نے ان کی راستبازی کی وجہ سے یقین کر لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں درست ہے۔ اس پر ایک اعتراض اور عائد ہوتا ہے کہ اگر حضورؐ نے حکم کو معاف کر دیا ہوتا تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کیوں نہ اسے واپس بلا لیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی واپسی

---

[1] اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اوّل ص۳۴۵

کی سفارش حضرت عثمانؓ نے کی تھی اور حضورؐ کی زندگی کے آخری ایام میں کی تھی۔ اس اجازت کا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو علم نہ تھا کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور حضرت عثمانؓ نے ان سے حکم کو واپس بلانے کے بارے میں گفتگو کی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کا موقف تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ چونکہ حضورؐ نے میرے سامنے حکم کو معاف نہیں کیا اور نہ اسے مدینہ آنے کی اجازت دی اس لئے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر آپ دو گواہ پیش کردیں تو میں اسے واپس بلالوں گا۔ یہی موقف حضرت عمرؓ نے اختیار کیا اور اس میں کسے شبہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا موقف بالکل درست تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو صرف ایک شخص کے کہنے سے منسوخ کردینا کوئی معمولی بات نہ تھی یہ بہت بڑی جسارت تھی جس کا ارتکاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دونوں سچے عاشق نہیں کرسکتے تھے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم کو مدینہ بلالیا کیونکہ ان کے سامنے حضورؐ معاف کرچکے تھے اور اسے مدینہ آنے کی اجازت دے دی تھی۔ پس اس صورت میں حضرت عثمانؓ پر کوئی الزام نہیں آتا۔

اقربا نوازی

حضرت عثمانؓ پر ایک الزام یہ لگایا گیا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو بیت المال سے بڑی بڑی رقوم دیتے ہیں۔ اس کا جواب بھی حضرت عثمانؓ کی زبانی درج کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی وہ تقریر درج کرتے ہیں جو انہوں نے مجمع عام میں فرمائی تھی ۔" یہ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ میں اپنے اہل خاندان سے محبت کرتا ہوں اور انہیں عطایا دیتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کیا (یعنی میں نے ان سے محبت کر کے اپنے نفس یا امت پر ظلم نہیں کیا) جہاں تک اپنے رشتہ داروں کو عطیات دینے کا سوال ہے تو میں نے انہیں جو کچھ دیا اپنے مال میں سے دیا مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے اوپر حلال سمجھتا ہوں نہ اپنے رشتہ داروں کے لئے اور نہ کسی دوسرے کے لئے اور میں تو وہ شخص ہوں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں اپنے مال میں سے بیش قیمت عطیے دیتا تھا حالانکہ اس زمانے میں مجھ میں مال جمع کرنے کی حرص تھی اور اب کہ میں اس عمر کو پہنچ گیا ہوں جو عام طور پر میرے خاندان والوں کی ہوتی ہے۔ (مراد عمر طبعی) اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں لوگوں کو ملنے

والا ہے (یعنی میرے رشتہ داروں کو) تو بدنیت لوگ مجھ پر اس قسم کے الزام لگاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بستی پر خراج کا اتنا بوجھ نہیں ڈالا جو ناقابلِ برداشت ہو۔ ان شہروں سے جو کچھ خراج وغیرہ کی شکل میں آیا وہ میں نے انہیں کی فلاح پر صرف کر دیا۔ میرے پاس جو کچھ آتا ہے وہ آمدنی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ اس میں سے بھی میں کوئی چیز اپنے لئے جائز نہیں رکھتا۔ اس کے مالک بھی مسلمان ہی ہیں اور وہی یہ خمس ان لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں جو اس کے مستحق ہیں۔ اس مال میں جو اللہ کا مال ہے کسی قسم کی خرد برد نہیں ہوتی۔ میں تو اس میں سے اپنی تنخواہ بھی وصول نہیں کرتا بلکہ اپنے ہی مال سے اپنے ذاتی مصارف برداشت کرتا ہوں۔[۵]"

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کی اس مدلل تقریر کے بعد اس اعتراض کے متعلق مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی رہی ہو۔ جو شخص بیت المال سے اپنے اخراجات کے لئے بھی ایک درہم نہ لے حالانکہ خدا اور اس کے رسولؐ نے اسے اس کی اجازت دی ہے۔ اس کے متعلق یہ الزام کس قدر بیہودہ اور ناقابلِ یقین ہے کہ وہ بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کو بڑی بڑی رقوم دیا کرتا تھا۔ جس شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

۵ تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۳۴۸

کے زمانے میں غزوۂ تبوک کے موقع پر علاوہ گھوڑوں اور اونٹوں کے ایک ہزار دینار نقد دیئے۔ پینتیس ہزار روپے میں بیر رومہ خرید کر مسلمانوں بلکہ سارے اہل مدینہ کے لئے وقف کر دیا۔ بیس ہزار درہم میں مسجد نبوی کے لئے زمین خرید کر خانۂ خدا کے لئے وقف کر دی۔ اپنے زمانۂ خلافت میں ہزاروں درہم سے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھ کر سیاڑوں درہم نذر کر دیئے، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے لباس اور خورد و نوش پر ہزاروں درہم صرف کر دیئے اس پر کوئی دیوانہ یا متعصب شخص ہی یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کو عطیات دیا کرتا تھا۔

رشتہ داروں کا سرکاری مناصب پر تقرر

حضرت عثمانؓ پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو سرکاری مناصب عطا فرمائے۔ یہ بات درست ہے انہوں نے اپنے بہت سے رشتہ داروں کو جن میں بعض نوجوان بھی شامل

ل خلاصۃ الوفا صـ۱۲۴   ۲ کنز العمال جلد ششم صـ۳۷۲

تھے۔ سرکاری عہدوں پر فائز کیا۔ جہاں تک نوجوانوں کو سرکاری عہدے دینے کا سوال ہے تو اس اعتراض کا جواب حضرت عثمانؓ نے مجمع عام میں دیدیا تھا کہ اگر میں نے نوجوانوں کو سرکاری عہدوں پر مقرر کیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے میرے آقا و مولا نے بھی ایک نوجوان حضرت اسامہؓ بن زید کو فوج کا کمانڈر مقرر کیا تھا اور آپؐ پر بھی یہ اعتراض کیا گیا تھا۔ جہاں تک اپنے رشتہ داروں کو عہدے دینے کا اعتراض ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا رجحان اپنے رشتہ داروں کی طرف ضرور تھا۔ لیکن اس بارے میں ان کا ایک خاص نظریہ تھا اور وہ یہ کہ اگر کسی خلیفہ کے رشتہ دار اہل ہوں تو ان پر صرف اس وجہ سے ترقی کے دروازے بند نہیں کئے جا سکتے کہ وہ خلیفہ کے قرابت دار ہیں۔ پھر اس معاملے میں وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل سے بھی استدلال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "کیا یہ سچ نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم قریش کو عام لوگوں پر اور بنی ہاشم کو قریش پر ترجیح دیتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس بہشت کی کنجی ہو تو میں اپنے قبیلے کے سارے افراد کو اس میں داخل کر دوں[۱]"

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صہ ۱۷۸

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں صلۂ رحمی (رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک) کی جو تلقین کی گئی ہے حضرت عثمانؓ اسے ہر وقت اپنے پیش نظر رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے اہلِ خاندان اور اہلِ قبیلہ کو فائدہ پہنچایا جائے مگر جہاں تک مالی فائدے کا تعلق ہے وہ بیت المال سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی مال سے پہنچاتے تھے۔ اسی نقطۂ نظر سے وہ مناصب کی تقسیم کے معاملے کو بھی دیکھتے تھے لیکن اس بارے میں وہ اس امر کا پورا خیال رکھتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں میں سے عہدے انہیں لوگوں کو دیئے جائیں جو پوری طرح اہل ہوں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے جن رشتہ داروں کو سرکاری مناصب پر فائز کیا انہوں نے نہ صرف اپنی اہلیت ثابت کر دی بلکہ ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ تاریخ بمشکل ہی ان کی نظیر پیش کر سکے گی۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو سرکاری مناصب پر فائز کیا یا ان کے عہدوں میں ترقی دی ان میں ولید بن عقبہ۔ سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح اور معاویہؓ بن ابی سفیان شامل ہیں۔

ولید بن عقبہ

ان میں سے ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کے وہ گورنر ہیں جنہیں ایک منظم سازش کے تحت مے خواری کا جھوٹا الزام لگا کر ان کے عہدے سے معزول کرایا گیا۔ حالانکہ یہ وہ شخص ہے جس کا سابقہ کردار ہرگز اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اس نے اس گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔ اس واقعے سے پہلے انہیں کبھی کسی نے نہ شراب پیتے دیکھا اور نہ کبھی ان کے متعلق اس قسم کا جھوٹا یا سچا الزام لگایا گیا۔ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بہن کے بیٹے اور حضورؐ کے بھانجے تھے ۔ ۱۲ھ سے ان کی ملی خدمات کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سال حضرت ابوبکرؓ صدیق نے انہیں ایک مہم میں عیاض بن غنم فہری کا امدادی کمانڈر بنا کر بھیجا[۱]۔ ۱۳ھ میں انہیں قضاعہ کا تحصیلدار مقرر کیا گیا[۲]۔ اس کے بعد آپ کو شرق اردن کی فتح پر مامور کیا گیا اور آپ نے اس مہم کو نہایت کامیابی سے سرانجام دیا[۳]۔ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ فاروق نے آپ کو الجزیرہ کا حاکم مقرر فرمایا[۴]۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد چہارم ص ۲۲
[۲] تاریخ طبری جلد چہارم ص ۲۹
[۳] تاریخ طبری جلد چہارم ص ۳۰
[۴] تاریخ طبری جلد چہارم ص ۳۲۵

اس دوران میں امارت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے تبلیغِ دین کا فریضہ بھی ادا کیا اور بنو تغلب اور بنو ایاد کے بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے[1]۔ ایک روایت کے مطابق عہدِ عثمانؓ کے گورنروں میں اپنے عدل و انصاف نرم روی اور حسن و احسان کے اعتبار سے ولید بن عقبہ بہترین لوگوں میں سے تھے ان کی افواج مشرقی علاقوں میں کفار سے برسرپیکار رہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی رہی[2]۔ کوفہ کے عہدِ امارت میں عوام ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لونڈیاں، غلام اور مساکین ان کے گن گاتے تھے۔ ان کے حکم سے کوفہ کے ہر غلام کو تین درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا[3] انہوں نے کوفہ میں ایک مہمان خانہ قائم کیا تھا جس میں ہر مسافر کے لئے ٹھہرنے اور کھانے پینے کی جملہ آسائشیں مہیا کی گئی تھیں۔ جب انہیں ایک سازش کے تحت گورنری سے الگ کیا گیا تو کوفہ کی لونڈیاں ان پر روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ہائے ولید معزول کر دیا گیا جو ہمارے ساتھ سخاوت اور بھلائی کا سلوک کرتا تھا[4]۔

---

[1] العواصم من القواصم صہ ۸۶ [2] تعلیق العواصم صہ ۸۹

[3] تاریخ طبری جلد چہارم صہ ۲۷۱ [4] تاریخ طبری جلد چہارم صہ ۲۷۵

کیا ایسے شریف النفس، نجیب الطرفین، مدبّر، عوام کے ہمدرد اور سخی دل شخص کو گورنر بنا کر حضرت عثمانؓ نے کوئی جرم کیا؟

سعید بن العاص

حضرت عثمانؓ کے دوسرے رشتہ دار گورنر سعید بن العاص ہیں۔ فتح شام کے بعد وہیں چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس مقیم ہو گئے۔ ایک روز حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق پوچھا کہ سعید کہاں ہیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ شام میں ہیں اور بہت سخت بیمار ہیں یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ سعید کو فوراً میرے پاس بھیجدو۔ جب یہ مدینہ پہنچے تو بہت کمزور ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی خیریت پوچھی اور دعائے صحت کی۔ اس کے کچھ عرصے بعد خود ان کی شادی کی۔ حضرت عمرؓ کا سعیدؓ بن العاص کے ساتھ یہ تلطف آمیز سلوک ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نگاہ میں ان کی بڑی وقعت تھی اور انہوں نے سعیدؓ سے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ انہوں نے پوری کر دکھائیں۔ انہوں نے تاریخ اسلام میں بہت بڑے فاتح اور عظیم المرتبت جرنیل کی حیثیت سے

لے تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۳۱

نہایت بلند مقام حاصل کیا۔ انہیں مختلف اوقات میں مختلف مہمات سر کرنے کے لئے بھیجا گیا اور انہوں نے ان میں سے ہر مہم کو نہایت کامیابی سے سر کیا۔ انہوں نے جرجان، آرمینیہ، طبرستان اور خراسان کی فتوحات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے بلکہ یہ سارے علاقے انہیں کی قوتِ بازو اور حسن تدبر سے فتح ہوئے۔[1]

کوفہ کا گورنر مقرر ہونے کے بعد سعید بن العاص نے اس علاقے کے انتظامات میں جدید اصلاحیں کیں۔ فتنہ پرداز اور سرکش لوگوں کی بجائے صحابہ کرام اور شرفا کو اپنی مجلس میں جگہ دی۔ ان کا طریق کار اتنا پسندیدہ تھا کہ ابتدا میں اہل کوفہ ان کے گرویدہ ہو گئے اور لوگوں نے ان کی امارت کو اپنے لئے فالِ نیک خیال کیا۔ مگر جب سبائی گروہ نے اپنا منصوبہ ناکام ہوتے دیکھا تو ان کے خلاف بھی سازشیں شروع کر دیں، حالانکہ ان پر شراب، زناکاری کذب بیانی اور ظلم و ستم غرض کوئی جرم عائد نہیں کیا گیا اور ان کا دامن شروع سے آخر تک بے داغ رہا۔ وہ ہر حال میں امت کی فلاح و بہبود کے خواہاں رہے۔ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں انہوں نے کبھی کسی ایسی تحریک میں حصہ نہیں لیا جس سے اسلامی اتحاد کو

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۱۵۱

ضعف پہنچنے کا ذرا سا بھی اندیشہ محسوس ہوتا ہو۔ انتہا یہ ہے کہ وہ
حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علیؓ اور اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت
معاویہؓ کی جنگوں سے بھی کنارہ کش رہے اور مکہ جا کر خانہ نشین ہو گئے۔[1]
جس شخص کو حضرت عمرؓ نے شام سے بلا کر نہایت اعزاز و اکرام سے
مدینہ میں رکھا۔ اس کی خود شادی کی۔ پھر نہایت اہم معرکوں میں لشکر
اسلامی کی قیادت اس کے سپرد کی۔ اس نے سیکڑوں مربع میل علاقہ
فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ اسے کسی صوبے کا گورنر مقرر
کر کے کیا حضرت عثمانؓ نے کوئی جرم کیا؟

عبداللہ بن عامر

حضرت عثمانؓ کے تیسرے رشتہ دار گورنر عبداللہ بن عامر ہیں۔ یہ
حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں نہایت شجاع بہت بڑے منتظم اور اعلیٰ
پائے کے جرنیل تھے۔[2] بہت خوبیوں کے انسان تھے اور لوگ آپ سے بہت
محبت کرتے تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے حوض بنوائے
اور ان میں چشموں کا پانی پہنچایا۔[3] ان کی فتوحات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد پنجم ص۳۵ • [2] منہاج السنۃ جلد سوم ص۱۹۰ • [3] البدایۃ والنہایۃ جلد ہشتم

ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد انہیں کی فوجوں کے ہاتھوں آخری شکست کھا کر بھاگا اور آخر کار ہلاک ہوا۔ اس طرح ایران سے آتش پرستوں کی بادشاہت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اور سارے ملک پر (جو کئی ممالک کا مجموعہ تھا) اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ عبداللہ بن عامر کی قیادت میں جو علاقے فتح ہوئے ان میں خراسان کرمان، غزنہ اور سجستان شامل ہیں۔

حضرت موسیٰ اشعری کو معزول کرنے کے بعد انہیں بصرہ کا گورنر بنایا گیا۔ انہوں نے اپنے عہد امارت میں صوبے کے نظم و نسق، خراج کی وصولی اور عوام کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی قابل تعریف مثالیں قائم کیں کہ خود بصرہ کے لوگ بھی ان کے گرویدہ ہو گئے۔

اتنے عظیم المرتبت فاتح، ایسے کریم النفس اور ایسے عوام دوست شخص کو بصرہ کا حاکم مقرر کر کے حضرت عثمانؓ نے کون سا گناہ کیا؟

عبداللہ بن ابی سرح

حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار گورنروں میں یہی ایک ایسے شخص ہیں جن کے

متعلق ان کے بعض معاصرین اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ یہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے اور قرآنِ حکیم کی کتابت پر مامور تھے انہوں نے بعض آیتوں میں ردّ و بدل کر دیا۔ جب حضورؐ کو ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپؐ نے حکم دے دیا کہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دیا جائے خواہ وہ بیت الحرم ہی کیوں نہ ہو۔ جان کے خوف سے بھاگ کر انہوں نے حضورؐ کی مخالفت شروع کر دی۔ فتحِ مکہ کے بعد یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے جو ان کے رضاعی بھائی تھے اور ان سے درخواست کی کہ آپ حضورؐ کے پاس چل کر میری جاں بخشی کرا دیں چنانچہ حضرت عثمانؓ انہیں حضورؐ کی خدمت میں لے گئے اور معافی کی سفارش کی۔ پہلے تو حضورؐ نے معافی نہ دی بلکہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا مگر حضرت عثمانؓ کے اصرار اور پیہم سفارش پر آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا اور بیعت لے لی[1]۔

دوبارہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام کی اشاعت اور فتوحات میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہوں نے ان کی سیرت کے گذشتہ سارے داغ دھبے دور کر دیئے۔ دراصل

---

[1] منہاج السنۃ جلد سوم ص ۲۳۵

ن کے پچھلے گناہ ذراسی دقت معاف ہو گئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم نے ان کی توبہ قبول فرما کر بیعت لے لی تھی کیونکہ جس شخص کو خدا
ا رسولؐ معاف کر دے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لے اس کے
ک وصاف ہو جانے میں کون سا مسلمان شک کر سکتا ہے مگر جب
ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے اور اسلام
ی اشاعت میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی تو حضرت امام ابن تیمیہؒ کے
اس خیال سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ (عبداللہ بن ابی سرح) "مشرف
بہ اسلام ہونے کے بعد حقیقی معنیٰ میں مسلمان ہو گئے اور اس کے
بعد ان سے کوئی ایسی حرکت صادر نہیں ہوئی جس میں (مسلمانوں کیلئے)
بھلائی نہ ہو[1]"

چنانچہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ اسلام کے لئے بڑی
غیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے قبرص کی فتح میں حیرت انگیز شجاعت اور
پامردی دکھائی[2] اور حضرت معاویہؓ کے تعاون سے اس پر اسلامی علم لہرایا۔
شمالی افریقہ کی فتح کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے۔ طرابلس پر ایسا سخت حملہ
کیا کہ وہاں کے لشکروں نے گھبرا کر صلح کی درخواست کی اور پچیس[3] لاکھ

---

[1] منہاج السنۃ جلد سوم ص ۲۳۵ [2] تاریخ طبری جلد پنجم ص ۱۸۱ [3] فتوح البلدان ص ۲۳۵

اشرفیاں دے کر مسلمانوں کی سیادت قبول کر لی۔ قیصر روم قسطنطین کا بحری جنگ میں اس بے جگری اور عسکری قابلیت سے مقابلہ کیا کہ ذات الصواری کے مقام پر اسے عبرت ناک شکست ہوئی۔ اس لڑائی میں وہ بری طرح زخمی ہوا اور پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلے پر نہ آیا۔[۵]

عبداللہ بن ابی سرح کی ان خدمات کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جس شخص نے فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ افریقہ کے متعدد ممالک پر اسلام کا علم لہرایا اور اسلام کے بدطینت دشمن قسطنطین کو ایسی عبرت ناک شکست دی اسے مصر کا گورنر مقرر کر کے حضرت عثمانؓ کون سی سنگین غلطی کی۔

معاویہؓ بن ابوسفیان

حضرت عثمانؓ کے چوتھے گورنر حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان ہیں۔ ان سے حضرت عثمانؓ کا کوئی رشتہ نہ تھا مگر چونکہ یہ قبیلہ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے معترضین نے ان کے تقرر پر حضرت عثمانؓ کو اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں

---

[۵] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۴

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے بھائی حضرت یزیدؓ بن ابوسفیان کے انتقال کے بعد دمشق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے سارے عہد خلافت میں وہ اپنے منصب پر برقرار رہے۔ حضرت عثمانؓ پر اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد اقتدار میں شرق اردن اور فلسطین کے علاقوں کو ان کی امارت میں شامل کر کے ان کے اثر و رسوخ کا دائرہ وسیع کر دیا۔

حضرت معاویہؓ عرب کے مشہور سردار ابوسفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دو سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی کہ مکہ فتح ہو گیا اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اپنے باپ (ابوسفیان) کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ قبولِ اسلام کے بعد انہیں حضورؐ نے اپنے کاتبوں میں شامل کر لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو ان کی قابلیت کے جوہر نکھرنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے دمشق اور مضافات کی فتوحات میں اپنے بھائی حضرت یزیدؓ بن ابوسفیان کے ساتھ حصہ لیا اور بہت سی کامیابیاں حاصل کیں۔ عرقہ اور بیروت کو اسلامی مملکت میں شامل کرنے کا سہرا بھی حضرت معاویہؓ کے سر ہے۔ حضرت عمرؓ کے آخری عہد میں شام کے

بعض علاقوں کے سرداروں نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کو فرو کر کے ان شہروں کو از سرِ نو فتح کرنے اور اسلامی حکومت کا باج گزار بنانے میں حضرت معاویہؓ نے بڑی بہادری اور عسکری قابلیت[1] کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے قیساریہ پر حملہ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ ملطیہ، عموریہ، شمشاط اور قبرص پر بھی اسلامی علم لہرایا۔[2]

یہ صرف ان فتوحات اور کامیابیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حاصل کیں بادشاہ ہونے کے بعد ان کے لشکروں نے ترک و تاز کر کے جس طرح غیر مسلمانوں کی ہیبت طاری کی اس کا تذکرہ ایک الگ باب چاہتا ہے۔ انہوں نے امارت کے فرائض کو جس قابلیت اور فراست کے ساتھ انجام دیا وہ تاریخ کی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں شاید وہ تنہا گورنر تھے جن کے صوبے کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔ ان کی فوج اور عوام ان پر جان دیتے اور ان کے سب سے زیادہ مطیع و فرماں بردار تھے۔ ایران۔ خراسان و افغانستان کو چھوڑ کر (کہ ان صوبوں میں عبداللہ بن سبا یا اس کے ایجنٹ نہیں پہنچ

---

[1] فتوح البلدان صـ ۱۲۶ [2] الکامل ابن اثیر جلد سوم صـ ۶۶

شام واحد صوبہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں قطعاً حصہ نہیں لیا۔ یہ مزید ثبوت ہے اس امر کا کہ حضرت معاویہؓ بہت بڑے منتظم اور بہت بڑے مدبر تھے۔ شام پر ان کی گرفت نہایت مضبوط تھی۔ لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور خوف بھی کھاتے تھے۔ ان کی انتظامی و عسکری قابلیت ان کی فراست، ان کی خاندانی شرافت، ان کا حلم و بردباری اور ان کی سخاوت یہ ایسی خصوصیات ہیں جن میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔ البتہ ان کی سیاست کے بعض پہلو ضرور قابل اعتراض ہیں اور وہ بھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد والے دور سے تعلق رکھتے ہیں[1]۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک ان کا دامن ہر داغ سے پاک رہا۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جس شخص نے جزیرہ نمائے عرب کے باہر اسلامی سلطنت کے قیام کے لئے سب سے پہلے سرفروشانہ مساعی انجام دیں اور ان میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی جس کے صوبے کا نظم و نسق سب سے بہتر رہا

---

[1] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے جو طرز عمل اختیار کیا اور حضرت علیؓ جیسے بے نفس عاشق اسلام اور خلیفہ برحق کیخلاف علم جنگ بلند کیا اسکے نتائج و عواقب اور پس منظر پر ہم اپنی کتابوں "مقام حسینؓ"، "علیؓ اور انکی خلافت"، "حیات حسنؓ" اور "عائشہؓ اور خلافت علیؓ" میں تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں اور اپنے اس موقف پر آج بھی ہم اسی طرح قائم ہیں۔ (مولف)

جس کے عوام اس کے سب سے زیادہ گرویدہ رہے یعنی جس میں ایک اعلیٰ درجے کے جرنیل کی خصوصیات بھی موجود تھیں اور ایک سول حاکم کی بھی اس کی حدود امارت میں توسیع کر کے حضرت عثمانؓ سے کون سا قصور سرزد ہوا؟

یہ ہیں حضرت عثمانؓ کے وہ قرابت دار گورنر جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں حضرت عثمانؓ نے عالم اسلام پر مسلط کر کے گناہ عظیم کیا۔ یہ وہ گورنر ہیں جن کی شرافت، فراست، شجاعت، سیاست، عوام دوستی اور خلق خدا کی ہمدردی کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ہاں اگر حضرت عثمانؓ ایسے لوگوں کو مسلمانوں پر مسلط کر دیتے جو پرلے درجے کے نااہل، عیاش، ظالم اور حدود اللہ کو پامال کرنے والے ہوتے تو معترضین اعتراض کرنے میں حق بجانب تھے مگر یہاں تو ایسا نہیں ہے۔

اب ہم اس اعتراض کے ایک اور پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں. اور وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو حکومت کے عہدوں پر مقرر کیا وہ سب ان کے رشتہ دار تھے؟ یا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو نہ صرف یہ کہ ان کے رشتہ دار نہیں تھے بلکہ ان کے قبیلے سے بھی کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بڑے بڑے صوبے اور اہم ترین شہر مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) مکہ معظمہ (۲) طائف (۳) صنعا (۴) جند
(۵) بصرہ (۶) شام (۷) کوفہ (۸) قرقیسا
(۹) آذربائیجان (۱۰) حلوان (۱۱) ماہ (۱۲) ہمدان
(۱۳) رے (۱۴) اصفہان (۱۵) ماسبذان (۱۶) مصر
مدینہ منورہ دارالخلافہ تھا اور وہاں خود خلیفہ موجود تھا۔

یہ ہیں وہ سولہ صوبے اور اضلاع جنہیں اس عہد میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ باقی علاقے انہیں کے ماتحت تھے۔ آئیے دیکھیں ان میں سے کتنے علاقوں پر حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار مقرر تھے اور کتنے علاقوں پر ایسے لوگ جن کا حضرت عثمانؓ کے خاندان یا قبیلے سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۱) مکہ پر عبداللہ بن حضرمی مصری (۲) طائف پر قاسم بن ربیعہ ثقفی
(۳) صنعا پر یعلی بن امیہ (۴) جند پر عبداللہ بن ربیعہ
(۵) بصرہ پر عبداللہ بن عامر (۶) شام پر حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان
(۷) کوفہ پر ولید بن عقبہ بعد میں سعید بن العاص
(۸) قرقیا پر جریر بن عبداللہ (۹) آذربائیجان پر اشعث بن قیس کندی
(۱۰) حلوان پر عتیبہ بن نہاس (۱۰) ماہ پر مالک بن حبیب
(۱۲) ہمدان پر نسیر بن ذعلوق ثوری کوفی (۱۳) رے پر سعید بن قیس
(۱۴) اصفہان پر سائب بن اقرع (۱۵) ماسبذان پر خنیس۔

(۱۶) مصر پر عبداللہ بن ابی سرح۔

یہ ہیں وہ سولہ حاکم جو ۳۵ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سال ہے سلطنتِ اسلامیہ کے مختلف علاقوں پر حکومت کر رہے تھے۔ ان میں سے شام کے حاکم معاویہؓ، کوفہ کے حاکم ولید بعد کو سعید، بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر اور مصر کے حاکم عبداللہ بن سرح کے علاوہ ایک حاکم بھی حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار نہ تھا۔ گویا ۱۶ حاکموں میں سے ۴ یا ۵ حاکم ایسے تھے جو ان کے قرابت دار تھے باقی ۱۱ یا ۱۲ حاکم ایسے تھے جن کا حضرت عثمانؓ سے کسی قسم کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ تعجب ہے کہ معترضین کی نگاہ اس طرف نہیں جاتی کہ اگر ۱۶ حاکموں میں سے چار حاکم انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں سے مقرر کر دئے تو کون سی قیامت آگئی جب کہ وہ سب نہایت قابل اور ہر لحاظ سے اس منصب کے اہل تھے باقی ۱۲ حاکم تو ان کے رشتہ دار نہ تھے اسی قسم کا اعتراض حضرت علیؓ پر بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یمن پر عبیداللہ بن عباسؓ کو مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ کو مدینہ پر شمامہ بن عباسؓ کو بصرہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اور مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابوبکرؓ کو گورنر مقرر کیا اور یہ سب ان کے رشتہ دار

۱؎ منہاج السنۃ جلد سوم ص۱۷۳ و تاریخ ابن خلدون

تھے۔ لیکن ایران ایسا صوبہ تھا جس پہ حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو گورنر مقرر کیا جو آپ کا رشتہ دار نہ تھا۔ مدینہ پہ حضرت ابو ایوب انصاری کو گورنر مقرر کیا یہ بھی آپ کے رشتہ دار نہ تھے۔ اسی طرح افغانستان اور ملحقہ علاقوں کے گورنر بھی ان کے رشتہ دار نہ تھے۔ خراسان پر جو شخص حاکم مقرر کیا گیا تھا وہ بھی حضرت علیؓ کا رشتہ دار نہ تھا۔ گویا حضرت علیؓ نے بھی مملکتِ اسلامیہ کے سارے صوبوں اور اضلاع پر اپنے رشتہ داروں کو مقرر نہیں کیا بلکہ رشتہ داروں میں سے صرف انہیں لوگوں کو حاکم بنایا جو ان کی نظر میں اس کے اہل تھے۔ باقی علاقوں پہ غیر خاندان کے لوگوں کو حاکم مقرر کیا۔

اس مرحلے پہ ہم حضرت عثمانؓ کے معترضین کو ایک اہم پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ خلفائے راشدین کی حیثیت دنیوی بادشاہوں کی سی نہ تھی۔ یہ درست ہے کہ وہ اسٹیٹ کے سربراہِ اعلیٰ اور حاکم ضرور تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا بھی تھے ــــ وہ رسولِ خدا کے نائب اور جانشین تھے۔ ان کے احکام اور طرزِ عمل کو اس طرح تنقید کا نشانہ بنانا اور ان کے ہر فعل پہ جرح و قدح کرنا درست نہیں۔ یہ طرزِ تنقید جمہوریت اور دنیوی طرزِ حکومت میں تو روا رکھا جا سکتا ہے مگر جہاں حاکم اور محکوم کے درمیان اس قدر نازک اور مقدس رشتہ ہو

وہاں تنقید کا انداز جو بدظنی کا پہلو لئے ہوئے ہے بلکہ سراسر بدظنی ہے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دنیوی حکمران اپنے عوام اور پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں مگر خدا کے رسولؐ کا خلیفہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ دنیوی حکمران پارلیمنٹ اور اپنے مشیروں کے مشوروں کے پابند ہوتے ہیں لیکن خلیفہ اپنے مشیروں سے مشورہ ضرور لیتا ہے مگر اس مشورہ کا پابند نہیں ہوتا اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے مشیروں کا محکوم اور ان کے تابع فرمان ہے جو لوگ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ پر گورنروں کے عزل و نصب کے معاملے میں اعتراض کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ خلیفہ ہی کیا ہوا جسے اپنی مرضی سے کسی گورنر کو مقرر کرنے سے یا برطرف کرنے کا بھی اختیار نہ ہو اگر اس نقطۂ نظر سے اس اعتراض پر غور کیا جائے تو نہ حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے نہ حضرت علیؓ پر۔

جاگیریں اور اموال دینے کا الزام

حضرت عثمانؓ پر معترضین نے یہ الزام بھی لگایا تھا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور بعض صحابہ کو جاگیریں دیں۔ آج کے بعض کوتاہ بین لوگ بھی حضرت عثمانؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں حضرت عثمانؓ نے اس اعتراض کا بڑا معقول

اور مسکت جواب دیا تھا کہ میں نے اپنے رشتہ داروں کو جو اموال یا زمینیں دیں وہ بیت المال یا قوم کی ملکیت نہ تھیں۔ میں نے جو کچھ دیا اپنے ذاتی مال سے دیا۔ جہاں تک صحابہ یا بعض افراد کو جاگیریں دینے کا سوال ہے تو معترضین اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے جاگیریں تقسیم کر کے کوئی بدعت نہیں کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اصحاب کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ چنانچہ اہل سنت کے بہت بڑے عالم امام اور مورّخ حضرت امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ :۔

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگوں کو تالیف قلب کے لئے جاگیریں عطا فرمائیں۔ آپ کے بعد آپ کے خلفائے نے بھی اسی روش کو اختیار کیا۔"[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جاگیریں دینا اسلام میں کوئی جرم نہیں ہے اور اگر جرم ہوتا تو سیدنا حضرت علیؓ کبھی یہ اقدام نہ کرتے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت زبیرؓ، حضرت خبابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابن ہبارؓ کو

---

[1] کتاب الخراج ص۶۱

جاگیریں عطا فرمائیں[1]۔ اسی طرح انہوں نے کردوس بن ہانی اور سوید بن غفلہ کو بعض زمینیں بہ طور جاگیر عطا[2] فرمائیں۔ پس حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص انہیں موردِ الزام قرار دینا چاہے گا تو اس اعتراض کی زد سے نہ حضرت علیؓ بچ سکیں گے نہ حضرت عمرؓ، نہ حضرت ابوبکرؓ اور پھر (خاکم بدہن) بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک جا پہنچے گی۔

---

[1] تعلیقات العواصم ص۱۰۱ [2] تعلیقات العواصم ص۱۰۱

مدینہ پر یورش

مدینہ پر یورش

حضرت عثمانؓ نے اعتراضات کے اس قدر مدلل اور مسکت
جوابات دیئے کہ معترضین کے پاس مزید جرح وقدح کرنے کی
گنجائش باقی نہ رہی اور وہ بظاہر مطمئن ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو
واپس چلے گئے۔ مگر ان کی واپسی ہی ایک بہت بڑے فتنہ کا پیش خیمہ
ثابت ہوئی۔ ان لوگوں نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق
اپنے اپنے علاقوں میں جا کر یہ پروپگنڈہ شروع کیا کہ ہم خلیفہ کے پاس
اپنی شکایات لے کر گئے تھے مگر انہوں نے ان میں سے کسی شکایت
کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہمارا کوئی مطالبہ تسلیم کیا بلکہ ہمیں صاف جواب
دے کر ناکام واپس بھیج دیا۔ یہ پروپگنڈہ اس قدر زور شور سے کیا
گیا کہ بکثرت لوگ اس کا شکار ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا نے جو مصر میں بیٹھا

ان کے تار ہلا رہا تھا۔ ان لوگوں سے خط و کتابت کی اور انہیں ہدایت کی کہ آئندہ حج کے موقع پر تم لوگ مدینہ آؤ اور اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لاؤ۔ اس نے کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو یہ بھی لکھا کہ اس بار میں بھی مدینہ آؤں گا اور اپنے منصوبے کو بہر قیمت عملی جامہ پہناؤں گا۔ چنانچہ رجب ۳۵ھ میں مصر کے مفسدین عبداللہ بن سبا کی قیادت میں حج کا ارادہ ظاہر کر کے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ کوفہ اور بصرہ کے شر پسند بھی منظم ہو کر نکلے اور یہ سب مدینہ سے تین میل دور پہنچ کر ٹھہر گئے۔ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کو ان لوگوں کے عزائم پر کچھ شک ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے احتیاطاً اپنا قاصد ایک تیز رو اونٹ کے ذریعے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج کر ان کی آمد کی اطلاع دیدی تھی جب صحابہ اور اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ مفسدوں کا ایک گروہ عنقریب مدینہ پہنچنے والا ہے تو وہ مسلح ہو کر شہر سے باہر نکل آئے تاکہ ان لوگوں کو شہر میں نہ داخل ہونے دیں۔ چنانچہ جب کوفہ، بصرہ اور مصر کے یہ باغی مدینہ کے قریب پہنچے اور حضرت عثمانؓ کے جاں نثاروں کو سدِ راہ پایا تو ان لوگوں نے شہر سے باہر ہی پڑاؤ کرنے میں عافیت دیکھی اور مصری گروہ ذوالمروۃ میں بصری گروہ ذی خشب میں اور کوفی گروہ اعوص میں خیمہ زن ہو گیا۔ حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے ان سے ان کی آمد کا مقصد

دریافت کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ازواجِ مطہرات اور حضرت عثمانؓ سے مل کر اپنی شکایات کا ازالہ کرانے آئے ہیں۔ مگر صحابہ اور اہلِ مدینہ نے ان کے بیان پر اعتبار نہ کیا اور انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس پر یہ لوگ تو یہیں ٹھہر گئے البتہ اپنے چند نمائندے مدینہ بھیج دیئے جنہوں نے ازواجِ مطہرات اور صحابہ سے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف شکایات کیں۔ ایک روایت کے مطابق گروہِ مفسدین کے دو سرکردہ افراد زیاد بن النضر اور عبداللہ بن الاصم مدینہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے یہ ازواجِ مطہرات کے پاس گئے اور ان سے حضرت عثمانؓ کے گورنروں کی شکایتیں بیان کیں۔ روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات سے درخواست کی کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرانے میں ہماری امداد کیجئے۔ مگر انہوں نے اس فعلِ مذموم میں ان کی امداد کرنے سے انکار کر دیا اور جھڑک کر اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ ان لوگوں نے ازواجِ رسولؐ سے عرض کیا کہ ہمیں مدینہ آنے کی اجازت دلوا دیجئے۔ ازواج النبیؐ نے ان کی یہ درخواست بھی رد کر دی[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۶

اس کے بعد مصریوں کا ایک وفد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ان سے بھی وہی درخواست کی جو قبل ازیں ازواج مطہرات سے کر چکے تھے۔ دوسرا وفد جو اہل بصرہ کے چند لوگوں پر مشتمل تھا حضرت طلحہؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور تیسرا وفد جو اہل کوفہ کے نمائندوں پر مشتمل تھا حضرت زبیرؓ کے پاس گیا اور ان سے حضرت عثمانؓ کو معزول کرانے میں امداد کرنے کی درخواست کی۔ ان تینوں حضرات نے انہیں نہایت سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ اللہ کے صالح بندوں کو یقین ہے کہ ذی المروہ اور ذی خشب (ان دونوں مقامات پر مفسدین کی جماعتیں خیمہ زن تھیں) والے لشکر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہیں۔ خدا تمہاری مدد نہ کرے تم لوگ واپس نکلے جاؤ۔[1]

واپسی اور دوبارہ یورش

۔ ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کی طرف سے جوابِ صاف پا کر یہ لوگ بظاہر اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اہلِ مدینہ

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۶

مطمئن ہو کر شہر میں واپس آ گئے لیکن مفسدین کی واپسی بھی دراصل ایک چال تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ کے ہزاروں نوجوان مسلح ہو کر صحابہ کی قیادت میں شہر سے باہر جمع ہو گئے ہیں۔ اگر ہم نے شہر میں داخل ہونے کی جبراً کوشش کی تو سخت جنگ ہوگی اور ہمارا غالب آنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کو غافل کرنے کے لئے یہ لوگ مدینہ سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے اور چند روز سفر کرنے کے بعد (دوسری روایت کے مطابق ایک دن سفر کرنے کے بعد) اچانک رات کے وقت شہر میں داخل ہو گئے۔ اہلِ مدینہ اطمینان سے اپنے گھروں میں سو رہے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مفسدین اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے ہیں اس لئے انہوں نے حفاظتی انتظامات ختم کر دیئے تھے۔ جب نعروں کی صداؤں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے مدینہ کے در و دیوار گونجنے لگے تو اہلِ مدینہ کو معلوم ہوا کہ یہ تو ایک چال تھی جو انہیں فریب دینے کے لئے چلی گئی لیکن اب وقت گذر چکا تھا اور اہلِ مدینہ بے بس ہو چکے تھے کیونکہ ان مفسدوں کی تعداد دو اور تین ہزار کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ جو شخص گھر میں بیٹھا رہے گا اسے امان دی جاتی ہے لیکن جو مزاحمت کی کوشش کرے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ مفسدین کا مدینہ میں داخلہ اس قدر غیر متوقع اور

اچانک تھا کہ ہر شخص دم بخود رہ گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے شہر کے ناکوں اور اہم مقامات پر پہرے بٹھا دیئے تاکہ باہر سے کوئی مدد نہ آسکے اور لوگ یکجا ہو کر کوئی مشورہ نہ کر سکیں۔

مفسدین اور حضرت عثمانؓ کے درمیان مناظرہ

کہا جاتا ہے کہ مفسدوں کی مدینہ میں دوبارہ آمد پر حضرت عثمانؓ نے ان کے نمائندوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ جب وہ واپس چلے گئے تھے تو اب دوبارہ کیوں آئے۔ اس وقت حضرت علیؓ اور بہت سے صحابہ بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ اس پر مفسدین کے ان نمائندوں نے کہا کہ ہم اپنے علاقوں کو واپس جا رہے تھے کہ ہمیں ایک شتر سوار ملا جو کبھی ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگتا کبھی پیچھے ہو جاتا۔ ہمیں اس پر شک گزرا جب ہم نے اسے پکڑ کر تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک خط نکلا جس کے نیچے امیر المومنین کی مہر ثبت تھی اور اس خط میں گورنر مصر عبداللہؓ بن ابی سرح کو ہدایت کی گئی تھی کہ جب مصر کے لوگ مدینہ سے واپس پہنچیں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں ہم میں سے بعض کو کوڑے مارنے، بعض کو قتل کرنے اور بعض کی داڑھیاں مونڈنے کی بھی تاکید کی گئی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ سے اس خط کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے

لاعلمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ نہ میں نے خط لکھا نہ کسی سے لکھوایا اور نہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم ہے۔ اس پر صحابہ نے بیک زبان ہوکر کہا کہ امیر المومنین سچ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ امیر المومنین! یہ کیسے ممکن ہے کہ غلام آپ کا ہو' اونٹ آپ کے بیت المال کا ہو خط پر مہر آپ کی ہو اور پھر بھی یہ یقین کر لیا جائے کہ خط آپ نے نہیں لکھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اونٹ بیت المال سے چوری نہیں کیا جا سکتا؟ جعلی خط نہیں لکھا جا سکتا؟ اور کیا ایک مہر جیسی دوسری مہر نہیں بنوائی جا سکتی؟ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ پھر یہ حرکت مروان نے کی ہوگی اس لئے آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کا یہ مطالبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر آپ کا خون ہمارے لئے حلال ہے[1]

ایک روایت کے مطابق جب حضرت عثمانؓ نے اس خط سے اپنی بریت کا اظہار کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ عین ممکن ہے کہ کسی نے بیت المال سے اونٹ چرا لیا ہو اور میری طرف سے فرضی خط لکھ کر جعلی مہر لگا دی ہو تو مفسدین نے کہا کہ اگر آپ اتنے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۹۱

بے خبر ہیں کہ آپ کے بیت المال سے اونٹ چرالیا جائے۔ آپ کی طرف سے جعلی خط لکھا جائے اور اس پر آپ کی مہر لگادی جائے اور آپ کو کانوں کان خبر نہ ہو تو اس صورت میں آپ خلافت کے اہل ہی نہیں۔ اس لئے اس منصب سے دست بردار ہو جائیے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ" یہ قمیض (خلافت) مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنائی ہے میں اسے ہرگز نہیں اتاروں گا[1]"

حضرت علیؓ کی نکتہ آفرینی

جس وقت مفسدین اور حضرت عثمانؓ کے درمیان سوال و جواب ہو رہے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ بھی موجود تھے جب مفسدوں نے خط پکڑے جانے کا واقعہ بیان کیا تو حضرت علیؓ نے کمال ذہانت سے کام لے کر ان سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ خط تو مصر کے لوگوں نے پکڑا مگر اس واقعے کا کوفے اور بصرہ کے لوگوں کو کیسے علم ہو گیا جو تم سب کے ساتھ اکٹھا ہو کر واپس آگئے جب کہ مصر کوفہ اور بصرہ ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں واقع ہیں خدا کی قسم

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۰۵

a

یہ سازش مدینہ ہی میں تیار کی گئی ہے۔[1]

حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا کہ جب سارے مفسد ایک ہی وقت میں مدینہ سے اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہوئے تو جتنا فاصلہ اہل مصر طے کر چکے ہوں گے اتنا ہی فاصلہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ طے کر چکے ہوں گے خط پکڑا اہل مصر نے تو اصولاً صرف اہلِ مصر کو واپس آنا چاہیئے تھا اور اہل کوفہ و بصرہ کو اپنا سفر جاری رکھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ انہیں تو اس واقعے کی خبر نہ تھی مگر ان تینوں علاقوں کے لوگ بیک وقت مدینہ میں داخل ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خط مدینہ کے دورانِ قیام میں لکھا گیا اور عبداللہ بن سبا کے مشورے سے لکھا گیا کیونکہ سازش جعل سازی اور منصوبہ سازی میں اسے کمال حاصل تھا اور پھر یہ طے کیا گیا کہ ایک مقررہ دن تینوں علاقوں کے لوگ مدینہ واپس آجائیں اور پھر یہ خط حضرت عثمانؓ اور صحابہ کے سامنے پیش کر دیں۔ حضرت علیؓ کے اس سوال کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس نے مفسدین کو بالکل لاجواب کر دیا اور اگر انہوں نے کوئی جواب دیا تو وہ انتہائی غیر معقول کہ "خواہ آپ کچھ کہیں ہمیں اس شخص (حضرت عثمانؓ) کی مطلق ضرورت نہیں۔"[2]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۸۶

[2] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۷۴

خط کی حقیقت

حضرت عثمانؓ کی طرف جو خط منسوب کیا گیا ہے وہ اس وقت سے آج تک بحث و تحیص کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس معاملے میں دو نقطہ ہائے نگاہ ہیں۔ بعض لوگ جو حضرت عثمانؓ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ خط حضرت عثمان ہی کے ایما سے لکھا گیا اور انہوں نے دانستہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جو ان کے اور باغیوں کے درمیان ہوا تھا۔ دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اس معاملے میں حضرت عثمانؓ بالکل بے گناہ ہیں۔ یہ خط مروان نے حضرت عثمانؓ کے علم و اطلاع کے بغیر لکھا اور چونکہ وہ آپ کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا اور آپ کی مہر اس کے پاس رہتی تھی اس لئے اُس نے خط لکھ حضرت عثمانؓ کی مہر ثبت کر دی۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں نقطہ ہائے نگاہ غلط ہیں۔ یہ خط نہ حضرت عثمانؓ نے لکھوایا اور نہ مروان نے لکھا اس میں شک نہیں کہ مروان مفسد آدمی تھا اور جن لوگوں نے اسے "حضرت" اور "رضی اللہ" بنانے کی کوشش کی ہے انہوں نے تاریخ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ جہاں تک ان روایتوں کا تعلق ہے جن سے مروان کی فضیلت ثابت کی جاتی ہے تو ایسی روایتیں کس کے حق میں موجود نہیں؟

آخر وہ لوگ بھی تو ہیں جو یزید جیسے فاسق شخص کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے اسی قسم کی جعلی اور فرضی روایتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ جن لوگوں کی تاریخ پر گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بنو امیہ کے عہد اقتدار میں روایتیں گھڑنے کے کارخانے قائم تھے جن سے روائتیں ڈھل ڈھل کر نکلتی تھیں، ان کی ضد میں بنو ہاشم کے ہواخواہوں نے بھی روایت سازی کے کارخانے قائم کر لئے تھے اور وہ حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کے حق میں نہایت مبالغہ آمیز روائتیں گھڑتے تھے ایک غیر جانبدار مورخ کو ان دونوں قسم کی روائتیں قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور واقعات کی بنیاد ان روایتوں پر رکھنی چاہیئے جو ان شخصیتوں کے مزاج اور سیرت و کردار سے میل کھاتی ہوں۔ یزید اور مروان کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے جو روائتیں پیش کی جاتی ہیں چونکہ وہ ان دونوں کے عام اخلاق و کردار سے میل نہیں کھاتیں اس لئے انہیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اب ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا جانے والا خط نہ انہوں نے لکھا تھا اور نہ مروان نے بلکہ یہ خط ان مفسدوں کے سرخیل عبداللہ بن سبا کے سازشی ذہن کی پیداوار تھا۔ ذیل میں ہم اپنے اس موقف کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں۔

کیا یہ خط مروان نے لکھا تھا؟

(۱) "جو لوگ اس خط کو مروان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ جب اس خط کو غور سے دیکھا گیا تو اس کا سوادِ خط پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ یہ مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس لئے معترضین یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے کہ مروان کو ان کے حوالے کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے ان کا یہ مطالبہ رد کر دیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ خط مروان نے اس لئے لکھا تھا کہ مفسدین کو عبرت ناک سزائیں ملیں اور ان کے سرغنہ قتل کر دیے جائیں تو اس نے یہ خط صرف مصر ہی کے گورنر کو کیوں لکھا کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی کیوں نہ لکھا۔ اس میں کون سی مصلحت تھی کہ ایک صوبے کے مفسد تو سزا پائیں اور دوسرے صوبوں کے لوگ اپنی من مانی حرکات کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیئے جائیں۔ مروان کا مقصد تو اسی صورت میں حل ہو سکتا تھا جب ہر صوبے کے باغیوں کا قلع قمع ہو جاتا۔ اس لئے اگر یہ خط مروان نے لکھا ہوتا تو وہ کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کے نام بھی اسی مضمون کے خط لکھتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی مروان کی نہیں بلکہ مفسدین کے سرداروں کی تھی۔

(۲) اگر یہ خط مروان نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور خلیفہ کی مہر لگا کر (جو بعض لوگوں کے بقول مروان کی تحویل میں رہتی تھی) بیت المال کے غلام کے ذریعہ مصر کے گورنر کے پاس بھیجا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ غلام کیوں نہ پیش کیا گیا۔ اس مقدمے کا سب سے مضبوط گواہ جو اس سارے واقعے کا رازدار اور فیصلہ کن شاہد تھا، شروع سے آخر تک اس ڈرامے کے اسٹیج پر نہیں آتا۔ اگر باغی اپنے دعوے میں سچے تھے اور یہ ان کی سازش نہیں تھی تو خط اور اونٹنی کے ساتھ وہ غلام بھی پیش کرنا چاہئے تھا جو یہ خط لے کر جا رہا تھا کیونکہ خط اور اونٹنی تو بول نہ سکتی تھی غلام تو اپنی زبان سے شہادت دے سکتا تھا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مروان کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ساری کارروائی مفسدین کے سردار عبداللہ بن سبا کی تھی۔

(۳) اس خط کو مروان کی طرف منسوب کرنے میں عبداللہ بن سبا کے پیش نظر ایک خاص نکتہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ خط مروان نے نہیں بلکہ خود اس نے لکھا تھا اور جب مروان کا لکھا ہوا نہیں تھا تو لازمی بات تھی کہ مروان کو کسی طرح ان کے حوالے نہ کیا جاتا اور جب مروان کو ان کے حوالے نہ کیا جاتا تو وہ اسے ایشوع بنا کر ایک بڑا ہنگامہ بپا کر سکتے اور کہہ سکتے تھے کہ دیکھو خط پکڑ لیا گیا۔ بیت المال کی اونٹنی بھی موجود ہے

لکھنے والے (مروان) کی نشاندہی بھی کردی گئی مگر پھر بھی اسے ہمارے حوالے نہیں کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود خلیفہ اس سازش میں شریک ہے اس لئے اسے معزول کردینا چاہیئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ یہی امران کی مقصد برآری میں ممد و معاون ہو سکتا تھا اس لے کہ حضرت عثمانؓ کی بے گناہی تو پہلے ہی ثابت ہوچکی تھی اب ایسا کوئی ہتھیار ان کے پاس نہ تھا جسے وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف استعمال کرتے چنانچہ انہوں نے اس خط کو مروان سے منسوب کردیا ورنہ مروان کا اس سے کوئی تعلق[1] نہ تھا۔"

(۴) اب ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر اس خط کا لکھنے والا عبداللہ بن سبا تھا تو اس نے یہ جعلی خط صرف مصر کے گورنر کے نام کیوں لکھا۔ کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کے نام بھی جعلی خط کیوں نہ لکھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن سبا بڑا ذہین اور دور بین آدمی تھا۔ وہ اپنے منصوبوں کو پوشیدہ رکھتا تھا اور اپنی جماعت کے لوگوں میں

---

[1] "کیا یہ خط مروان نے لکھا تھا؟" اس عنوان کے تحت (۱) سے (۳) تک کی عبارت ہم نے اپنی کتاب "علیؓ اور ان کی خلافت" سے نقل کی ہے۔ کیونکہ متذکرہ کتاب میں ہم اس موضوع پر اظہار خیال کرچکے ہیں۔ یہ مناسب نہ تھا کہ انہیں دلائل کو الفاظ تبدیل کرکے یہاں لکھ دیا جاتا۔

[illegible] کے سلسلے میں بھی ہم نے ایک معرکۃ الآراء کتاب "اسلام میں اختلافات کا آغاز" سے استفادہ کیا ہے [illegible]

سے ہر شخص پر اعتبار نہ کرتا تھا تاکہ ان منصوبوں کی حقیقت لوگوں پر ظاہر نہ ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ اس کے ایجنٹ کوفہ اور بصرہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر وہ اہم معاملات میں رازدار صرف ان لوگوں کو بناتا تھا جن پر اسے غیر معمولی اعتماد ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ ایسا خطرناک منصوبہ جس کے فاش ہو جانے پر وہ نہ صرف حکومت بلکہ اپنے پیروکاروں کی نظروں میں بھی ذلیل ہو جاتا ایسا نہ تھا جسے ایسے لوگوں پر ظاہر کیا جاتا جو کہ تو اس کی جماعت کے مگر اس سے ہزاروں میل دور رہتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ اس نے اس میں صرف ایک شخص کو شریک کیا جو مصری تھا اور اس کا سب سے بڑا معتمد تھا اس نے ایک اعرابی کی خدمات حاصل کیں اور اس طرح یہ سازش پایۂ تکمیل تک پہنچا دی گئی۔ بصرہ اور کوفہ کے گورنروں کے نام جعلی خط نہ لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اتنی قلیل مدت میں بیت المال سے ایک سے زیادہ اونٹوں کا چوری کرنا آسان نہ تھا۔ اونٹ اس سازش میں بڑی اہمیت رکھتے تھے کیونکہ بیت المال کے اونٹوں پر غلاموں کا سفر کرنا اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت تھا کہ یہ خط خلیفہ کے حکم سے بھیجا گیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ابن سبا کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کے نام جعلی خط نہ بھیج سکا کیونکہ ان مقامات پر خط لے جانے کے لئے بیت المال سے اونٹ حاصل کرنا مشکل تھا۔

خط کے جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت

اس خط کے جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے اور وہ یہ کہ مفسدین کے گروہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو جعلی خطوط لکھنے کے عادی تھے ——— اور صحابہ کی طرف سے اس قسم کے جعلی خطوط مختلف لوگوں کے نام لکھا کرتے تھے تاکہ انہیں باور کرا سکیں کہ مدینہ کے اکابر او صحابہ بھی حضرت عثمانؓ کے خلاف ہیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے مدینہ پر یورش کی اور حضرت علیؓ نے انہیں سمجھایا کہ وہ فتنہ و فساد سے باز آجائیں تو انہوں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا تھا۔ یعنی اس وقت تو آپ ہمیں فتنہ و فساد سے باز رہنے کی تلقین کر رہے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی وکالت کرتے ہیں اگر حضرت عثمانؓ کا دامن پاک ہے اور ہمارا یہ اقدام قابل اعتراض ہے تو پھر آپ نے ہمیں ان کے خلاف بغاوت کرنے کی تحریک کیوں کی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کو اس قسم کا کوئی خط نہیں لکھا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۹۱

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا کے ساتھ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو غلطی خوردہ تھا اور معاملے کی حقیقت سے بے خبر تھے، عبداللہ بن سبا نے انہیں فریب دیا۔ انہیں قطعی طور پر تاریکی میں رکھا اور ان پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ حضرت عثمانؓ اپنے افعال کی وجہ سے معزول کرنے کے قابل ہیں۔ صحابہ کی طرف سے جعلی خطوط ان کے سامنے پیش کئے۔ جن میں حضرت عثمانؓ کو معاذ اللہ خطاکار ثابت کیا گیا تھا۔

مورخ و مفسر علامہ ابن کثیر نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ صحابہ کی طرف سے جعلی خطوط لکھنا ان لوگوں کا معمول تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "سبائیوں نے مدینہ کے صحابہ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے جعلی خطوط مختلف لوگوں کو لکھے جن میں دعوت دی گئی تھی کہ حضرت عثمانؓ سے جنگ کرو اور یہ کہ آج جہادِ اکبر یہی ہے[1]۔"

ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جعلی خطوط لکھنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اور یہ ان کا معمول تھا۔ ان حالات میں ہمارے پاس اس امر کا یقین کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۷۳

گورنر مصر کے نام جو خط لکھا گیا تھا وہ انہیں جعل سازوں کی حرکت تھی کیونکہ ماضی میں بھی یہ اس قسم کی جعل سازی کرتے رہتے تھے۔

ایک محکم دلیل

اس خط کے جعلی ہونے کی ایک محکم دلیل یہ ہے کہ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح جن کے نام حضرت عثمانؓ کی طرف سے یہ جعلی خط لکھا گیا تھا ان دنوں مصر میں موجود ہی نہ تھے لیکن ابن سبا کو اس کا علم نہ تھا۔ جب مفسدوں کا یہ گروہ مصر سے مدینہ روانہ ہوا تو عبداللہ بن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں اجازت دیدی۔ چنانچہ وہ مصر سے مدینہ روانہ ہو گئے[1]۔ اجازت کا خط بھیجنے اور پھر حضرت عثمانؓ کا جواب ملنے میں بہرحال کچھ وقت لگا۔ اس دوران میں ابن سبا یہ خط لکھ کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ ادھر یہ لوگ مصر کو روانہ ہوئے اور ادھر عبداللہ بن ابی سرح مدینہ پہنچ گئے۔ مگر چونکہ ابن سبا کو ان کی روانگی اور پھر مدینہ پہنچنے کا علم نہ تھا۔ اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۱۲

یہ خط انہیں کے نام لکھدیا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنر کو مدینہ طلب کر چکے تھے اور وہ مصر میں موجود ہی نہ تھا تو اس کے نام ایسا خط لکھنے کا کیا فائدہ ہو سکتا تھا جس میں باغیوں کو قتل کرنے اور درے لگوانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ خط جعلی تھا اور عبداللہ بن سبا نے لکھا تھا۔[1]

ہمارے خیال میں صرف مندرجہ بالا ایک ہی دلیل اس خط کو جعلی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے لیکن جب اس کے ساتھ وہ تمام دلائل جمع ہو جاتے ہیں جو ہم نے سطور بالا میں پیش کئے ہیں تو اس خط کے جعلی ہونے میں ذرہ برابر شبہ باقی نہیں رہتا اور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو مطعون کرنے اور خلافت کے نظام کو درہم برہم کر دینے کی ایک منظم سازش کی جا رہی تھی جس میں مفسد لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ سادہ لوح اور غلطی خوردہ بھی تھے جن کے سامنے واقعات

---

[1] ظاہر بات ہے کہ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت ابن سبا نے اہل کوفہ و بصرہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ "میں اس قسم کا ایک خط حضرت عثمانؓ کی طرف سے لکھ رہا ہوں" کیونکہ ایسا کہنا اس کے منصوبے کو طشت از بام کر دیتا اس نے صرف یہ کہا تھا کہ تم لوگ اس وقت تو یہاں سے چلے جاؤ مگر فلاں تاریخ اور فلاں وقت مدینہ واپس پہنچ جانا۔ اپنے منصوبے کو اس نے پردۂ راز میں رکھا تھا۔ (مؤلف)

کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ گمراہ ہو گئے ۔

خانۂ خدا میں فساد

باغیوں نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد کچھ عرصے تک تو حضرت عثمانؓ پر سختی نہیں کی ۔ البتہ وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ اہل مدینہ ایک مقام پر جمع نہ ہونے پائیں تاکہ باہمی مشورے سے ان کے خلاف کوئی سخت اقدام نہ کر سکیں ۔ شہر کے اہم ناکوں، بازاروں مساجد اور مدینے کی اہم شخصیتوں کے مکانوں کی نگرانی کرتے اور جہاں دو چار آدمیوں کو گفتگو کرتے دیکھتے ان کے پاس پہنچ کر انہیں منتشر کر دیتے ۔ البتہ مساجد میں آتے اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے نماز ادا کرتے ۔ مسجد نبوی میں آکر حضرت عثمانؓ کا خطبہ سنتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے مگر ایک روز انہوں نے نماز جمعہ کے موقع پر بھی ــــــ شرارت کر ہی دی اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ خانۂ خدا ہے اور خانۂ خدا بھی وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے بنایا تھا مسجد نبویؐ میں آکر فساد کرنا اور اس کی حرمت کو نظر انداز کرنا یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ لوگ دینی اور روحانی لحاظ سے نہایت پست تھے اور اگر ان کے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی محبت ہوتی

توکم ازکم مسجد نبوی میں تو فساد نہ کرتے۔ اب ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی زبانی یہ واقعہ درج کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ان مفسدوں کی حمایت کرنے اور ان کے بعض لیڈروں کو نہایت نیک نفس ثابت کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:۔

ایک روز حضرت عثمانؓ گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے بعد منبر پر بیٹھ کر (مفسدین کو) وعظ کرتے ہوئے کہا کہ "اے دشمنو! خدا کا خوف کرو۔ خدا کی قسم اہلِ مدینہ کو معلوم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق تم لوگ ملعون ہو۔ اس لئے تمہیں چاہیئے کہ نیک کام کر کے اپنی بدیوں کو دور کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ نیکیوں کے ذریعے بدیوں کو دور کردیتا ہے۔ اس موقع پر حضرت محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں اس کی (صداقت کی) گواہی دیتا ہوں۔ اس پر حکیم ابن جبلہ (بصرہ کا مشہور ڈاکو) نے آگے بڑھ کر محمد ابن مسلمہ کو بٹھا دیا۔ ان کے بعد حضرت زیدؓ بن ثابت اٹھے اور فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے ذریعے پوچھو۔ یہ دیکھ کر ایک شخص محمد بن قتیرہ نے آگے بڑھ کر ان کو بھی بٹھا دیا۔ محمد ابن مسلمہؓ اس امر کی گواہی دینا چاہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نیکیوں کے ذریعے برائیوں کو دور فرما دیتا ہے۔ اور حضرت زیدؓ بن ثابت قرآنِ حکیم کی

یہ آیت تلاوت کرنا چاہتے تھے کہ ان الحسنات یذھبن السیئات لیکن ان دونوں حضرات کو (جبراً) بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ایک شخص جبلہ[1] ابن عمرو ساعدی نے کھڑے ہو کر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اے عثمانؓ تم منبر سے اتر آؤ تاکہ ہم تمہیں عبا پہنا کر بوڑھے اونٹ پر بٹھا دیں اور جبل دخان روانہ کر دیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تیرا اور تیری تجویز کا برا ہو۔ یہ جبلہ نامی شخص حضرت عثمانؓ کے ساتھ ٹھٹھا کیا کرتا تھا اور کہتا تھا اگر آپؓ خلافت سے الگ نہ ہوئے تو میں آپ کے گلے میں زنجیر ڈال کر خارشی اونٹ پر سوار کراؤں گا اور دخان نامی پہاڑ پر چھوڑ آؤں گا۔ علاوہ ازیں یہ مروان اور حکم کے اہل خاندان کے بارے میں بھی حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہتا رہتا تھا[2]"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی معزولی کا مطالبہ کرنے والے کس قماش کے لوگ تھے۔ حضرت عثمانؓ سے تو انہیں بغض تھا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابہ حضرت محمد ابن مسلمہؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کی تو انہیں عزت کرنی چاہیئے تھی خصوصاً حضرت زیدؓ تو وہ ممتاز صحابی تھے جنہیں

---

[1] ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے جبلہ کو انصاری لکھا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ [2] الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۱۱

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور جنہوں نے قرآن حکیم جمع کرنے کا مقدس فریضہ ادا کیا تھا مگر ان لوگوں نے ان کے مرتبے کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور نہایت بے ادبی کے ساتھ ان پاک لوگوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ بٹھا دیا اور انہیں اظہار خیال کرنے سے روک دیا۔ اگر ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کی کچھ بھی محبت ہوتی تو ان مقدس صحابہ کی بات بڑے احترام اور توجہ سے سنتے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے۔ پھر جبلہ بن عمرو کا خانہ خدا میں کھڑے ہو کر حضرت عثمانؓ کو بدتمیزی سے مخاطب کرنا اور ان سے کہنا کہ ہم تمہارے گلے میں زنجیر ڈال کر اور خارش زدہ اونٹ پر سوار کر کے مدینہ سے نکال دیں گے ثابت کرتا ہے کہ یہ سارا طائفہ نہایت گندہ ذہن اور گستاخ لوگوں پر مشتمل تھا جنہیں امیر المومنین اور خلیفہ رسولؐ سے کلام کرنے کا بھی سلیقہ نہ آتا تھا اور ان کا مقصد معاملات کو سلجھانا نہیں بلکہ اور الجھانا تھا۔

حضرت عثمانؓ زخمی ہو گئے

مفسدوں نے صرف زبانی طعن و تشنیع ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ دیکھ کر کہ بعض لوگ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اہل مدینہ پر یورش کر دی اور چاروں طرف سے

سنگ باری کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ منبر نبوی پر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مقدس عصا ان کے ہاتھ میں تھا جس کے سہارے بیٹھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک مفسد نے جس کا نام جہجاہ بن سعید تھا آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ سے وہ عصا چھین لیا اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی حملہ کر دیا اور ان کی جانب پتھر پھینکنے لگے۔ ایک یا دو پتھر آپ کو لگے اور آپ زخمی ہو کر منبر سے نیچے گر پڑے[1]

یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ اہل مدینہ اور خصوصاً صحابہ کرام آسانی سے برداشت کر لیتے چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ اور بعض اور صحابی تلواریں لے کر مفسدوں کی طرف جھپٹے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ:۔

میں آپ لوگوں کو خدا کی قسم دے کر کہتا کہ اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں ــــ ایک

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ جلد ہفتم ص۱۷۶

روایت کے مطابق آپ نے بہت سختی سے حکم دیا کہ باغیوں سے جنگ نہ کی جائے[1]۔

اس واقعے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا اور امامت کے فرائض حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ انجام دینے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد مفسدوں نے ان بزرگ صحابہ کو بھی امامت کرنے سے روک دیا اور اپنے ساتھیوں میں سے غافقی نامی ایک شخص کو امام مقرر کیا۔ یہ مصر کے مفسدوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بعد آپؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۸۹

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کی شہادت

مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تو اہل مدینہ پر اور زیادہ سختی شروع کر دی گئی اور عامۃ الناس کو ان کے پاس جانے سے روک دیا گیا۔ البتہ مدینہ کے اکابر یعنی انصار و مہاجرین پر کچھ عرصے تک سختی نہ کی گئی اور انہیں اجازت تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ سے مل لیا کریں مگر یہ ملاقات بھی انفرادی ہوتی تھی یعنی ایک ایک دو دو صحابی جا کر حضرت عثمانؓ سے مل آتے تھے۔ ان ملاقاتوں میں صحابہ نے حضرت عثمانؓ کو متعدد مشورے دیئے کہ اگر وہ قبول کر لئے جاتے تو شاید حضرت عثمانؓ کی جان بچ جاتی اور ملتِ اسلامیہ بھی انتشار و افتراق کا شکار ہونے سے محفوظ ہو جاتی مگر جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یقین ہو چکا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جس فتنے کی خبر دی تھی وہ رونما ہو چکا ہے۔ اسی لئے وہ صحابہ کو اپنی حمایت میں لڑنے سے روکتے تھے اور نہ کوئی ایسا مشورہ قبول کرتے تھے جس کے نتیجے میں انہیں مدینہ چھوڑنا پڑتا۔

حضرت مغیرہؓ کا مشورہ

چنانچہ محاصرہ کے دوران ایک روز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہو کر ان مصائب و آلام میں مبتلا ہیں۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے میں تین تجویزیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ان میں سے کوئی ایک تجویز قبول کر لیجئے۔

(۱) محاصرین سے مقابلہ کیجئے۔ لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ صاحب قوت ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔

(۲) صدر دروازہ کے علاوہ ایک اور دروازہ نکلوا کر مکہ چلے جائیے یہ لوگ وہاں آپ کو قتل کرنے سے گریز کریں گے کیونکہ وہ دارالحرم ہے۔

(۳) شام چلے جائیے۔ وہاں معاویہؓ موجود ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ وہ آپ کی حمایت کے لئے کافی ہیں۔

حضرت مغیرہؓ کی تجاویز کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں سے جنگ نہیں کروں گا کیونکہ میں امتِ محمدیہ میں خون ریزی کرنے والا پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا۔ مکہ اس لئے نہیں جاؤں گا کہ میں نے آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ایک[1] قریشی اہلِ مکہ پر ظلم کرے گا جس پر نصف دنیا کا عذاب نازل ہوگا۔ جہاں تک شام جانے کا سوال ہے تو میں دارالہجرت اور قربِ رسولؐ کو چھوڑنا گوارا نہیں کرسکتا[2]"

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت زیدؓ بن ثابت۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابوہریرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ باغیوں کا زور بڑھتا جارہا ہے۔ آپ ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ان سے جنگ کریں۔ اہلِ مدینہ ان لوگوں سے آپ کی حمایت میں لڑنے کے لئے بیتاب ہیں مگر حضرت عثمانؓ نے ان سب کو قسمیں دے دیکر لڑائی سے روک دیا۔

---

[1] یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ تھا جس کے لشکر والں نے مکہ کے لوگوں پر سخت ظلم وستم کئے۔ خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ یہاں تک غلافِ کعبہ اور ایک روایت کے مطابق دیوارِ کعبہ کو نقصان پہنچا۔ [2] مسند احمد بن حنبل جلد اوّل ص۶۷

صحابہ کھانا اور پانی پہنچاتے ہیں

حضرت عثمانؓ کی اس فطری نرمی سے باغیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے آپ پر کھانا اور پانی تک بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہو سکے تو کچھ کھانا اور پانی مجھے بھجوا دیجئے۔ یہ دونوں حضرات اسی وقت کھانے کی چیزیں اور پانی کے چند مشکیزے لے کر حضرت عثمانؓ کے گھر تشریف لے گئے اور یہ چیزیں ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چند روز تک حضرت علیؓ کے علاوہ امّ المومنین حضرت ام حبیبہؓ بھی حضرت عثمانؓ کے لئے کھانا اور پانی بھیجتی رہیں مگر ایک روز ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کی امداد کرنے سے روک دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو مسلمان تو مسلمان کافر بھی اختیار نہیں کرتے۔ ایسا نہ کرو اور امیر المومنین کو کھانے پینے کی اشیاء سے محروم نہ کرو۔ رومی اور ایرانی بھی جب کسی کو قید میں ڈال لیتے ہیں تو اسے کھانے پینے کو دیتے ہیں حالانکہ امیر المومنین نے تو تم پر کوئی زیادتی نہیں کی پھر تم نے کیوں ان کا محاصرہ کر رکھا ہے اور انکا قتل روا رکھا ہے

۱؎ تاریخ طبری جلد سوم ص۴۱۲

حضرت علیؓ کی اس فہمائش کا ان پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اپنا عمامہ حضرت عثمانؓ کے مکان میں پھینک کر چلے گئے جو اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ میں تو آپ کی امداد کے لئے آیا تھا مگر کیا کروں باغیوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

ام المومنین کی توہین

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کے علاوہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بھی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں کھانا اور پانی بھیجتی رہیں مگر جب محاصرے نے شدت اختیار کر لی تو انہیں خوف ہوا کہ بنو امیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کی وہ وصیتیں جو حضرت عثمانؓ کے پاس رکھی ہیں ضائع نہ ہو جائیں چنانچہ ایک روز وہ خچر پر سوار ہوئیں اور پانی کے چند مشکیزے بھی اپنے ساتھ رکھ لئے۔ جب ام المومنین حضرت عثمانؓ کے گھر کے قریب پہنچیں تو باغیوں نے ان کی مزاحمت کی۔ بعض لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ رسولِ خدا کی حرم محترم ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ہیں۔ یہ سن کر بھی انہوں نے ام حبیبہؓ کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "میں عثمانؓ کے پاس یتیموں اور بیواؤں کی وصیتیں لینے جا رہی ہوں تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ یہ سن کر مفسدین نے ام المومنین کو یہ تہتک آمیز

جواب دیا کہ تم جھوٹ بکتی ہو۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس کے بعد بعض شریر لوگوں نے آپ کے خچر پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیئے۔ خچر گھبرا کر بھاگا اور حضرت ام حبیبہؓ گرتے گرتے بچیں۔ لوگوں نے دوڑ کر آپ کو سنبھالا اور آپ کے گھر پہنچایا۔ جب حضرت عائشہؓ کو حضرت ام حبیبہؓ کی ہتک کا حال معلوم ہوا تو وہ سخت دل برداشتہ ہوئیں اور حج کی غرض سے مکہ روانہ ہو گئیں کیونکہ آپ کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ عجب نہیں کہ کسی روز میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہتک آمیز سلوک کیا جائے۔

یہ ہے ان لوگوں کا کردار جو حضرت عثمانؓ پر طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے اور انہیں اس لئے معزول کرنا چاہتے تھے کہ ان کے خیال کے مطابق وہ خلافِ اسلام حرکات کر رہے تھے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر ان لوگوں میں دینی غیرت ہوتی اور ان کا یہ اقدام اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کی وجہ سے ہوتا تو یہ لوگ رسولِ خدا کی حرم محترم کا ادب کرتے اور ان سے یہ توہین آمیز سلوک نہ کرتے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس قماش کے لوگ تھے۔

لہ تاریخ طبری جلد سوم ص ۱۷۱

حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر

جب محاصرے سنے اور زیادہ شدت اختیار کر لی اور حضرت عثمانؓ کے مصائب میں مزید اضافہ ہوگیا تو ایک روز آپ لپنے مکان کی چھت پر تشریف لائے اور فرمایا کہ "یہاں علیؓ ہیں" لوگوں نے کہا ہیں" پھر فرمایا کہ "کیا طلحہؓ ہیں" لوگوں نے کہا "ہیں" پھر پوچھا کہ سعدؓ (بن ابی وقاص) ہیں" لوگوں نے کہا "ہیں" پھر آپ نے فرمایا کہ "میں آپ لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ سچ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریک کی تھی کہ کون ہے جو فلاں قبیلے کے مویشی خانے کو خرید لے خدا اس کو بخش دے گا. یہ سن کر میں نے وہ مویشی خانہ خرید لیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے وہ مویشی خانہ خرید لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی زمین مسجد میں شامل کر دو۔ خداوند تعالیٰ اس کا ثواب تمہیں عطا فرمائے گا۔ (صحابہ نے کہا) درست ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ خرید لے۔ میں نے یہ کنواں خرید لیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے بیر رومہ

خرید لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے عامۃ المسلمین کے لئے وقف کر دو۔ اللہ تعالےٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا (صحابہ نے کہا) سچ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جیش العسرت والے روز آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی طرف دیکھا اور دریافت فرمایا کہ تم میں کون ہے جو خدا کی راہ میں لڑنے والوں کا سامان تیار کرا دے خدا تعالےٰ اسے بخش دے گا۔ میں نے اہل لشکر کے لئے سارا سامان مہیا کر دیا حتی اکر اونٹ کی ایک مہار کی بھی کمی نہ رہی (صحابہ نے کہا کہ سچ ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے دوبار فرمایا کہ "اے اللہ گواہ اس کے بعد آپ اپنے مکان میں چلے گئے۔[1]

بعض روایتوں میں آپ کی یہ تقریر اس طرح مذکور ہے کہ :۔

"میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سچ نہیں کہ جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت بیر رومہ کے سوائے میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ حضور نے فرمایا کہ کون ہے جو اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء حصہ اوّل ص ۶۲

ند تعالیٰ اسے جنت میں اس سے اچھا صلہ دے گا۔ سو میں نے یہ کنواں اپنے
ل سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا اور آج تم لوگ اس کنوئیں کے
نی سے مجھے محروم کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ میں سمندر کا کھاری پانی استعمال
تا ہوں۔ لوگوں نے کہا" درست ہے" (یعنی آپ ہی نے بیر رومہ خرید کر
مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا) پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم
ے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسجد نبویؐ مسلمانوں کی کثرت کی
جہ سے ان پر تنگ ہو رہی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا کہ کون ہے جو فلاں قبیلے کی اراضی مول لے کر اسے مسجد میں شامل کر دے
خداوند تعالےٰ اسے جنت میں اس اچھا صلہ دے گا۔ میں نے یہ زمین اپنے
مال سے خرید کر مسجد میں شامل کر دی اور آج تم لوگ مجھے اس مسجد میں نماز
پڑھنے سے روکتے ہو۔ لوگوں نے کہا" آپ نے سچ فرمایا۔" (یعنی آپ ہی
نے زمین خرید کر مسجد کو وسیع کیا تھا) پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں
کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے ہی
جیش العسرت کو اپنے مال سے آراستہ کیا تھا۔ لوگوں نے کہا" سچ
ہے"۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک روز آں حضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کوہ ثبیر پر کھڑے تھے
اور میں بھی ان کے ساتھ تھا کہ اچانک وہ ہلنے لگا حتیٰ کہ یوں معلوم ہوا

جیسے اس کے پتھر الگ ہو کر گر پڑیں گے۔ یہ دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے ثبیر! ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں" لوگوں نے کہا کہ درست ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے تین بار فرمایا کہ "اللہ اکبر انہوں نے بھی گواہی دی کہ میں شہید ہوں[1]"

ایک اور روایت کے مطابق اس تقریر کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ کیا یہ سچ نہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حدیبیہ کے مقام سے اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا اور میرے قتل کر دیئے جانے کی خبر مشہور ہوئی تو آپ نے تمام مسلمانوں سے میرے قصاص کی بیعت کی اور اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دے کر دوسرے ہاتھ سے میری طرف سے خود بیعت کی" لوگوں نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی یہ تقریر اتنی مدلل اور اثر انگیز تھی کہ مفسدوں کی اکثریت اس سے بے حد متاثر ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں اس شخص سے تعرض نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر جب ابن سبا نے دیکھا کہ کھیل بگڑنے لگا ہے تو دوسرے روز اس نے لوگوں کو

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ اول ص۲۴

مخاطب کر کے ایک نہایت زہریلی تقریر کی اور انہیں ان کی رائے پر قائم رہنے دیا۔

حضرت عثمانؓ کا ایک اور بیان

بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی میں تشریف لانا چھوڑ دیا تو ایک روز جمعہ کی نماز ابن عدیس نے پڑھائی۔ یہ مصری گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے خطبہ جمعہ میں حضرت عثمانؓ پر بہتان طرازی کی۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: بخدا! ابن عدیس جھوٹ بکتا ہے اگر وہ یہ باتیں نہ کہتا تو میں ان باتوں کا ذکر کبھی نہ کرتا کہ میں اسلام لانے والوں میں سے چوتھا شخص ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے مجھ سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کیا اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری بیٹی میرے عقد میں دے دی۔ میں نے نہ زمانہ جاہلیت میں زنا کیا اور نہ اسلام قبول کرنے کے بعد۔ نہ چوری کا ارتکاب کیا اور نہ گانا گایا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کبھی برائی کی خواہش نہیں کی جس روز میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد وہ ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ

کو نہیں لگایا قبول اسلام کے بعد کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں میں نے غلام آزاد نہ کیا ہو اور اگر کسی جمعہ کو ایسا ممکن نہ ہو سکا تو دوسرے جمعہ میں نے دو غلام آزاد کر دیئے[1]"

مگر افسوس کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی بریت میں جو ٹھوس، مبنی بر حقائق اور مدلل و موثر بیانات دیئے مفسدوں اور باغیوں پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور شرارت پر آمادہ رہے۔ حالانکہ یہ ایسے بیانات تھے جنہیں سن کر پتھروں کے دل بھی پسیج جاتے مگر ان شقی القلب لوگوں کی روش میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور یہ لوگ بدستور اپنے اس مطالبے پر اڑے رہے کہ یا تو حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار رہیں۔

اہلِ مدینہ کا مفسدین پر حملہ

مفسدین کی شرارت اور حضرت عثمانؓ پر سختیاں دیکھ دیکھ کر صحابہ اور اہلِ مدینہ خون کے آنسو رو رہے تھے مگر چونکہ حضرت عثمانؓ نے بہت سختی سے ہدایت فرما دی تھی کہ میری خاطر کوئی شخص اپنی

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۱۸۱

تلوار کو بے نیام نہ کرے۔ اس لئے ہر شخص مجبور تھا۔ دوسرے مفسدین مدینہ کے اکابر کی کڑی نگرانی کر رہے تھے اور اہل مدینہ کو کسی جگہ جمع نہ ہونے دیتے تھے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کی مدافعت کے لئے کوئی منظم اقدام کرنا مشکل تھا۔ مگر ایک روز حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح مہاجرین و انصار کی ایک جماعت فراہم کر کے مفسدین پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ تاریخ خمیس اور حیات الحیوان کا بیان ہے کہ:۔

حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے دوران ایک دن جناب علی مرتضیٰ اسد اللہ جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ مبارک زیب سر فرما کر ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر اور تلوار گلے میں لٹکا کر بغرض امداد و نصرت جناب عثمانؓ اپنے گھر سے نکلے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے آگے آگے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ایک گروہ مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ تھا۔ سب صاحبان نے جناب عثمانؓ کے مکان پر پہنچ کر بلوائیوں کو ڈانٹا اور ان پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ان شیروں کے مقابلے میں کب ٹھہر سکتے تھے ایک ہی حملے میں بھاگ گئے اور متفرق ہو گئے۔ سب صاحبان جناب عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے۔ جناب علیؓ نے فرمایا السلام علیک یا امیر المومنین! جناب رسولؐ خدا نے اسلام کی ترقی اور کمال بغیر جنگ

کئے حاصل نہیں کیا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ آپؓ نے سرکشوں کے ساتھ کس طرح جہاد کئے۔ بخدائے عزوجل میں یقیناً کہتا ہوں کہ یہ فرقۂ اشرار آپ کی جان کا خواہاں ہے اور خدا نہ کرے ایک روز آپ کو قتل کر دے گا۔ یہ لوگ باغی ہیں اور آپ پر خروج کیا ہے۔ اطاعت سے الگ ہو گئے ہیں۔ پھر جان کے دشمن ہو کر چڑھ آئے ہیں۔ اس صورت میں مناسب ہے کہ آپ ہم لوگوں کو اجازت دیں کہ ہم ان سے (فیصلہ کن) جنگ کریں ــ ان کی ساری بغاوت وسرکشی خاک میں ملا دیں۔"

جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ "جو لوگ اپنے اوپر خدا کا حق تسلیم کرتے ہیں اور میرا حق بھی مانتے ہیں۔ میں ان صاحبوں کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ وہ میری وجہ سے اس گروہ کا اتنا خون بھی زمین پر نہ گرائیں جتنا شاخِ حجام سے گرتا ہے۔" (شاخ حجام سے مراد وہ سنگی ہے جو جسم سے فاسد خون خارج کرنے کے لئے لگائی جاتی ہے) "حضرت علیؓ نے مکرر وہی بات کہی اور (جنگ کی) اجازت دینے پر اصرار کیا مگر جناب عثمانؓ نے نہ مانا اور برابر انکار ہی کرتے رہے۔ مجبور ہو کر جناب علیؓ بادلِ غم وچشم پرنم گھر سے باہر آئے۔ یہ الفاظ آپ کی زبان پر تھے "بارِ خدایا تو دانا و بینا ہے کہ ہم نے اپنی کوشش

پوری کی اس کے بعد مجبوری ہے۔"[۱]

حجاج کے نام حضرت عثمانؓ کا خط

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کے سمجھانے سے آخر میں اپنی رائے تبدیل کرلی تھی اور ارادہ کرلیا تھا کہ باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے طاقت استعمال کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف صوبوں کے گورنروں کو امداد کے لئے خط لکھے اور حجاج کے نام ایک فرمان بھیج کر انہیں اپنی امداد کی تحریک کی تھی۔ بعض لوگ ان روایات کو تسلیم نہیں کرتے اور انہیں جعلی قرار دیتے ہیں لیکن حقیقتِ حال ان دونوں صورتوں سے مختلف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اطراف و جوانب میں اپنے گماشتے بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی مفروضہ زیادتیوں کے واقعات سے آگاہ کرکے اس کے خلاف نفرت و حقارت پھیلائیں۔ چونکہ حج کے ایام قریب تھے اس لئے انہوں نے کچھ زبان آور لوگوں کو مکہ روانہ کیا تاکہ حجاج کو بھی حضرت عثمانؓ سے برگشتہ کریں۔ اس طرح شاید حجاج میں سے

---

[۱] شمس التواریخ صـ۵۸۳ بحوالہ تاریخ خمیس و حیات الحیوان

بعض سادہ لوح لوگ ان کے ہم نوا ہو کر حج سے واپسی میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کو باغیوں کے اس اقدام کا علم ہوا تو انہوں نے اس خیال سے کہ مفسدوں کے نمائندے کہیں مکہ میں بھی انتشار نہ پھیلائیں اور یہ فتنہ اور نہ بڑھ جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ایک خط دے کر مکہ روانہ کیا اور فرمایا کہ یہ حجاج کو سنا دیا جائے۔ کہا جاتا ہے اس خط میں آپؓ نے لکھا تھا کہ میں تمہیں اس خدائے بزرگ کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے تمہیں اپنے انعامات سے نوازا۔ اسلام کی تعلیم دی۔ ضلالت سے نکالا۔ کفر سے نجات دی تمہارے رزق میں فراخی عطا فرمائی۔ تمہیں تمہارے دشمن پر غلبہ بخشا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تحریر فرمائی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ اے وہ لوگو! کہ ایمان لائے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو تاکہ اپنی نادانی سے کسی قوم پر حملہ نہ کر دو۔ اس کے بعد آپ نے متعدد قرآنی آیات لکھیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بدیوں اور فساد فی الارض سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے بعد ازاں آپ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ اتحاد و اتفاق کو پسند کرتا اور عدول حکمی اور افتراق سے دور رہنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اگر تم نے اتحاد کا

دامن چھوڑ دیا تو یاد رکھو کہ کبھی متفق ہو کر نماز نہ پڑھ سکو گے۔ دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ تم میں سے ایک دوسرے کی عزت آبرو کو پامال کرنے لگے گا۔ اگر ایسا ہوا تو تمہارا دین خدا کا دین نہ ہوگا اور تم گروہ در گروہ منقسم ہو جاؤ گے۔

اما بعد جو لوگ میرے خلاف الزام تراشی کرتے ہیں وہ ظاہر میں تو لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور حق کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر دنیوی اغراض نہیں ہیں لیکن جب میں نے ان کے سامنے حق پیش کیا تو ان میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے حق کی طرف رجوع کر لیا اور بعض نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے آپ کو تحریریں بھیجی ہیں کہ وہ دوبارہ (مدینہ) اسی لئے آئے ہیں کہ میں نے وعدہ خلافی کی حالانکہ میں نے کسی ایسی بات کو ترک نہیں کیا جس کا میں وعدہ کر چکا تھا۔ ان لوگوں نے بعض والیوں کی تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ میں نے اسے قبول کر لیا۔ اب یہ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ جن لوگوں کو میرے عہدِ خلافت میں سزا ملی ہے ان سے قصاص[1]

---

[1] کوفہ اور بصرہ کے بعض شورش پسندوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے حکم سے ان کے گورنروں نے ڈاکہ زنی اور قتل کے جرم میں موت کی سزا دی تھی بعض کو بید زنی اور حبس کی۔ (مولف)

لیا جائے۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو خلافت سے معزولی قبول کروں۔ ورنہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر میں نے ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو یہ لوگ اپنے نمائندے بھیج کر لوگوں کو میری اطاعت سے منحرف ہونے کی تلقین کریں گے حالانکہ مجھ سے پہلے بھی خلفا نے لوگوں کو سزائیں دیں مگر ان سے کسی نے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا۔ میرے عہد میں جن لوگوں کو سزا دی گئی ہے اگر مجھ سے ان سب کا قصاص لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے مار ڈالا جائے جہاں تک خلافت سے الگ ہونے کا مطالبہ ہے تو میں خداوند کریم کی نعمت کو کیسے واپس کر سکتا ہوں۔ میں یہ تو گوارا کر لوں گا کہ مجھے کتوں کے آگے ڈال دیا جائے اور وہ میری بوٹیاں نوچ لیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس خدمت سے دستبردار ہو جاؤں جو خداوند کریم نے میرے سپرد کی ہے۔ رہ گئی ان کی یہ دھمکی کہ یہ لوگ اپنے نمائندے بھیج کر لوگوں کو میری اطاعت سے منحرف کرنے کی کوشش کریں گے تو میں نے پہلے بھی کسی کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کیا تھا۔ جو شخص میری اطاعت کرے گا اس کا اجر اسے اللہ تعالےٰ عطا فرمائے گا۔ میں نہیں دے سکتا۔ پس تم لوگ خدا سے ڈرو۔ عہد کو توڑنا خداوند تعالےٰ کو سخت ناپسند ہے اور میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ میں امت میں خون ریزی اور اختلاف

بہت برا سمجھتا ہوں۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ حق اور انصاف کو نہ چھوڑو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری اور میری مغفرت کرے اور تم سب کو نیکیوں پر مجتمع کر دے اور فسق سے محفوظ رکھے۔

حضرت عثمانؓ کا یہ خط جب حجاج کو سنایا گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بعض کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حج سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کی طرف جانے کی بجائے سیدھے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ حضرت عثمانؓ کی امداد کریں اور باغیوں کا قلع قمع کر دیں مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی باغی اپنا کام کر چکے تھے۔

طلبِ امداد کی داستان

حضرت عثمانؓ کا یہ خط طبری اور ابن اثیر نے معمولی فرق کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اس خط کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا بلکہ برعکس اس کے یہ لکھا کہ اُمّت میں خونریزی مجھے سخت ناپسند ہے۔ بالفاظ دیگر انہوں نے حجاج پر واضح کر دیا کہ اس خط کے لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم لوگ مفسدین کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو جانا۔ حضرت عثمانؓ

اپنے خط کے آغاز میں

نے اپنے خط کے آغاز میں قرآن حکیم کی یہ آیت لکھی۔ یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا الخ

اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے حجاج کو یہ خط اسلئے بھیجا تھا تاکہ وہ مفسدین کے نمائندوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد دلا کر سمجھایا کہ مفسدین میرے متعلق جو الزام تراشیاں کر رہے ہیں وہ غلط ہیں اور تم ان پر بغیر تحقیق کئے یقین نہ کرنا۔ ہاں اگر حضرت عثمانؓ اپنے اس خط میں یہ لکھتے کہ ان باغیوں اور مفسدوں کی سختیوں سے نجات دلانے کے لئے تم فوراً مدینہ آؤ پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے آخر میں اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا اور وہ شرپسندوں کو طاقت سے ختم کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے مگر کوئی شخص حضرت عثمانؓ کے اس خط سے ایک لفظ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتا جس میں امداد کی تحریک کا شائبہ بھی نکلتا ہو۔ قطع نظر اس سے اگر حضرت عثمانؓ اس فسادی عنصر کو طاقت کے زور سے دبانا چاہتے تو صحابہ کرام کی جماعت اور مدینہ کے ہزاروں نوجوان کافی تھے جو ان سے بار بار مفسدوں سے جنگ کرنے کی درخواست کر رہے تھے مگر حضرت عثمانؓ انہیں خدا کا واسطہ دے

خون ریزی سے روک رہے تھے۔ اگر آخر میں آپ کی رائے میں
تبدیلی پیدا ہو گئی تھی تو حاجیوں کو امداد کی تحریک کرنے کی ضرورت نہ
تھی۔ آپ اپنے ان جاں نثاروں کو اشارہ کر دیتے جو مدینہ میں موجود تھے
اور جن میں سے سات سو نوجوان تو ہر وقت قصرِ خلافت کی حفاظت کے
لئے موجود رہتے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس خط کا
مقصد مکہ سے امداد طلب کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ حجاج کو مفسدوں کے
نمائندوں کے شر سے بچانا مقصود تھا۔ اس خط کا دوسرا مقصد
یہ بھی تھا کہ جب مفسدین سنیں گے کہ خلیفہ نے حجاج کو خط بھیج کر
صحیح صورتِ حال سے مطلع کر دیا ہے تو انہیں اندیشہ پیدا ہو گا کہ
کہیں لوگ خلیفۂ وقت کی امداد کے لئے نہ آجائیں۔ حضرت عثمانؓ کا
خیال تھا کہ ممکن ہے اس خوف سے وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگ جائیں۔
اس طرح امت خون ریزی سے بچ جائے گی اور فتنہ بھی فرو ہو جائے گا

ہمارے خیال میں اگر حضرت عثمانؓ کے زیرِ بحث خط پر اس
نقطۂ نگاہ سے غور کیا جائے تو حضرت عثمانؓ کی پوزیشن کو کسی قسم کا نقصان
نہیں پہنچتا اور نہ کوئی وجہ باقی رہتی ہے کہ ہم اس خط کو جعلی قرار
دیں جب کہ اس کے جعلی ہونے کے دلائل بھی موجود نہیں اور نہایت مستند
کتابوں میں یہ خط درج ہے اور بڑے بڑے مورخ یکے بعد دیگرے اس کے مندرجات کو

قبول کرتے آئے ہیں۔ البتہ صوبوں کے گورنروں کے نام خط جو حضرت عثمانؓ سے منسوب کیا جاتا ہے بالکل فرضی اور جعلی ہے اور اس لئے گھڑا گیا ہے تاکہ حضرت عثمانؓ کے کردار کو مشتبہ ظاہر کیا جائے اور یہ ثابت کیا جا سکے کہ صحابہ اور عام اہلِ مدینہ حضرت عثمانؓ کی امداد سے دستکش ہو گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فرمان بعض اونچے درجے کے مؤرخوں نے بھی اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے مگر ظاہر ہے کہ ہر اونچے درجے کے مورخ کی ہر بات قابلِ قبول نہیں ہو سکتی اور غلطی سے بڑے سے بڑا مورخ، محقق اور مفکر بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مورخ و محقق خواہ کتنا ہی بلند پایہ اور عالم و فاضل ہو اس کی وہی بات تسلیم کی جائے گی جس کی دوسری روایات اور واقعات سے تائید ہوتی ہو۔ کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت عثمانؓ نے آخر میں مفسدوں کے متعلق اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے انہوں نے مختلف صوبوں کے گورنروں کو لکھا تھا کہ "میری امداد کے لئے فوجیں بھیجو" تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ صحابہ اور اہلِ مدینہ ان کی امداد سے دستکش ہو گئے تھے حالانکہ یہ امر واقعات کے خلاف ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مدینہ کے اکابر اور ہزاروں نوجوان آخر وقت تک حضرت عثمانؓ سے درخواست

رتے رہے کہ انہیں باغیوں سے لڑنے کی اجازت دے دی جائے
مگر انہوں نے فرمایا کہ میں امتِ محمدیہ میں خونریزی
کا آغاز کرنے والا خلیفہ بننا نہیں چاہتا۔

ایک روایت کے مطابق شہادت سے ایک یوم قبل کا واقعہ
ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے جو آپ کے گھر میں مقیم تھے
اور جو سات سو کے قریب تھے فرمایا کہ "جس شخص پر میرا کوئی حق ہے
میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے رہے اور اجازت
دیتا ہوں کہ اپنے گھر میں جا کر بیٹھ جائے۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ
اور ان کے فرزندوں کی بہت بڑی جماعت ان کے پاس موجود تھی۔ نیز
آپ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جو شخص تلوار میان
میں ڈال لے وہ آزاد ہو گیا۔[1]

کیا ان حقائق کی موجودگی میں یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ حضرت عثمانؓ
آخر وقت تک اسی خیال پر قائم رہے کہ خواہ کچھ بھی ہو امت کو خونریزی
میں مبتلا نہ کیا جائے۔ ان حالات میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے
آخر میں اپنی رائے بدل لی تھی اور مختلف صوبوں کے گورنروں کو اپنی امداد

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۱۸۱

کے لئے لشکر بھیجنے کا حکم دیا تھا جب کہ خود مدینے میں بلکہ ان کے گھر میں ایسے جانباز موجود تھے جو چند ہزار باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی تھے۔

باغیوں کی عجلت

جب مفسدوں کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا ہے تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس معاملے میں مزید تاخیر کی گئی تو سارا منصوبہ ناکام ہو جائے گا کیونکہ حجاج ان واقعات سے مطلع ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور اتنی بڑی جماعت کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو حضرت عثمانؓ کو قتل کر دینا چاہیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی سبب کے بغیر حضرت عثمانؓ پر ہاتھ اٹھانے سے ہچکچاتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خود باغیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے حجاج کے نام اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ کچھ لوگ حق کو قبول کر چکے ہیں یعنی حضرت عثمانؓ کی موثر تقریروں اور صحابہ کے وعظ و نصیحت سے باغیوں میں سے بعض افراد نے شورش میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا بعض باغیوں کے ساتھ ضرور تھے مگر عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی

ان کے سامنے کھلم کھلا اور بلا کسی عذرِ شرعی کے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے سے گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اتنے سنگین اقدام میں شاید وہ ان کا ساتھ نہ دیں یا بعد میں ان سے متنفر ہو جائیں۔ اس لئے یہ لوگ ایسے مواقع تلاش کرنے لگے جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کا بہانہ بن سکیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عثمانؓ کے مکان میں پتھر پھینکنا شروع کئے تاکہ آپ کے اعوان و انصار مشتعل ہو کر باغیوں پر حملہ کر دیں اس طرح ان لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے مگر حضرت عثمانؓ نے کمال صبر و ضبط سے ان کی یہ زیادتی بھی برداشت کی اور اپنے مددگاروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ باغیوں کے اس اقدام کے جواب میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ البتہ ایک روز آپ اپنے مکان کی " دیوار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! میں تو تمہارے نزدیک تمہارا گنہگار ہوں مگر دوسرے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے۔ تم پتھر پھینکتے ہو تو دوسروں کو بھی چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہوں نے صاف صاف انکار کر دیا کہ ہم نے پتھر نہیں پھینکے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں پھینکتے تو اور کون پھینکتا ہے۔ انہوں نے کہا خدا تعالیٰ پھینکتا ہوگا (نعوذ باللہ من ذالک) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم لوگ

جھوٹ بولتے ہو اگر خدا تعالےٰ نے ہم پر پتھر پھینکنا تو اس کا کوئی پتھر خطا نہ جاتا
لیکن تمہارے پھینکے ہوئے پتھر تو اِدھر اُدھر بھی جا پڑتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ
ان کے سامنے سے ہٹ گئے۔[1]"

حضرت عثمانؓ کا یہ جواب ان کی مومنانہ فراست کا پتہ دیتا ہے۔ اگر
باغیوں اور مفسدوں میں کچھ بھی خدا کا خوف اور دین کی سمجھ کا مادہ ہوتا تو یہ
جواب ان کے لئے کافی تھا اور یہ لوگ اپنی مذموم حرکات سے باز آجاتے مگر
انہیں نہ دین سے کچھ حصہ ملا تھا اور نہ ان میں خدا کا خوف تھا اس لئے ان لوگوں
پر حضرت عثمانؓ کے جواب کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنی شہادت سے کچھ دیر قبل
اتمام حجت کے طور پر حضرت عثمانؓ نے باغیوں سے پھر خطاب کیا اور فرمایا کہ

"اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر ڈالا تو یاد رکھو کہ
خدا کی قسم میرے بعد تمہاری باہمی محبت ختم
ہو جائے گی اور نہ کسی ایک امام کے پیچھے نماز
پڑھ سکو گے اور نہ متحد ہو کر اپنے دشمن سے
جنگ کر سکو گے۔[2]"

---

[1] اسلام میں اختلافات کا آغاز صفحہ ۸۲
[2] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۴۰۵

شہادتِ عظیمہ

اس دوران میں حجاج کا پہلا گروہ حج کر کے مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت مغیرہؓ بن اخنس اس جماعت کے ساتھ تھے۔ مدینہ پہنچتے ہی وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر مفسدوں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور انہوں نے مجتمع ہو کر حضرت عثمانؓ کے دروازے پر تیر برسانا شروع کر دیئے اس وقت حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے فرزند جنہیں ان حضرات نے خلیفہ کی حفاظت کے لئے متعین کیا تھا قصرِ خلافت کے دروازے پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے تیروں کے جواب میں باغیوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ آپ لوگ تیر اندازی نہ کریں۔ اور اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں مگر ان لوگوں نے خلیفۂ وقت کو تنہا چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد باغیوں نے قصرِ خلافت کے دروازے کو آگ لگا دی۔ اس پر حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت مغیرہؓ بن اخنس، حضرت محمد بن طلحہؓ اور حضرت سعیدؓ بن العاص رجز پڑھتے ہوئے نکلے اور باغیوں

سے جنگ شروع کردی، یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے ان حضرات کو پھر ہدایت فرمائی کہ وہ تمام لوگ جو اس وقت میرے مکان میں موجود ہیں اپنے گھروں کو چلے جائیں[1] ۔ جب حضرت عثمانؓ کے اعوان و انصار نے مقابلہ شروع کردیا تو باغیوں کا دباؤ بھی بڑھنے لگا اور حضرت عثمانؓ کے مکان کے سامنے شدید جنگ شروع ہوگئی۔ رسولِ خدا کے صحابی حضرت مغیرہؓ بن اخنس اس مقابلے میں باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ یہ پہلے شخص تھے جو خلیفۂ وقت کی مدافعت میں لڑتے ہوئے کام آئے۔ اس کے بعد زیاد بن نعیم اور نیاز بن عبد اللہ اسلمی نے جامِ شہادت نوش کیا حضرت امام حسنؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت محمد بن حاطبؓ اس معرکے میں سخت زخمی ہوئے۔ ادھر تو باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے .... جاں نثاروں میں سخت جنگ ہو رہی تھی اور ادھر چند باغی موقع پاکر دوسری جانب سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوگئے۔ اس وقت آپ روزے سے تھے اور قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ان لوگوں میں سب سے پہلے محمد بن ابوبکرؓ داخل ہوا۔ اس نے بڑی گستاخی اور بے ادبی کا مظاہرہ کیا اور حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ کر آپ کے سر مبارک کو

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صد ۱۸ ۴

جھٹکا دیا اور کہا کہ اس بڑھاپے میں بھی تجھے خلافت کی ہوس ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے میری داڑھی چھوڑ دے تیرا باپ اس کی عزت کرتا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ میرے بڑھاپے کی قدر اور اس داڑھی کی عزت کرتا اور تیرے اس فعل پر کبھی خوش نہ ہوتا۔ حضرت عثمانؓ کے یہ الفاظ تاثیر میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ محمد بن ابوبکرؓ کے ہاتھ لرزنے لگے۔ اس نے داڑھی چھوڑ دی اور یہ کہتا ہوا حضرت عثمانؓ کے پاس سے اٹھ گیا کہ خدا کی قسم اب نہ میں انہیں ماروں گا اور نہ کسی کو مارنے دوں گا۔[1]

ان کے جانے کے بعد چند آدمی جن کی تعداد دو یا تین بتائی جاتی ہے دوسری جانب سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہو گئے اس وقت حضرت عثمانؓ کے سامنے قرآن شریف کھلا رکھا تھا اور وہ اس کی تلاوت میں مصروف تھے کہ اتنے میں کنانہ بن بشر نے تلوار کا ایک وار کیا جو آپ کے سر پر لگا۔ سر مبارک سے خون کا فوارہ چھوٹا اور قرآن کریم کی یہ آیت خون میں نہا گئی فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

---

[1] شمس التواریخ صفحہ ۶۰

(خدا تمہارے لئے کافی ہے اور وہ بہت سننے والا اور بہت علم والا ہے)
اس کے بعد ابو عمرو بن بدیل خزاعی نے تیر کے پھل سے آپ کی
شہ رگ قطع کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ
کی زبان مبارک سے جو آخری الفاظ ادا ہوئے وہ یہ تھے۔ بسم اللہ
توکلت علی اللہ۔ سبحان اللہ العظیم یہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کا واقعہ ہے
ان ظالموں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک شقی عمرو بن الحمق نے
آپ کے سینۂ اقدس پر چڑھ کر کودنا شروع کر دیا۔ آپ کی بیوی
حضرت نائلہ چیخ پکار کی آواز سن کر دوڑیں۔ ایک باغی نے ان پر بھی
تلوار کا وار کیا جس سے ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ کر دور جا گریں[۱]
اتنے میں حضرت عثمانؓ کے غلام بھی آگئے اور انہوں نے ایک قاتل
کو تلوار مار کر وہیں قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے باغی نے اس غلام
کو قتل کر دیا۔ دوسرے غلام نے آگے بڑھ کر دوسرے قاتل کا سر اڑا
دیا۔ یہی دو آدمی حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے اور اللہ تعالیٰ نے جو
منتقم حقیقی ہے چند منٹ کے اندر اندر ان سے انتقام لے لیا۔
حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر جب حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور

۱؎ طبری جلد سوم ص ۴۱۵، البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۱۸۷، بخاری کتاب الفتن۔

حضرت زبیرؓ کو ہوئی تو وہ افتاں و خیزاں قصرِ خلافت پہنچے اور یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے کہ ضعیف العمر خلیفہ خون میں لت پت بے حس و حرکت پڑا ہُوا ہے۔ حضرت علیؓ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور انہوں نے حضرت امام حسنؓ کو سخت سست کہا۔ ایک روایت کے مطابق انہیں طمانچوں سے مارا اور فرمایا کہ تمہاری موجودگی میں خلیفہ قتل کر دیا گیا اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔

باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان میں سے بعض لوگوں نے اندر داخل ہو کر آپ کا مکان لوٹ لیا اور بیت المال میں جو کچھ موجود تھا اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

نمازِ جنازہ و تدفین

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دو دن اور دو راتیں بے گور و کفن پڑے رہے تیسرے روز انہیں چند آدمیوں نے رات کی تاریکی میں چھپ کر دفن کیا اور حضرت علیؓ نے آپ کی تدفین میں عملاً کوئی حصہ نہ لیا بلکہ بعض لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ جاؤ اور عثمانؓ کو دفن کر دو مگر تحقیق کے بعد یہ روایتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اسی روز رات کے وقت دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ مورخ ابن کثیر نے وہ

مشہور روایت درج کرنے کے بعد جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی نعش دو دن بے گور و کفن پڑی رہی۔ لکھا ہے ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اسی رات دفن کر دیا گیا تھا[1] اور مدینہ کے اکابر صحابہ نے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے آپ کی تدفین میں حصہ لیا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ مفسدوں کا ایک گروہ حضرت عثمانؓ کی تدفین میں رکاوٹ ڈال رہا تھا مگر ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت علیؓ کی کوشش سے یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ مغرب اور عشا کی نمازوں کے درمیان مفسدوں سے چھپا کر حضرت عثمانؓ کو دفن کیا گیا مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مفسدوں کے بعض سرکردہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو دفن کرنے کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت زبیرؓ بن عوامؓ، حضرت حکیمؓ بن حزام حضرت جبیرؓ بن مطعم، حضرت کعبؓ بن مالک، وحضرت طلحہؓ بن حضرت ابوالجہمؓ بن حذیفہ اور حضرت نیاز بن مکرم نے بعض اور اصحاب کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ کا جنازہ اٹھایا اور حشی کوکب میں دفن کر دیا۔ راستے میں بعض مفسدوں نے ارادہ کیا کہ آپ کے جنازے پر

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۱۹۱

پتھر مار کر گرا دیں[1] ۔ (مگر وہ ایسا نہ کر سکے) البتہ طبری کی روایت کے مطابق بعض مفسد چھپ کر آپ کے جنازے پر پتھر برسانے میں کامیاب ہو گئے ۔ کہا جاتا ہے کہ تدفین کے بعد آپ کی قبر کا نشان مٹا دیا گیا تاکہ باغی آپ کی نعش قبر سے نکال کر اس کی بے حرمتی نہ کریں ۔

مفسدین کا کردار

حضرت عثمان کی شہادت کے واقعات ہم نے بیان کر دیئے . اور اس کا پس منظر بھی دکھا دیا ۔ اب ہم چند امور اس حادثۂ عظیمہ کے بانیوں کے متعلق بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ کے مخالفین سیکڑوں سال سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے خلیفۂ ثالث کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا وہ سب دیندار لوگ تھے اور ان کا مقصد خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے سوا نے اور کچھ نہ تھا ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں گمراہ کیا گیا تھا اور یہ لوگ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر بانیانِ فتنہ کے پروپگنڈہ کا شکار ہو گئے تھے ۔ ان لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ اور آپ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۱۹۱

گورنروں کی فرضی زیادتیوں کی تصویر اس انداز سے کھینچی گئی کہ وہ حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکے لیکن باغیوں کی واضح اکثریت بدکار اور مفسد لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں عبداللہ بن سبا اور اس کے نائبین نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے منظم کیا تھا۔ ان کے بدکردار اور خوفِ خدا سے عاری ہونے کے ثبوت کے لئے وہ قبیح حرکات کافی ہیں جن کا ان لوگوں نے اس دوران میں ارتکاب کیا۔ اب ہم ذیل میں گروہِ مفسدین کی عہد شکنی اور بداعمالیوں کے واقعات درج کرتے ہیں۔

(۱) باغیوں کو حضرت عثمانؓ سے شکایت کی تھی کہ ان کے گورنر ظالم ہیں اور حدود اللہ کو پامال کرتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان گورنروں کو تبدیل کر دیا جائے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ، سعید بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح کو تبدیل کر دیا اور ان کی پسند کے گورنر مقرر کر دیئے۔ جن میں محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے لوگ بھی شامل تھے جنہیں باغیوں نے خود مقرر کرایا تھا۔ اگر باغی نیک نیت ہوتے تو یہ مطالبہ پورا ہو جانے کے بعد فتنہ و فساد ترک کر دیتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مفسدوں کے گروہ ان شہروں سے بھی خلیفہ کا محاصرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے جہاں ان کی پسند کے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ کوفہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابی حضرت

ابو موسیٰ اشعریؓ کو باغیوں کے مطالبہ پر گورنر مقرر کیا گیا تھا مگر اس علاقے سے سیکڑوں باغی مدینہ آئے اور سب سے زیادہ فتنہ و فساد انہیں لوگوں نے برپا کیا۔ یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ ان لوگوں کی نیتیں نیک نہیں تھیں۔ گورنروں کی تبدیلی کا مطالبہ محض بہانہ تھا۔ ان کا اصل مقصد نظامِ خلافت کو تہہ و بالا کرنا تھا۔

(۲) مصری گروہ مطالبہ کرتا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد بن ابوبکرؓ کو گورنر مقرر کیا جائے[۱]۔ حضرت عثمانؓ باغیوں کا یہ مطالبہ بھی مان لیتے ہیں اور محمد بن ابوبکرؓ کی گورنری کا پروانہ جاری کر دیتے ہیں اگر مفسد نیک نیت ہوتے تو مطمئن ہو کر واپس چلے جاتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک جعلی خط بنا کر مدینہ آجاتے ہیں اور حضرت عثمانؓ سے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ دوسرا ثبوت ہے اس امر کا کہ باغیوں کا مقصد حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے سوائے اور کچھ نہ تھا اور ان لوگوں کو قول و قرار کا بھی مطلق پاس نہ تھا۔ یہ جعل ساز لوگ تھے اور امہات[۱] المومنین اور صحابہ کرام کی طرف سے جھوٹے خط لکھ لکھ کر اطراف و جوانب کے لوگوں کو بھیجا کرتے تھے ــــ جن میں

---

[۱] العواصم من القواصم ص۱۹۰ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۹۵

عوام الناس کو حضرت عثمانؓ کے خلاف مشتعل کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ لوگ دین دار ہوتے تو امہات المومنین اور صحابہ کی طرف وہ تحریریں کبھی منسوب نہ کرتے جن سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا جن لوگوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ جعل سازی نہیں کیا کرتے۔

(۳) ان لوگوں نے الزام لگایا کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ظالم ہیں حضرت عثمانؓ نے اس شکایت کی تحقیق کرنے کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابہ پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا جس نے مملکت کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور واپس آکر رپورٹ دی کہ گورنروں کے خلاف الزامات بے بنیاد ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مفسد غلط بیانی سے کام لے رہے تھے اور جان بوجھ کر حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو بدنام کر رہے تھے تاکہ ملک میں انتشار پیدا ہو۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ صوبوں کے گورنر ظالم ہوتے عوام ان کے ہاتھوں نالاں ہوتے اور رسولؐ اللہ کے مقدس صحابہ خلیفہ کو جھوٹی رپورٹ پیش کر دیتے صحابہ بھی ایسے جلیل القدر یعنی حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت عمارؓ بن یاسر ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے حکام

سلہ تاریخ طبری جلد سوم ص۳۷۹

کو بدنام کرنے کے لئے بہتان طرازی کی مہم چلائیں اور امتِ مسلمہ میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی مذموم کوشش کریں وہ دیندار نہیں ہو سکتے۔

(۴) محاصرہ کے دوران جب حضرت عثمانؓ جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے تو مفسدوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسجد میں ہر طرف سنگباری شروع کر دی۔ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے وہ عصا چھین کر توڑ دیا[1] جس کا سہارا لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں دین کی کتنی محبت تھی۔ چلئے خلیفہ وقت تو ان کے خیال میں گنہگار تھا لیکن خانۂ خدا تو مقدس تھا اور پھر خانۂ خدا بھی مسجدِ نبویؐ۔ کیا اس میں سنگباری کرنا اور مسلمانوں کو آزار پہنچانا دینداروں کے کام ہیں۔ پھر ان لوگوں کی "دینداری" اور "خوفِ خدا" کا اس سے بڑا "ثبوت" اور کیا ہوگا کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس یادگار کا بھی احترام نہ کیا اور ان میں سے ایک بدبخت نے عصائے نبویؐ کو اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ حیرت ہے کہ عیسائی تو اس خچر کے کھر پر سونے کا خول چڑھائیں جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر کیا کرتے تھے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۴۱۲

اور اسے سب سے بڑے گرجا میں آویزاں کر دیں۔ اسے مقدس یادگار قرار دیں اور اس کا اس قدر ادب و احترام کریں مگر یہ مسلمان کہلانے والے اپنے نبیؐ کے عصا کے دو ٹکڑے کر دیں اور پھر بھی دین دار کہلائیں
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(۵) جب حضرت عثمانؓ نے باغیوں کے مطالبے پر خلافت سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا تو باغیوں نے آپ کا کھانا اور پانی تک بند کر دیا[۱]۔ حضرت ام حبیبہؓ جب آپ کے لئے پانی لے گئیں تو ان کے خچر پر ڈنڈے برسائے اور اسکے پالان کا بند کاٹ دیا یہاں تک کہ ام المومنین شہید ہوتے ہوتے بچیں[۲]

یہ تھی ان لوگوں کی دینداری۔ حالانکہ بقول حضرت علیؓ رومی اور ایرانی بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو اسے کھانا اور پانی ضرور دیتے ہیں مگر یہ ایسے سنگ دل اور ظالم لوگ تھے کہ امیر المومنین پر کھانا اور پانی تک بند کر دیا۔ یہی نہیں ان بدبختوں نے حرم رسولؐ تک کی ہتک کی حالانکہ ان کے خیال میں اگر کوئی قصور وار تھا تو حضرت عثمانؓ، ام حبیبہؓ کا تو کوئی قصور نہ تھا مگر ان لوگوں نے رسولِ خدا کی زوجہ مطہرہ کو بھی

---

[۱] تاریخ طبری جلد سوم ص۴۱۱ [۲] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۸۹

معاف نہ کیا اور بلا قصور ان کے ساتھ ایسا ہتک آمیز سلوک کیا۔ ان لوگوں
نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ام حبیبہؓ کو نہیں عزت رسولؐ کو پامال کر رہے ہیں
کیا دین دار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں؟

(۲) تاریخ میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے
اور ان کی بیوی حضرت نائلہؓ روتی پیٹتی واپس جانے لگیں تو ان میں
سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اس عورت کے سرین[1]
(کولہے) تو دیکھو کیسے بھاری بھاری ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ تھا ان دینداروں کا اخلاق و کردار اور یہ تھے ان کے متعفن زدہ
خیالات کہ ایک شخص (قطع نظر اس سے کہ وہ صحابیٔ رسولؐ اور
خلیفۂ وقت ہے) خاک و خون میں لتھڑا پڑا ہے اور یہ لوگ ابھی ابھی
اس کا خون بہا کر فارغ ہوئے ہیں۔ مقتول کی غمزدہ بیوی جو بیوہ ہو چکی ہے
واپس جانے لگتی ہے تو یہ اس کے کولہوں کو شہوانی نظروں سے دیکھتے
اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ کیا اب بھی اس امر میں کوئی شک باقی
رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ نہایت ناپاک طبع اور خبیث الفطرت تھے۔

---

[1] ازالۃ الخفا ص۲۴۱ حصہ دوم۔ ہم نے سرین کا ترجمہ کولہے کیا ہے اس کا ٹھیٹ اردو
میں ترجمہ تو کچھ اور ہے جو کسی قدر تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے ہم نے درج نہیں کیا۔

دین داری تو بڑی چیز ہے اور اسلام تو نہایت ارفع و اعلیٰ دین ہے یہ بات ادنیٰ درجے کے اخلاق سے بھی گری ہوئی ہے کہ ایک غم زدہ اور بیوہ عورت کو بد نظری سے دیکھا جائے اور اس کے کولھوں کی تعریف کی جائے اس حالت میں کہ وہ ابھی ابھی بیوہ ہوئی ہے اور سامنے اس کے شوہر کی نعش خون میں نہائی ہوئی پڑی ہے خبثِ باطن اور سنگ دلی کی یہ مثال کہیں اور حتیٰ کہ کفار میں بھی مشکل ہی سے ملیگی۔

(۷) مورخین نے لکھا ہے کہ جس وقت باغی حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے اس وقت آپ قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے "قرآن کو ٹھوکر ماری"۔[۱] یہ بھی ان لوگوں کی دینداری۔ اگر ان لوگوں میں خدا کا خوف اور شعائر اللہ کے احترام کا ذرہ برابر بھی جذبہ ہوتا تو یہ قرآن کی تو بے ادبی نہ کرتے۔ ان کے خیال میں "مجرم حضرت عثمانؓ تھے۔ قرآن کا تو کوئی جرم نہ تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ دین سے عاری۔ غرض کے بندے، انتہائی سنگ دل، خدا و رسولؐ کے دشمن اور اسلام سے قطعاً باغی تھے اور حضرت عثمانؓ کی بریت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی مخالفت کرنے والوں میں نیک نفس اور

---

[۱] تاریخ طبری، جلد سوم ص۴۲۱

دین دار لوگ شامل نہ تھے بلکہ اخلاق باختہ اور بے دینوں کا گروہ ان کی مخالفت پر آمادہ تھا اور حضرت عثمانؓ انہیں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا ایک اعتراض

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ سوال مصر کے مشہور مورخ و محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں حضرت عثمانؓ اور آپ کی شہادت کے حالات درج کرنے کے بعد اٹھایا ہے۔ یہ سوال اور بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں ڈاکٹر صاحب کا یہ سوال نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا جواب دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"اس مرحلے پر پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا قدیمی مورخوں نے اطمینان بخش جواب نہیں دیا اور بیشتر لوگوں نے تو سرے سے اس کا جواب دیا ہی نہیں لیکن ہم تو اس کا جواب ہر صورت ہی معلوم کریں گے۔ وہ سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں نے ان کی امداد کے لئے فوج بھیجنے میں اتنی دیر کی کہ باغیوں کا محاصرہ جاری رہا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محاصرہ چالیس دن جاری رہا ہمیں معلوم ہے کہ اس زمانے میں ذرائع نقل و حمل کی آسانیاں نہ تھیں اور نہ

فاصلے اتنے قریب تھے لیکن اس کے باوجود اس قسم کی خبریں ایک شہر سے دوسرے شہر میں بڑی تیزی سے پہنچ جاتی تھیں۔ مصر کے گورنر عبد اللہ بن سعد کو مصریوں کے مدینہ روانہ ہونے کا علم تھا۔ امیر معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو وہ اس کی اطلاع بھی بھیج چکا تھا۔ کوفہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو کوفیوں کے خروج کا علم تھا اور انہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اور کس مقصد سے جا رہے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن عامر بھی اہل بصرہ کی روانگی اور ان کے مقصد سے غافل نہ تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان علاقوں کے گورنر یہ جانتے کے باوجود حضرت عثمانؓ کی امداد کے لیے نہ دوڑے کہ ان کے علاقوں کے لوگ خلیفۂ وقت کے خلاف شورش بپا کرنے جا رہے ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب خلیفۂ وقت نے گورنروں کو اپنی امداد کے لیے خطوط بھیجے تو یہ کیوں نہ فوراً روانہ ہو گئے اور کیوں اتنی تاخیر کی کہ خلیفہ مصیبت میں مبتلا ہو کر قتل کر دیا گیا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے معمول بنا لیا تھا کہ ان کے گورنر ہر سال حج کے موقع پر ان کے پاس آتے اور ان سے ملاقات کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس سال سارے گورنر اپنے اپنے علاقوں میں مقیم رہے اور حج کے لیے نہ گئے آخر مجبوراً خلیفۂ وقت نے جو باغیوں کے ہاتھوں بے بس تھا عبداللہ بن عباسؓ کو

امیرِ حج مقرر کیا۔ سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مورخین کے بقول عبداللہ بن عباسؓ نے حجاج کو حضرت عثمانؓ کا ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کی تھی مگر لوگ یہ خط سن کر منتشر ہو گئے اور کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور کوئی شخص خلیفہ کی امداد کے لئے روانہ نہ ہوا۔ مکہ کا گورنر بھی اطمینان سے بیٹھا رہا۔ اس نے بھی خلیفہ کی امداد کے لئے کوئی تحریک نہ کی۔ اگر وہ صرف اہلِ مکہ اور تھوڑے سے اعرابیوں کو اکٹھا کر کے مدینہ چلا جاتا تو باغیوں کو جنگ میں الجھا سکتا تھا اتنی دیر میں مختلف علاقوں سے امدادی فوج آجاتی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ نہ گورنروں نے توجہ کی اور نہ حجاج نے خلیفۂ وقت کی نصرت کے لئے بیقراری ظاہر کی۔ کیا یہ سوچ لیا جائے کہ ساری امت خلیفہ سے روگرداں ہو گئی۔ عوام بد ظن ہو گئے گورنروں نے جان بوجھ کر ٹال مٹول کی اور خلیفۂ وقت کو اہلِ مدینہ کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہیں کریں اور یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ اہلِ مدینہ کی اکثریت باغیوں کی حامی تھی البتہ تھوڑے سے صحابی حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتے تھے مگر وہ بھی زبانی۔ عملاً انہوں نے بھی کچھ نہ کیا حالانکہ قدیم مورخوں کے بقول اگر یہ صحابی ہی باغیوں کا مقابلہ کرنے پر کمربستہ ہو جاتے تو ان کے لئے ناکام واپسی کے سوائے اور کوئی

چارہ نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ "لوگوں پر ان کی طویل زندگی بوجھ بن گئی ہے"۔ لیکن غالب خیال یہ ہے کہ لوگ ان کے بڑھاپے ہی کو بوجھ محسوس نہ کرتے تھے بلکہ ان کے طرزِ سیاست کی عمر بھی ان کے لئے بارِ گراں بن گئی تھی۔ یہ طرزِ سیاست نہ خلافت کہلا سکتی تھی نہ ملوکیت بلکہ ان دونوں کے درمیان کی ایک چیز تھی۔[1]

ہم نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا سارا بیان نقل کر دیا ہے تاکہ قارئین کو ان کے خیالات سے مکمل طور پر آگاہی ہو جائے اور ہم پر یہ الزام نہ آئے کہ ہم نے ان کی بعض عبارتیں سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے گورنروں، حجاج، اہلِ مدینہ، صحابہ اور خود حضرت عثمانؓ غرض سب کو مجرم بنا دیا ہے۔ ان کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) گورنروں نے حضرت عثمانؓ کی امداد میں دانستہ پہلو تہی کی اور حضرت عثمانؓ کے خطوط کے باوجود امدادی فوج نہ بھیجی یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔

(۲) جس سال حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا اس سال کوئی گورنر حج

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۲۰-۲۱۹

کرنے نہیں گیا حالانکہ ان کا ہر گورنر ہر سال حج کے موقع پر ان کی
خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گورنر ان
کی امداد سے پہلو تہی کر رہے تھے۔
(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت عثمانؓ کا خط سن لینے کے باوجود
کوئی حاجی ان کی امداد کے لئے نہ گیا۔
(۴) اہلِ مدینہ کی اکثریت باغیوں کی حامی تھی۔
(۵) تھوڑے سے صحابی حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے وہ بھی زبانی حمایت
کرتے تھے عملاً انہوں نے بھی کچھ نہ کیا۔
یہ ہیں وہ پانچ اعتراضات جو ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی اس تحریر سے پیدا
ہوتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں ان میں سے ایک ایک اعتراض کا جواب دیں گے۔
(انشاءاللہ)

گورنروں کی پہلو تہی

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوگا کہ جب حضرت عثمانؓ کو پہلی بار اس فتنے
سے مطلع کیا گیا تو آپ نے اپنے تمام گورنروں کے نام فرمان جاری کیا
کہ وہ آئندہ سال حج کے موقع پر مکہ آئیں اور ملاقات کریں چنانچہ ۳۴ھ
میں مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کے گورنر مکہ آئے اور حضرت عثمانؓ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جو مشورے دیئے وہ ہم گذشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں ان کی تکرار مناسب نہیں۔ البتہ گورنر شام امیر معاویہؓ نے جو مشورہ دیا تھا اس کا خلاصہ درج کرنا بے محل نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ " امیرالمومنین! فتنہ بڑھ رہا ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں وہاں آپ پوری طرح محفوظ رہیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی یہ تجویز منظور نہ کی تب انہوں نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں شامی فوج کا ایک دستہ آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دوں مجھے یقین ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی دم نہ مارے گا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی یہ تجویز بھی منظور نہ کی[1]

ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں کہ اگر حضرت عثمانؓ کی زندگی ان کے گورنروں پر بھی بوجھ بن گئی تھی اور وہ ان کی امداد سے دانستہ پہلو تہی کر رہے تھے تو ان میں سے ایک گورنر انہیں بچانے کے لئے ایسی ٹھوس تجاویز کیسے پیش کر سکتا تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ حضرت امیر معاویہؓ کی یہ تجویز قبول

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۳۸۲

فرمایئے اور شامی لشکر مدینہ آجاتا تو ان مفسدوں اور باغیوں کی مجال نہ تھی کہ مدینہ کا رخ کرتے بلکہ شاید وہ راستہ ہی چھوڑ دیتے جو مدینہ کی طرف جاتا تھا۔

امیر معاویہؓ گورنر شام کے علاوہ سعید بن العاص گورنر کوفہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ان مفسدوں کے سرداروں کو قتل کرا دیجئے۔ یہ فتنہ خود بخود ختم ہو جائے گا کیونکہ ہر تحریک کا ایک قائد اور ہر جماعت کے کچھ سرغنہ ہوتے ہیں۔ باقی لوگ انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ جب سرداروں اور قائدوں کو قتل کر دیا جائے تو ان کے پیرو منتشر ہو جاتے ہیں مگر حضرت عثمانؓ نے یہ تجویز بھی منظور نہ کی۔

ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیال افراد کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے گورنر ان کے ساتھ نہ ہوتے اور ان کی امداد سے پہلو تہی کرتے تو ان میں سے ایک گورنر ایسی تجویز کیسے پیش کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں فتنہ خود بخود ختم ہو جاتا یعنی باغیوں کے سرداروں کو قتل کر دیا جائے۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو فتنہ پرداز راہ راست پر آجاتے اور شورش ختم ہو جاتی۔

ان حقائق سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر دل وجان سے ان کے ساتھ تھے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ

کی امداد کے لئے لشکر بھیجنے میں اتنی تاخیر کیوں کی کہ وہ شہید کر دیئے گئے جب کہ حضرت عثمانؓ انہیں امداد کے خطوط بھی لکھ چکے تھے۔ ہمارے خیال میں ساری غلط فہمی اسی لئے پیدا ہوئی ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنروں کو امداد کے لئے خطوط لکھے تھے۔ حالانکہ سرے سے یہ روایت ہی غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کتابوں میں اس قسم کی روایتیں موجود ہیں اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے انہیں قبول کر کے اپنے خیال کی عمارت انہیں روایات کی بنیاد پر تعمیر کی ہے لیکن واقعات ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایتیں بے بنیاد ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ سے باغیوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم آپ پر سختی کریں گے اور اگر آپ کے حامی مزاحم ہوئے تو ہم ان سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ یا تو آپ قتل ہو جائیں یا ہم اپنے رب سے جا ملیں۔ اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تم مجھے پھانسی دے دو مگر یہ گوارا نہیں کہ میں اس چیز سے دست بردار ہو جاؤں جو امرِ الٰہی ہے (یعنی خلافت ایک خدمت دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے) باقی رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ تم میری حمایت میں لڑنے والوں سے لڑو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کا حکم نہیں دوں گا۔ اگر کسی نے تم سے جنگ کی تو وہ اپنی مرضی سے

کرے گا میری اجازت سے نہیں ۔ میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا ارادہ تم سے جنگ کرنے کا ہوتا تو میں اپنی فوجوں کو اطلاع دیتا اور میری امداد کے لئے لشکر آجاتے ۔ اس کے علاوہ مصر اور عراق سے بھی میرے حامی و ناصر پہنچ جاتے ۔"

حضرت عثمانؓ کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے گورنروں اور فوج کے افسران کو اپنی امداد کے لئے کوئی خط نہیں لکھا ۔ صرف یہی نہیں بلکہ عراق اور مصر میں ان کے بے شمار حامی و ناصر موجود تھے حضرت عثمانؓ نے انہیں بھی نہیں بلایا ۔ ان حالات میں اور خصوصاً حضرت عثمانؓ کے اس بیان کے بعد ہم کیسے یقین کریں کہ آپ نے صوبوں کے گورنروں کے نام امداد کے خطوط لکھے تھے ۔ دراصل یہ روایتیں بعد کے لوگوں نے بنائی ہیں اور ان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر بھی ان کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں مگر یہ نادان اتنا نہیں سوچتے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل ہو جانے سے ان کا کیا فائدہ تھا بلکہ الٹا نقصان تھا ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ان گورنروں میں بعض ان کے رشتہ دار بھی تھے ۔ جیسے عبداللہؓ بن ابی سرح گورنر مصر ، عبداللہؓ بن عامر گورنر بصرہ ، امیر معاویہؓ

لہ تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۴۰۹

گورنر شام۔ ان لوگوں کا مفاد تو اسی میں تھا کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ رہتے تاکہ خلافت بنو امیہ کے خاندان سے نہ نکلنے پاتی۔ کیا حضرت عثمانؓ کو قتل کرا کے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا؟

رہ گیا یہ اعتراض کہ جب مصر، کوفہ اور بصرہ سے باغی مدینہ روانہ ہوئے تو ان صوبوں کے گورنر خلیفہ کی امداد کے لئے کیوں نہ دوڑ پڑے ہمارے خیال میں یہ اعتراض بھی کم فہمی کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ان کے ہم خیال افراد کو معلوم ہوگا کہ جب باغی پہلی بار مدینہ سے واپس گئے تھے تو یہ طے کر چکے تھے کہ وہ اگلے سال حاجیوں کے بھیس میں اپنے اپنے علاقوں سے روانہ ہوں گے۔ چنانچہ طبری لکھتا ہے ورجعوا الی بلادھم علی ان یغزوھم مع الحجاج کالحجاج[1] اور انہوں نے یہی کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا بارہواں سال اور شوال کا مہینہ شروع ہوا تو وہ حاجیوں کے بھیس میں اپنے اپنے علاقوں سے روانہ ہو گئے اور مکہ جانے کی بجائے مدینہ کی طرف رخ کر لیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہر صوبے سے ہزاروں ہزار افراد حج کیلئے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۸۵

روانہ ہو رہے ہیں۔ انہیں میں مفسد بھی شامل ہیں۔ اس صورت میں جب کہ ان کے عزائم پوشیدہ تھے اور انہوں نے بہ مشورہ باہم کیا تھا کسی دوسرے کو اس کی اطلاع بھی نہیں دی تھی گورنروں کو کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ ان حاجیوں میں سے کون حج کی نیت سے جا رہا ہے اور کون فساد کی نیت سے پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ کوئی گورنر خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر اپنے صوبے سے روانہ نہیں ہو سکتا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ اسی کتاب میں ایک مقام پر ہم یہ واقعہ درج کر چکے ہیں کہ جب مصر کے گورنر عبد اللہ بن ابی سرح کو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سبا اپنے چند حواریوں کے ساتھ مصر سے روانہ ہوا ہے تو انہوں نے ان لوگوں کو روانگی کی اطلاع بھیجنے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمانؓ سے اجازت طلب کی کہ وہ مدینہ آنا چاہتے ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کا اجازت نامہ ان کے پاس پہنچ گیا تب وہ مصر سے روانہ ہوئے۔[1]

اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنروں کو سختی سے ہدایات دے دی تھیں کہ کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر اپنا علاقہ نہ چھوڑے اس صورت میں یہ اعتراض باطل ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ان کی

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۱۱۳

امداد کے لئے کیوں نہ دوڑ پڑے۔

گورنر حج کرنے کیوں نہ گئے

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ہر سال حج کے موقع پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے مگر ان کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر کوئی گورنر نہیں گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے گورنروں کی مشاورت کے موقع پر ہدایت فرمادی تھی کہ آپ لوگ اپنے اپنے صوبوں میں جائیے اور لوگوں کو فتنہ میں حصہ لینے سے روکئے مگر اس وقت تک کسی پر سختی نہ کیجئے تاوقتیکہ لوگ حدود الہٰی کو پامال نہ کرنے لگیں[۹]۔

ان حالات میں جب کہ کوفہ اور بصرہ کے لوگ شرارت پر آمادہ تھے۔ شام میں بھی عبداللہ بن سبا شرارت کا بیج ڈال آیا تھا (یہ الگ بات کہ وہ برگ و بار نہ لا سکا) گورنروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے صوبوں میں موجود رہیں اور حالات پر کڑی نظر رکھیں تاکہ اگر کسی علاقے میں بغاوت رونما ہو تو اسے فوراً سختی سے کچل دیں۔ اگر وہ اپنے علاقوں کو خالی

---

[۹] "تاریخ طبری جلد سوم ص۳۸۰"

چھوڑ کر مدینہ چلے جاتے جب کہ خلیفہ نے انہیں طلب بھی نہ کیا تھا تو سخت اندیشہ تھا کہ سرکش لوگ فتنہ و فساد برپا کر کے حالات کو خراب کر دیتے جیسا کہ اس سے قبل ایک واقعہ پیش کر چکا تھا۔ جب کوفے کے گورنر سعید بن العاص مدینہ آئے ہوئے تھے اور میدان خالی پا کر مفسدوں نے سیکڑوں افراد کو جمع کر کے ایک لشکر منظم کیا اور کوفہ سے باہر جا کر جرعہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ جب سعید ان کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے انہیں کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور یہ ناکام واپس چلے گئے کیا ان سب حالات سے باخبر ہوتے ہوئے گورنروں کا اپنے علاقوں میں رہنا ضروری نہ تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے علاقوں کو خالی چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں شورش برپا ہو جاتی تو آج یہی ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ان کے ہم خیال اعتراض کرتے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر بڑے نالائق ــــــ ناسمجھ اور نااہل تھے کہ ایسے مخدوش حالات میں اپنے صوبوں کو خالی چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

حجاج امداد کو نہ گئے؟

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حاجیوں کو حضرت عثمانؓ کا خط پڑھ کر سنایا تو ان میں سے کوئی

بھی خلیفہ کی امداد کے لئے روانہ نہ ہوا۔ بلکہ لوگ یہ خط سن کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ حالانکہ بنیادی طور پر یہ اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اس خط میں حجاج کو اپنی امداد کے لئے ہرگز نہیں بلایا تھا بلکہ اس خط کا مقصد صرف اتنا تھا کہ باغیوں کے اُن نمائندوں کا پروپیگنڈہ ناکام کر دیا جائے جو حجاج کو حضرت عثمانؓ کے خلاف مشتعل کر رہے ہوئے تھے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں ان تمام لوگوں کو جو حجاج پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ یہ خط سن کر بھی حضرت عثمانؓ کی امداد کے لئے نہیں گئے کہ اس قسم کے معترض اس خط میں سے ہمیں ایک لفظ بھی ایسا دکھا دیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت عثمانؓ نے حجاج سے اپنی امداد کے لئے مدینہ پہنچنے کی اپیل کی تھی۔ یہ خط بہ تمام کمال ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں درج کیا ہے۔ اس میں سے ہمیں کوئی ایسا لفظ دکھا دیا جائے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ حضرت عثمانؓ حجاج کو اپنی امداد کے لئے بلا رہے تھے بلکہ برعکس اس کے اس خط میں نہایت صراحت سے فتنہ و فساد اور خون ریزی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے نیز حضرت عثمانؓ نے ان الزامات سے اپنی بریت ثابت کی ہے جو ان پر عاید کئے جا رہے تھے۔

اب رہ گیا یہ اعتراض کہ یہ خط سن کر کوئی شخص حضرت عثمانؓ کی امداد کیلئے

روانہ نہ ہؤا تو یہ بھی پہلے اعتراض کی طرح بالکل غلط اور تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ جونہی باغیوں کو معلوم ہؤا کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا ہے۔ انہیں فکر پیدا ہوئی کہ جب حجاج کو مدینہ کے واقعات کی اطلاع ہو گی تو ممکن ہے کہ وہ خلیفہ کی امداد کے لئے روانہ ہو جائیں — چنانچہ انہوں نے اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور قبل اس کے کہ حاجی مدینہ پہنچتے حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

دوسری بات یہ کہ جب حضرت عثمانؓ کا خط حجاج کو سنایا گیا تو اس کے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے درمیان کا وقفہ بہت قلیل تھا اور لوگوں کا مدینہ پہنچنا مشکل تھا مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابی حضرت مغیرہؓ بن اخنس حجاج کے ایک گروہ کے ساتھ سب سے پہلے مدینہ پہنچتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ حاجیوں کا گروہ بھی حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرتے ہوئے باغیوں سے لڑتا ہے۔

ان حالات میں ہمارا یہ قیاس غلط قرار نہیں دیا جائے گا کہ اگر باغی حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں عجلت نہ کرتے تو ہزاروں حاجی مدینہ پہنچ جاتے اور

مفسدوں کا منصوبہ ناکام ہو جاتا۔ بہرحال اس سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ان کے ہم خیال افراد کا یہ دعویٰ تو باطل ہو جاتا ہے کہ حاجیوں نے حضرت عثمانؓ کا خط سنا مگر ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حاجیوں نے حضرت عثمانؓ کا خط سن کر اسے معمولی واقعہ قرار نہیں دیا بلکہ حج کی رسوم ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ ان کی پہلی جماعت حضرت مغیرہؓ بن اخنس کی معیت میں مدینہ پہنچی اور خلیفۂ وقت کی نصرت میں صف بستہ ہو گئی مگر جلد ہی حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور ان لوگوں کو جو حضرت عثمانؓ کی امداد کے لئے آرہے تھے مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچ کر اس اندوہناک سانحے کی خبر ہوئی۔ ساتھ ہی انہیں معلوم ہوا کہ مدینہ پر باغیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس لئے ان میں سے بہت سے واپس ہو گئے اور جو مدینہ کے رہنے والے تھے وہ دو دو چار چار کر کے شہر میں داخل ہو گئے مگر اب جنگ و پیکار بے سود تھی کیونکہ جس کے لئے جنگ کرنا تھی وہ دنیا سے جا چکا تھا۔

اہل مدینہ باغیوں کے ہم نوا تھے؟

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کی اکثریت باغیوں کی

ہم نوا تھی اور اس اعتراض کے ساتھ ہم ان کے پانچویں اعتراض کو بھی شامل کئے لیتے ہیں کہ صحابہ کی مختصر سی جماعت حضرت عثمانؓ کے ساتھ ضرور تھی مگر اس نے بھی صرف زبانی حمائت کی عملاً کچھ نہ کیا۔

تاریخ ڈاکٹر صاحب کے ان دونوں اعتراضوں کی تردید کرتی ہے اہلِ مدینہ کی اکثریت ہی نہیں بلکہ سارے اہل مدینہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے۔ صرف دو آدمی ایسے تھے جو حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں سرگرم کار تھے۔ ایک محمد بن ابو بکرؓ اور دوسرے محمد بن ابی حذیفہؓ یہ دونوں بڑے جلیل القدر صحابیوں کے بیٹے تھے مگر افسوس کہ دونوں نے نہایت برا نمونہ دکھایا اور اپنے باپ کے نام کو بٹہ لگایا۔ محمد بن ابو بکرؓ خلیفہ اوّل صدیق اکبرؓ کے بیٹے تھے ان کی عمر دو یا ڈھائی سال کی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ وفات پا گئے ان کی والدہ نے حضرت علیؓ سے نکاح کر لیا اور یہ حضرت علیؓ کے زیر تربیت پروان چڑھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ صلبی اور حضرت علیؓ کے ساتھ تربیتی تعلق نے ان میں تکبر کا مادہ پیدا کر دیا تھا اور یہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ مجھے کسی علاقے کا حاکم بنا دیا جائے مگر انہوں نے اندازہ کر لیا کہ ان میں سعادتِ فطری اور جوہر قابل نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے عہدہ نہ دیا۔ حضرت عثمانؓ کا اندازہ صحیح ثابت ہؤا اور یہ حضرت عثمانؓ کے خلاف ہو گئے۔ اسی دوران میں

عبداللہ بن سبا مدینہ آیا اور یہ اس کے دامِ فریب میں مبتلا ہو کر حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے اس کے بعد مصر چلے گئے اور وہاں لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف مشتعل کرنے لگے۔

محمد بن ابی حذیفہؓ رسول اللہ کے اس جلیل القدر صحابی کے بیٹے تھے جو سابقون الاولین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ایک جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس وقت محمد خورد سال تھے۔ یتیم ہو جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے انہیں اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اپنا بیٹا بنا لیا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سوسائٹی اچھی نہ تھی۔ . . . .

. . . . ایک روایت کے مطابق ان کے بعض افعالِ قبیحہ پر حضرت عثمانؓ نے سزا بھی دی تھی شاید اسی سے دل برداشتہ ہو کر یہ بھی حضرت عثمانؓ کے مخالف ہو گئے۔ بعض تاریخوں میں آتا ہے کہ انہوں نے محمد بن ابو بکرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ سے کوئی عہدہ مانگا تھا مگر حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا اس لئے یہ بھی ناراض ہو کر مصر چلے گئے اور عبداللہ بن سبا کی تحریک میں شامل ہو کر حضرت عثمانؓ کے خلاف اشتعال انگیزی کرنے لگے مگر جس وقت حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا ہے اس وقت یہ مدینہ میں نہیں تھے۔

حضرت عمار بن یاسر کا کردار

مدینہ کے ایک تیسرے شخص جنہیں حضرت عثمانؓ کے مخالفوں میں شامل کیا جاتا ہے حضرت عمارؓ بن یاسر ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور انہوں نے اپنے والد حضرت یاسرؓ اور اپنی والدہ ماجدہ سمیہؓ کے ساتھ اسلام کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ایک بار جب کفارِ مکہ ان کو گرم گرم ریت پر لٹا کر تکلیفیں دے رہے تھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ نے ان کا حالِ زار دیکھ کر فرمایا "اے آل یاسرؓ! تمہیں جنت کی بشارت ہو"۔ ایسے مقدس صحابی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فتنہ پردازوں سے مل گئے تھے کسی طرح قابلِ یقین نہیں ہو سکتا۔ یہ ذوقی بات نہیں ہے بلکہ واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مختلف صوبوں کے حالات کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر فرمایا تو اس کمیشن میں حضرت عمارؓ بن یاسر کو بھی شامل کیا اور انہیں مصر کے گورنر کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا۔ حضرت عمارؓ مصر تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر رپورٹ کی کہ "مصر میں ہر لحاظ سے امن و سکون ہے۔ انہوں نے

اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں گورنر مصر کے خلاف کسی قسم کا الزام نہیں لگایا[1]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے متعلق یہ الزام بے بنیاد ہے کہ وہ مصر جا کر فتنہ پردازوں سے مل گئے تھے نیز گورنر مصر اور حضرت عثمانؓ کے خلاف الزام تراشی کرتے تھے۔ اگر وہ عبداللہ بن سبا کے دام فریب میں آکر حضرت عثمانؓ یا ان کے گورنر کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرتے تو مدینہ واپس آکر خلیفہ وقت کے حضور یہ رپورٹ کیسے پیش کر سکتے تھے کہ مصر کے گورنر کے خلاف الزامات بے بنیاد ہیں اور وہاں ہر لحاظ سے امن وسکون ہے
ان کے کردار کے امتحان کا دوسرا موقع وہ تھا جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ان پر کھانا حتیٰ کہ پانی تک بند کر دیا۔ حضرت عمارؓ نے نہ صرف یہ کہ اس شورش میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ ہر ممکن حد تک خلیفۂ وقت کی امداد کی۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا میٹھا پانی مجھے دے جائیے تو یہ سن کر حضرت عمارؓ بن یاسر بے قرار ہو گئے اور فرمایا کہ "عثمانؓ نے ہزاروں روپے میں بیر رومہ خریدا اور اسے عامۃ الناس کے لئے وقف کر دیا۔

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم ص۵۲۵ بحوالہ تاریخ بدایع

اور آج یہ لوگ انہیں کو اس سے پانی پینے سے روکتے ہیں[1]" یہ کہہ کر انہوں نے میٹھے پانی کا ایک مشکیزہ لیا اور حضرت عثمانؓ کو دے آئے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو بدنام کرنے کے لئے کیسے کیسے بے سروپا افسانے گھڑے گئے ہیں۔

بہرحال اس عہد کی تاریخ پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اس فتنے میں مدینہ کے صرف دو افراد کی شرکت ثابت ہوتی ہے ایک محمد بن ابو بکرؓ اور دوسرے محمد بن ابی حذیفہؓ۔ ان دو کے علاوہ کسی تیسرے شخص کا نام حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں نظر نہیں آتا بلکہ برعکس اس کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ کے عوام وخواص شروع سے آخر تک حضرت عثمانؓ کے وفادار رہے۔ چنانچہ جس وقت اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ کوفہ بصرہ اور مصر کے باغی مدینہ پہنچنے والے ہیں تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی قیادت میں اہل مدینہ کی جماعت کثیر شہر سے باہر خیمہ زن ہو گئی تاکہ باغیوں کو شہر میں داخل ہونے سے روک دے[2]

اگر اہل مدینہ کی اکثریت حضرت عثمانؓ کے خلاف ہوتی تو اتنی بڑی جماعت ان کی مدافعت میں کیسے نکل سکتی تھی۔ یاد رہے کہ

---

[1] وفاالوفا جلد سوم صفحہ ۹۶۸ [2] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۶

باغیوں کی تعداد تین ہزار[1] تک بیان کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ تین ہزار افراد کو روکنے کے لیے کم سے کم اتنے ہی افراد کی ضرورت ہوگی۔ پس اگر صرف تین ہزار افراد ایک موقع پر حضرت عثمانؓ کی حمایت میں نکل سکتے تھے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ مدینہ کی اکثریت حضرت عثمانؓ کے خلاف تھی۔ پھر ایک دوسرے موقع پر جب حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو حضرت عثمانؓ کے مکان میں تھے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا امیرالمومنین ہمارے ساتھ اس وقت سات سو[2] نوجوان ہیں آپ ہمیں اجازت دیں کہ ان باغیوں سے جنگ کریں مگر حضرت عثمانؓ خدا کا واسطہ دے کر جنگ کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ حضرت عثمانؓ کے بار بار روکنے قسمیں دینے، صحابہ کو بھیج بھیج کر لوگوں کو اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے کی تلقین کرنے کے باوجود سات سو جوان آپ کی حفاظت کے لئے قصرِ خلافت میں جمع ہیں اور حضرت عثمانؓ سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ اہل مدینہ نے حضرت عثمانؓ کی کوئی مدد نہیں کی اور انہیں باغیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا؟

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۸۷ [2] طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۵

مدینہ میں سب سے بڑی طاقت انصار کی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کے لئے کسی سے کم بیتاب نہ تھی۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا امیر المومنین! جماعت انصار دروازے پر کھڑی ہے اور اجازت چاہتی ہے اسے ایک بار پھر انصار بننے کا موقع دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگر ان کا مطلب جنگ کرنا ہے تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گا"۔[1]

ایک اور موقع پر جب صحابہ اور اہل مدینہ نے حضرت عثمانؓ سے باصرار جنگ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے بڑی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"اے میری قوم کے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو"۔[2]

غرض یہ کہ مدینہ کے انصار، مہاجرین، معروف وغیر معروف صحابہ اور عام نوجوان سب حضرت عثمانؓ کی حمایت و امداد پر کمربستہ تھے اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد اول ص۔۔ [2] طبری جلد سوم ص۔۔

ان سے بار بار جنگ کرنے کی اجازت مانگ رہے تھے مگر خود حضرت عثمانؓ انہیں جنگ سے روک رہے تھے۔ اور انہوں نے آخر وقت تک اس کی اجازت نہ دی۔ اس لئے یہ کہنا تاریخ کو جھٹلانا ہے کہ مدینہ کی اکثریت حضرت عثمانؓ کے خلاف تھی اور صحابہ کی مختصر سی جماعت جو ان کے ساتھ تھی اس نے بھی زبانی حمایت کے سوا اور کچھ نہ کیا۔

حضرت عثمانؓ خلافت سے کیوں دست بردار نہ ہوئے؟

یہاں پہنچ کر بعض لوگوں کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب باغی حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور ان کی دست برداری سے یہ فتنہ ختم ہو جاتا نہ کشت و خون ریزی ہوتی اور نہ امت اختلاف و انتشار کا شکار ہوتی تو انہوں نے دست برداری کیوں نہ قبول کر لی؟

جن لوگوں نے اسلامی تعلیم کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ خلافت دنیا کے عام جمہوری طرز کا نظامِ حکومت نہیں ہے۔ یہ خالص دینی نظام ہے جس کی بنیاد قرآن پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے قرآنی نظامِ حکومت کہہ سکتے ہیں۔ اسے عام جمہوری نظامِ حکومت کی طرح سمجھنا غلط ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے خلیفہ خدا بناتا ہے گو اسے منتخب بندے ہی کرتے

ہیں مگر انتخاب کے وقت بندوں کے قلوب پر تصرف الٰہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ الخ اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ وہ ان میں سے زمین پر اپنے خلیفے قائم کرے گا۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ خداوند تعالےٰ خود مقرر کرتا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا ہے کہ اس کا انتخاب بندے ہی کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جسے خلیفہ بنانا پسند کرتا ہے اپنے بندوں کی اکثریت کے دل اس کی طرف پھیر دیتا ہے اور وہ اسے اپنا خلیفہ منتخب کر لیتے ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب خلیفہ خدا بناتا ہے اور قرآن حکیم میں وہ اس کی صراحت بھی کر چکا ہے تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ کو معزول کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس منصب جلیلہ سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ قرآن حکیم کا یہ ارشاد ان کے پیش نظر تھا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ وہ ان میں سے زمین پر اپنے خلیفہ مقرر کرے گا۔ اسی ارشاد کو پیش نظر

رکھتے ہوئے حضرت علیؓ نے بھی اس وقت خلافت سے دستبرداری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جب جنگ صفین کے بعد حکمین نے اپنی ناسمجھی سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ امیر معاویہؓ شام کی گورنری سے اور حضرت علیؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کی طرح حضرت علیؓ بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ نہ تو خلیفہ کا منتخب کرنا خالص انسانی فعل ہے اور نہ اسے خلافت سے معزول کرنا انسانوں کے اختیار میں ہے۔

خلافت سے معزول نہ ہونے کی دوسری وجہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک واضح ہدایت تھی۔ اگر حضرت عثمانؓ اس ہدایت کی پابندی نہ کرتے تو خدا و رسولؐ کی نظر میں یقیناً گنہگار ہوتے۔ چنانچہ حضرت امام احمد حنبلؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت) عثمانؓ بن عفان کو اپنے حضور طلب کیا اور ان سے فرمایا کہ "اے عثمانؓ! خدا تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ منافق مطالبہ کریں گے کہ اسے اتار دو مگر تم نہ اتارنا حتیٰ کہ مجھ سے آملو۔ یہ الفاظ آپؐ نے تین بار فرمائے"[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۰۷

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ عثمانؓ کے محاصرے کے دوران جب میں نے دیکھا کہ وہ باغیوں کے مطالبے کے باوجود خلافت سے دستبرداری قبول نہیں کرتے تو میں نے سمجھ لیا کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو عہد کیا تھا اسے ایفا کر رہے ہیں۔[۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو جس قمیص کی بشارت دی تھی وہ یہی خلافت کی قمیص تھی۔ حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی قمیص سے خلافت ہی مراد لی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے بھی قمیص کو خلافت ہی قرار دیا۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عثمانؓ سے ملنے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے خلافت سے علیحدہ ہونے کا مطالبہ کر رہے ہیں بصورتِ دیگر مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین! کیا آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ " پھر آپ وہ

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۲۰۸

قمیص نہ اتاریئے جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو پہنائی ہے۔"[1]

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو زبانِ وحیٔ ورسالت سے تفویضِ خلافت کی بشارت دی گئی تھی اور یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ باغیوں بلکہ منافقوں کے مطالبے پر خلافت سے دست بردار نہ ہونا کیا حضرت عثمانؓ کے لیئے یہ مناسب تھا کہ وہ ارشادِ رسولؐ کی تعمیل سے انکار کرتے۔ صحابہ کی توضیحات اور خود حضرت عثمانؓ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت سے دستبردار نہ ہونے کی اصل وجہ یہی تھی ۔۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبائے خلافت اتارنے سے منع فرما دیا تھا۔

(یہ تھے وہ دو بڑے اور اہم اسباب جن کی بنا پہ حضرت عثمانؓ نے موت قبول کر لی مگر خلافت سے معزولی گوارا نہ کی۔ ان کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ مبذول نہیں ہوتی اور وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کو اندیشہ تھا کہ اگر آج وہ کچھ لوگوں کے مطالبے پر خلافت سے

---

[1] انساب الاشراف جلد پنجم ص ۶۷

معزول ہو گئے تو آنے والے خلفاء کے لئے ایک بری نظیر قائم ہو جائیگی اور جب کوئی جماعت اپنے خلیفہ سے کسی وجہ سے ناراض ہو گی تو فوراً اس سے مطالبہ کرے گی کہ خلافت سے معزول ہو جاؤ۔ اس طرح ملت اسلامیہ کا نظامِ حکومت ہمیشہ غیر محفوظ اور غیر مستحکم رہے گا۔ یہ ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اندیشوں کا اسی زمانے میں اور خود حضرت عثمانؓ کے سامنے اظہار کیا گیا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اے امیر المومنین! اگر آج آپ باغیوں کے مطالبے پر خلافت سے دستبردار ہو گئے تو پھر یہ سنت بن جائیگی کہ جب بھی قوم (کے کچھ لوگ) خلیفہ سے ناراض ہونگے اسے خلافت سے معزول کر دیا کریں گے[1] خود حضرت عثمانؓ کے مدِ نظر بھی یہ خدشہ تھا اور بعض روایتوں کے مطابق انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ ان حالات میں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ حضرت عثمانؓ نے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ رد کر کے امت پر احسانِ عظیم فرمایا انہوں نے اپنی جان دے دی مگر خلافت کی عظمت اور تقدس کو بچا لیا ورنہ خلافت بازیچۂ اطفال بن جاتی۔

---

[1] العواصم من القواصم ص۱۳۰

حضرت عائشہؓ اور شہادت عثمانؓ

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے نازک حالات میں جب کہ حضرت عثمانؓ فتنہ پردازوں کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے حضرت عائشہؓ کا حج کے لئے چلا جانا مناسب نہ تھا۔ اگر بات یہیں تک رہتی تو بھی غنیمت تھا مگر کچھ لوگوں نے جنہیں رسولؐ اللہ کے صحابہ کو ایک دوسرے کا دشمن ثابت کرنے میں لطف آتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا بلکہ بڑے شد و مد سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی مخالف تھیں، بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ رونما ہوا اس میں حضرت عائشہؓ کا بھی ہاتھ تھا۔ حالانکہ تاریخ اس خیال کی پُرزور تردید کرتی ہے۔ مستند روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فتنہ پردازوں سے سخت نفرت کرتی تھیں اور انہوں نے اپنے امکان بھر اس فتنہ کے انسداد کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ جب مفسد مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے باہر خیمہ زن ہوئے اور انہوں نے صحابہ اور امہات المومنین سے شہر میں آنے کی اجازت طلب کی تو دوسری امہات المومنین کی طرح حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی انہیں مدینہ میں داخل

ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا بلکہ انہیں اس قسم کی حرکات سے روکا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی دشمن ہوتیں اور اس فتنہ میں ان کا بھی ہاتھ ہوتا تو وہ مفسدوں کی پشت پناہی کرتیں اور نہ صرف انہیں مدینہ میں آنے کی اجازت دیتیں بلکہ صحابہ اور اہل مدینہ سے کہتیں کہ عثمانؓ کے خلاف خروج کرنے والے حق پر ہیں ان کی امداد کرو۔ اگر وہ ایسا کرتیں تو یقیناً باغیوں کے حوصلے بلند ہو جاتے اور اہل مدینہ کی بڑی اکثریت حضرت عثمانؓ کے خلاف صف آرا ہو جاتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی اور مفسدوں کا یہ گروہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جب باغیوں نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کیا اور حضرت عائشہؓ نے محسوس کیا کہ ان کا مدینہ میں رہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ تمام بڑے بڑے صحابہ کی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور مفسد اپنی شرارتوں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے مکہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ فتنہ کے انسداد کی کوششیں انہوں نے اس موقع پر بھی ترک نہ کیں۔ چنانچہ مورخ ابن جریر طبری نے

۱؎ تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۸۶

لکھا ہے کہ مکہ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے بھائی محمد بن ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ چلنے کی تحریک کی مگر اس نے آپ کی بات نہ مانی۔ تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ محمد بن ابو بکرؓ حضرت عثمانؓ کا شدید مخالف تھا اور مدینہ کے دو اشخاص میں سے یہی وہ شخص تھا جو شروع سے آخر تک اس فتنے میں شریک رہا۔ ابوبکر صدیقؓ کا فرزند ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن سبا اسے اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تاکہ مفسدوں کا ایک بڑا آلۂ کار ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور محمد بن ابو بکرؓ بھی اس فتنہ سے محفوظ ہو جائے اگر حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عثمانؓ کی مخالف ہوتیں تو وہ فتنہ پردازوں کے اس سرغنہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی کبھی کوشش نہ کرتیں بلکہ اسے خاص ہدایات دے کر وہیں قیام کرنے کا حکم دیتیں تاکہ فتنہ اور بڑھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فتنے میں ان کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ وہ فتنہ پردازوں سے سخت ناراض تھیں چنانچہ تاریخ میں آتا ہے جب حضرت عائشہؓ حج کے لئے روانہ ہوئیں تو "وہ مفسدینِ مصر پر سخت غضبناک ہو رہی تھیں"[۱]

---

[۱] تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۱۷

ان روایات سے قطع نظر تاریخ میں خود حضرت عائشہؓ کا بیان موجود ہے جو سب سے زیادہ مستند ہے اور اس فتنہ میں ان کی شمولیت کی پرزور تردید کرتا ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

"میں خدا کی قسم کھاکر کہتی ہوں کہ میں نے کبھی عثمانؓ کی تذلیل کو پسند نہ کیا اگر میں نے کبھی ایسی خواہش کی ہو تو خدا کرے میں بھی ایسی ہی ذلیل کی جاؤں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کبھی یہ نہ چاہا کہ عثمانؓ کو قتل کیا جائے اگر میں نے ایسا چاہا ہو تو خدا کرے میں بھی قتل کی جاؤں[1]"

ہمارے خیال میں حضرت عائشہؓ کا بڑے سے بڑا مخالف بھی ان پر کذب بیانی اور دروغ حلفی کا الزام عائد نہیں کر سکتا۔ اس حلفیہ بیان کے بعد ان کے متعلق اس قسم کی قیاس آرائیوں کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ حضرت عثمانؓ کی دشمن تھیں یا انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں حصہ لیا۔ ان روایتوں اور بیانات کے علاوہ ایک اور محکم دلیل اس امر کی موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ کا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ وہ حضرت عثمانؓ کی دشمن تھیں۔ یہ محکم دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] بخاری جزء خلق افعال العباد ص۲

وآلہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ نے بیان کی اور جس میں حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں خلافت کی قمیض پہنائے گا۔ ان سے اس قمیض کو اتارنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ آپؐ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ تم یہ قمیص نہ اتارنا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوتیں یا انہوں نے ان کے خلاف کسی سازش میں حصہ لیا ہوتا تو وہ ایسی روایت بیان کرتیں جس سے حضرت عثمانؓ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوتا!

ان تمام روایتوں سے قطع نظر خود قرآن اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا دامن اس قسم کی حرکات سے پاک تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورہ احزاب آیت ۳۲ رکوع ۴)

(ترجمہ) اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قسم کی گندگی سے نجات دینا اور کامل طور پر پاک کرنا چاہتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ پاک کرنا چاہے وہ ناپاک رہیں

۱؎ مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۲۶۳

دراصل اس آیت میں ازواج مطہرات کو بشارت دی گئی ہے یا امت کو بتایا گیا ہے کہ
نبیؐ کی بیویوں کے دل گھٹیا جذبات سے پاک ہیں لیکن اگر ہم یہ تسلیم
کرلیں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں حصہ لیا
اور انہیں قتل کرادیا بالفاظ دیگر امت میں زبردست انتشار پیدا کرایا
اور مسلمانوں کی مرکزیت کو پارہ پارہ کردیا تو ارشاد خداوندی غلط ثابت
ہوگا کیونکہ ایسی شخصیت کو کبھی پاک قرار نہیں دیا جاسکتا جو امتِ محمدیہ میں
فتنۂ عظیم برپا کرلے اور مسلمانوں کے خلیفہ کو قتل کرا دے اور ظاہر ہے کہ
تاریخ کی روایات اور مورخین کے خیالات تو غلط ہو سکتے ہیں مگر قرآن کا
کوئی ارشاد غلط نہیں ہو سکتا پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم
کے ارشاد کی رُو سے حضرت عائشہؓ کا دامن اس قسم کے فتنوں سے پاک ہے
بلکہ ہر فتنے اور ہر گندگی سے پاک ہے۔

اس مرحلے پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ
اس اعتراض پر مصر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اہل بیت کو پاک ہونے کی
بشارت دی ہے۔ حضرت عائشہؓ اہل بیت میں کب تھیں؟ اس
اعتراض کا جواب دینے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ مندرجہ بالا
آیت کے سیاق و سباق پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہاں
اہل بیت سے مراد بیویاں ہیں یا بیٹیاں؟ چنانچہ اس آیت (انما یرید اللہ)

سے پہلے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝

(احزاب آیت ۳۲-۳۳)(ترجمہ) اے نبیؐ کی بیویو تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرنا چاہتی ہو تو چبا چبا کر (ناز و انداز کے ساتھ) بات نہ کیا کرو تاکہ جس شخص کے دل میں بیماری ہے وہ تمہارے متعلق کوئی برا خیال قائم نہ کرے اور اچھی بات کہا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھا کرو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار (دوسروں پر) ظاہر نہ کیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو (اے رسولؐ کے اہلبیت) اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اور تمہیں کامل طور پر پاک کر دے۔

ان آیات کا شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان میں نبی کی بیویوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ ان آیات کے درمیان کوئی ایسی آیت نہیں ہے جہاں مفہوم تبدیل ہوا ہو یا کسی اور کو مخاطب کیا گیا ہو۔ اگر ان آیات کے آغاز میں نبی کی بیویاں مخاطب ہیں تو

ان کے آخر میں بھی وہی مخاطب ہوں گی۔ ان آیات کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ "اے نبیؐ کی بیویو تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو" اور اختتام اس طرح کہ "اے رسولؐ کے اہل بیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں کامل طور پر پاک کر دے" یہاں پر اللہ تعالیٰ "اہل بیت" کی بجائے "یٰنساء النبی" بھی فرما سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ بیویوں کو اہل بیت میں شامل کیا جائے۔ پس اس ارشادِ قرآنی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بیویاں اہل بیت میں داخل ہوتی ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے واقعے میں فرماتا ہے کہ رحمت اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت (سورۂ ہود آیت رکوع)

فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سے کہا کہ اے (ابراہیمؑ کے) اہل بیت تم پر خدا کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔

اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسانوں کے روپ میں آئے اور آپؑ کو ایک بیٹے اور پھر پوتے کی بشارت دی۔ آپ کی بیوی حضرت سارہؓ بھی قریب ہی کھڑی تھیں۔ جب انہوں نے یہ سنا تو وہ بہت پریشان ہوئیں اور کہا کہ ہائے میری خرابی کہ میں اس بڑھاپے میں بچہ جنوں گی۔

جب کہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس پر اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے کہا کہ "تعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکتہ علیکم اهل البیت"

"تو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کرتی ہے (اے ابراہیمؑ کے) اہل بیت تم پر تو خداوند تعالےٰ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہو رہی ہیں"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیویاں اہل بیت میں شامل نہیں ہیں تو فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے کون سے اہل بیت پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہونے کی بشارت دی اور وہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو مخاطب کر کے۔ اس وقت تک حضرت ابراہیم کے اہل بیت میں آپکی بیوی کے سوائے اور کوئی بھی نہ تھا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بیویاں اہلِ بیت میں شامل ہیں یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ اسکے مقابلے میں تاریخ کی وہ تمام روایتیں اور جعلی حدیثیں دریا برد کر دینے کے قابل ہیں جو اس ارشاد خداوندی سے ٹکراتی ہیں کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاطمہؓ تو اہل بیت میں شامل ہوں مگر حضرت خدیجہؓ جن کے بطن سے حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں اور رسولِ خدا کی نسل کا آغاز ہوا وہ اہل بیت سے باہر ہوں پس ان دلائل کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونیوالے کسی فتنے میں حصہ نہیں لیا کیونکہ وہ نبیؐ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور نبی کی ازواج کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گندے افعال سے پاک قرار دے چکا ہے۔

حالات و کردار

حالات و کردار

حلیہ

حضرت عثمانؓ کا رنگ گندم گوں۔ قد موزوں بلکہ کسی قدر درازی کی طرف مائل، سینہ فراخ، بازو بھرے ہوئے اور پنڈلیاں پُرگوشت تھیں۔ سر پر بڑے بڑے بال تھے (غالباً زلفیں رکھتے تھے) داڑھی دراز تھی۔ جسے حنا سے رنگ لیتے تھے۔ چہرے پر چیچک کے معمولی سے نشانات تھے۔ جسم کے سڈول پن، اعضا کے تناسب، چہرے کے خدوخال کی موزونیت۔ اور رنگ کے نکھار کی وجہ سے آپ کو اس زمانے کے وجیہ و حسین لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خوبصورت ترین لوگوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ

جب آپ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا تو ان (ام کلثومؓ) سے فرمایا کہ اے ام کلثومؓ تمہارے شوہر کی شکل و صورت تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ اور تمہارے والد محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت مشابہ ہے۔[1]

مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:- ابن سعید بن یربوع مخزومی کا بیان ہے کہ میں ایک روز مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں ایک وجیہ و شکیل بزرگ کو دیکھا جو سو رہے تھے ان کے سر کے نیچے اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ میں ان کے چہرے کا حسن دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنے میں وہ بیدار ہو گئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ ان کے پاس ہی ایک لڑکا سو رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے جگاؤ۔ میں نے اسے اٹھایا۔ آپ نے اسے کچھ لانے کو کہا اور مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ لڑکا ایک حلہ اور ایک ہزار درہم لایا۔ آپ نے میرے کپڑے تبدیل کروا کر وہ حلہ مجھے پہنایا اور درہم میری جیب میں ڈال دیئے۔ وہاں سے اٹھ کر میں اپنے والد کے پاس آیا اور ان سے یہ ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا تجھے معلوم ہے کہ جس بزرگ نے تیرے ساتھ یہ فیاضی کی

---

[1] تاریخ الخلفاء باب عثمانؓ بن عفان

وہ کون ہے؟ میں نے کہا میں اس کے سوائے اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ مسجد میں سو رہے تھے۔ میں نے ایسا حسین وجمیل شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میرے والد نے کہا کہ وہ عثمانؓ بن عفان ہیں[1]

وضع لباس

عرب کے متمول ترین اور مسلمانوں کے جلیل القدر حاکم ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ نہایت سادہ زندگی گذارتے تھے۔ آپ کا لباس نہایت کم قیمت کا ہوتا تھا۔ بعض دفعہ پیوند لگا لباس زیب تن فرما لیتے تھے مگر صاف کپڑے پہنتے تھے۔ قمیص اور تہبند آپ کا لباس تھا۔ پاجامہ ساری عمر میں کبھی نہیں پہنا۔ صرف شہادت کے روز زیب تن فرمایا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے قیمتی لباس پہن لیتے تھے مگر وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے[2]

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا آپ خچر پر سوار تھے۔ زرد لباس زیب تن تھا۔ گیسو دونوں شانوں پر کمال

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۱۳

لطف و خوبی سے لٹکے ہوئے تھے۔ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ ریش مبارک رنگین تھی۔[1]

سیرت و اخلاق

حضرت عثمانؓ تاریخ اسلام کے ان چند عظیم افراد میں سے تھے جنہوں نے ایام جاہلیت میں بھی کبائر سے پرہیز کیا۔ شراب خوری، زنا، کمزوروں پر ظلم، کذب بیانی اور حق تلفی سے ان کا دامن اس وقت بھی پاک تھا جب سارا عرب ان گناہوں میں آلودہ تھا۔ اپنی فطرت کی اسی سعادت کی وجہ سے انہوں نے کسی دلیل اور معجزے کے بغیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد ان کی ایمانی حالت روز بروز بلکہ لمحہ بہ لمحہ ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ان کا شمار آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ممتاز صحابہ میں ہونے لگا۔

خدمتِ رسولؐ

حضرت عثمانؓ کی سیرت کا سب سے بڑا وصف رسول اللہؐ کے ساتھ وہ عشق تھا

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم صفحہ ۱

جس کی نظیر کم ہی ملے گی۔ ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے
وہ حضور کو تکلیف میں دیکھ کر بےقرار ہو جاتے اور مسرور پاکر ان کا دل
بھی انبساط سے لبریز ہو جاتا۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کے آقا
کے شب و روز تنگ دستی میں گذر رہے ہیں تو وہ ان کی خدمت
کے لئے دیوانہ وار دوڑ پڑتے اور جب تک فقر و فاقہ کی یہ حالت
ختم نہ ہو جاتی اس وقت تک انہیں چین نہ آتا۔ چنانچہ صاحب
شمس التواریخ نے لکھا ہے کہ "حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ
ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ رسولؐ خدا کے اہل بیت چار روز تک بھوکے
رہے۔ یہاں تک کہ بچے بھوک سے بلبلانے لگے۔ جناب رسولؐ خدا گھر میں
تشریف لائے اور جناب صدیقہ سے فرمایا کہ" کیا میرے بعد تم لوگوں
نے کھانے کو کچھ کھایا"؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ جب خداوند کریم
آپ کے ہاتھوں نہ بھیجے تو کون دینے والا اور بھیجنے والا ہے۔ جناب رسولؐ
خدا نے وضو کیا نفل نماز ادا کر کے دعا مانگی اور باہر تشریف لے گئے۔
آخر دن میں حضرت عثمانؓ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی
میں نے منع کرنے کا قصد کیا مگر پھر دل میں کہا کہ عثمانؓ دولت مند

لوگوں میں سے ہیں شاید خداوند کریم نے انہیں اس واسطے بھیجا ہو کہ اس وقت ہماری مدد کریں۔ یہ خیال کر کے میں نے انہیں اندر بلا لیا۔ عثمانؓ اندر آئے اور کہا "اے مادرِ مہربان! رسول اللہؐ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟" میں نے کہا اے میرے پیارے بیٹے! محمدؐ کے گھر میں چار دن سے چولہا نہیں جلا۔ وہ گھر میں تشریف لائے تھے۔ بھوک کی شدت سے ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ پھر میں نے وہ گفتگو جو میرے اور آں حضرتؐ کے درمیان ہوئی تھی بیان کی۔ یہ حال سن کر عثمانؓ رو پڑے اور کہا "کم بخت دنیا تباہ ہو"۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔ اے ام المومنین! آپ کو مناسب نہ تھا کہ اس حالتِ تنگی اور فقر و فاقہ کو مجھ سے چھپایا اور اس کی بابت مجھ سے کچھ اظہار نہ فرمایا۔ نہ کسی دوسرے دولت مند صحابی جیسے عبدالرحمٰن بن عوف، ثابتؓ بن قیس وغیرہ سے کہا۔ یہ کہہ کر عثمانؓ چلے گئے۔ گھر جا کر بوریوں میں آٹا، گیہوں، کھجور بھر کر اور ایک بکری اور تین سو درم نقد ایک تھیلی میں رکھ کر بھجوائے پھر خیال کیا کہ خام جنس کے تیار ہونے میں دیر ہو گی اور اہل بیتِ رسولؐ بھوک سے نڈھال ہیں لہذا کچھ پکا ہوا کھانا بھی جانا چاہیئے۔ اس خیال سے روٹیاں اور گوشت بریاں بافراط بھیج دیا اور خود آ کر کہہ گئے کہ آپ لوگ کھا لیں اور رسول اللہؐ کے لئے رکھ دیں۔ مجھ سے قسم لی کہ اگر آئندہ

فقر و فاقہ کی ایسی نوبت آجائے تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد رسولِ خدا تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہؓ! کیا میرے بعد تمہارے پاس کچھ آیا؟

جناب صدیقہؓ: یارسولؐ اللہ! آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ گھر سے دعا مانگ کر نکلیں (اور وہ قبول نہ ہو؟) یہ بھی آپ کو یقین ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی دعا رد نہیں کرتا۔

آں حضرتؐ:۔ تم کو کیا ملا؟

جناب صدیقہؓ:۔ اس قدر بارِ شتر آٹا۔ اس قدر گیہوں۔ اتنے اونٹ کھجور کے۔ تین سو درم نقد۔ بکری۔ روٹیاں۔ گوشت پختہ کثرت سے آیا ہے۔

آں حضرتؐ:۔ کس نے بھیجا اور کہاں سے آیا؟

جناب صدیقہؓ:۔ یہ سب کچھ عثمانؓ بن عفان نے بھیجا ہے۔

یہ سن کر رسولِ خدا رو دیئے۔ . . . . . پھر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی اور فرمایا "بارِ الٰہا میں عثمانؓ سے راضی و خوش ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا۔ (بارِ الٰہا میں عثمانؓ سے راضی و خوش ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا۔[1]

---

[1] شمس التواریخ حصہ چہارم صفحہ ۳۱۲

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکالیف کے ازالے کے لئے کس قدر مستعد رہتے تھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"غزوہ تبوک میں آں حضرتؐ کو بھوک پیاس اور سواری کی جس قدر تکلیف اٹھانی پڑی اتنی کسی غزوہ میں نہیں ہوئی۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپؓ نے کھانا تیار کرایا اور حضورؐ کے شایانِ شان (یا اس وقت کی ضروریات کے مطابق) سامان خرید کر آپؐ کے پاس بھیج دیا۔ حضورؐ نے دیکھا کہ گرد و غبار اٹھ رہا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ "تمہارے لئے خیر آگئی ہے"۔ اتنے میں اونٹ نمودار ہو گئے انہیں بٹھایا گیا اور ان پر سے سامان اتارا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور عرض کیا "اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا"۔ یہ کلمات آپؐ نے تین بار کہے[1]۔

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صـ ۲۲۲

خوفِ خدا

حضرت عثمانؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو حضورؐ کے رنگ میں رنگ لیا تھا جن کا سونا جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا غرض زندگی اور موت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ انہوں نے ۸۰ سال کی طویل زندگی نہایت پاکیزگی سے بسر کی اور ایسا کوئی کام نہ کیا جو خدا اور اس کی رضا کے خلاف ہوتا مگر اس کے باوجود ان پر ہر وقت خوف خدا غالب رہتا۔ بعض اوقات خداوند تعالیٰ کا جلال یاد کرکے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ موت، قبر اور آخرت کی فکر آپ کے ذہن کا احاطہ کئے رکھتی جب جنازہ گذرتے دیکھتے تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ قبرستان میں جاکر موت کو یاد کرکے اتنا روتے کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ جب کوئی رونے کی وجہ پوچھتا تو کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر سفرِ آخرت کی پہلی منزل ہے اگر یہ مرحلہ آسان ہوگیا تو باقی مرحلے بھی بآسانی طے ہو جائیں گے اور اگر یہ پہلی منزل آسان نہ ہوئی تو کوئی منزل آسانی سے طے نہ ہوسکے گی۔[۱]

---

[۱] مسند احمد حنبلؒ جلد اوّل ص ۶۳

اللہ تعالیٰ کی گرفت اور آخرت کے خوف سے اس قدر ترساں و لرزاں رہتے کہ اگر آپ نے کسی خادم کو اس کی کوتاہی پر معمولی سزا بھی دیدیتے تو کچھ دیر کے بعد خوفِ خدا دامن گیر ہو جاتا اور اس سے معذرت کرتے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ ایک روز میں نے تیرا کان کھینچا تھا تو بھی میرا کان کھینچ لے۔ جب آپ کے اصرار پر اس نے آپ کا کان کھینچا تو آپ نے فرمایا کہ زور سے کھینچ کیونکہ یہاں کا قصاص آخرت کے قصاص سے کہیں بہتر ہے[1]۔

شغفِ عبادت

حضرت عثمانؓ نماز بڑے انہماک سے پڑھتے۔ ہر نماز سے پہلے وضو کرتے خواہ وضو قائم ہی کیوں نہ ہوتا۔ ایک روایت کے مطابق ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرتے۔ رات کے ابتدائی حصے میں تھوڑا سا سو لینے کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے اور رات کا باقی سارا حصہ عبادت میں گذار دیتے ہر نماز کے بعد عدم قبولیت کے خوف سے ستر بار استغفار پڑھتے۔ نماز باجماعت کے موقع پر جب لوگ کھڑے ہو جاتے اور صف بندی ہو جاتی۔

---

[1] ازالۃ الخفا جلد دوم ص ۲۲۵

تو آپ فرماتے" صفیں برابر کرو اور مونڈھے سے مونڈھا ملائے رہو کیونکہ صفیں برابر اور سیدھی کرنا نماز پورا کرنے میں شمار ہے یہ کہہ کر آپ خاموش ہو جاتے اور منتظر رہتے۔ جب لوگ آکر خبر دیتے کہ صفیں درست ہو گئیں تو آپ نماز شروع کرتے[۱]"

" امام مالکؒ بروایت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب عثمانؓ مسجد میں عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لائے۔ نمازی اس وقت کم تھے۔ آپ مسجد میں ایک طرف کو نمازیوں کے انتظار میں لیٹ گئے۔ اتنے میں عبدالرحمٰن راوی حدیث آئے اور آپ کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے اپنا نام بتایا۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم کو کتنا قرآن شریف یاد ہے جتنا انہیں یاد تھا انہوں نے بتا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب عبادت میں گذار دی اور جو شخص صبح کی جماعت میں شریک ہوا گویا وہ تمام شب بیدار رہا[۲]" حضرت عثمانؓ رمضان کے علاوہ بکثرت روزے رکھتے اور اکثر روزے سے ہوتے۔ آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان چند صحابہ میں سے

---

[۱] [۲] مسلم شمس التواریخ جلد چہارم ص ۱۰۹

تھے جنہوں نے حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں سارا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ قرآن سے آپ کو عشق تھا اس کی بکثرت تلاوت فرماتے اور لوگوں کو قرآن پڑھنے، اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہتے۔

منکسر المزاجی و سادگی

باوجود معلوم دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا ہونے کے حضرت عثمانؓ کا لباس، طرزِ بود و باش اور لوگوں سے ملنے جلنے کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ شان و شکوہ اور طاقت و جبروت کا اظہار آپ کے کسی فعل سے نہ ہوتا تھا۔ حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد میں سر کے نیچے چادر رکھ کر سو جاتے۔ جب آپ مسجد میں فروکش ہوتے تو لوگ آکر آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور آپ ان سے اس طرح گفتگو کرتے جیسے آپ انہیں کی جماعت کے ایک معمولی رکن ہیں۔ مسجد نبویؐ میں لحاف اوڑھ کر سو جاتے اور آپ کے پاس کوئی (پہریدار وغیرہ) نہ ہوتا حالانکہ آپ امیر المومنین تھے۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا وہ اس وقت قیلولہ کر کے اٹھے تھے اور ان کے پہلو پر چٹائی کے نشان تھے۔

عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ

جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس وقت جو لباس آپ کے زیب تن تھا۔ اس کی قیمت چار یا پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔ ایک موقع پر ایک شخص نے حضرت امام حسنؓ سے پوچھا کہ عثمانؓ کس قسم کی چادر استعمال کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ قطری (چادر کی ایک قسم ہے) اس شخص نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہو گی۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ آٹھ درہم۔ اس شخص نے پوچھا کہ آپ کرتا کیسا استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ نے جواب دیا کہ لمبا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ اس کی قیمت کتنی ہو گی۔ آپ نے فرمایا۔ آٹھ درہم [1]

خلیفۂ وقت اور امیر المومنین ہونے کے علاوہ آپ عرب کے متمول ترین لوگوں میں سے تھے۔ غلاموں یا خادموں کی کمی نہ تھی مگر آپ کسی خادم یا غلام سے اتنا کام نہ لیتے جو اس کی بساط سے زیادہ ہوتا بعض دفعہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے خصوصاً رات کے وقت کسی خادم کو نہ جگاتے۔ ہاں اگر کوئی جاگ رہا ہوتا تو اسے بلا کر وضو کا پانی منگوا لیتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ رات کو نمازِ تہجد پڑھنے اٹھتے تو کسی کو بیدار نہ کرتے بلکہ خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم ص۲۲۵

سوائے اس کے کہ کوئی جاگ رہا ہوتا۔ جب کسی نے آپ سے کہا کہ آپ خادم کو کیوں نہیں اٹھا دیتے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ "نہیں، رات کو انہیں بھی آرام کرنے کا حق ہے[1]"

شرم و حیا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ الحیاء من نصف الایمان کہ حیا ایمان کا نصف حصہ ہے حضرت عثمانؓ اس حیاء کا مجسمہ تھے۔ ان کی سیرت کا یہ جوہر ان کے دوسرے اوصاف میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عثمانؓ سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ "میری امت میں سب سے زیادہ با حیا عثمانؓ ہیں[2]"

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ اس حالت میں لیٹے ہوئے تھے کہ آپ کی پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اسی دوران میں ابوبکرؓ آئے آپ اسی طرح لیٹے گفتگو فرماتے رہے، پھر عمرؓ آئے ان کے ساتھ بھی آپ اسی طرح گفتگو فرماتے رہے۔ ان کے بعد عثمانؓ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۲۱۴ [2] مشکوٰۃ باب مناقب العشرہ

اپنی پنڈلیوں کو کپڑے سے ڈھانپ لیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ آئے تو آپ اسی طرح بیٹھے رہے مگر جب عثمانؓ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنا کپڑا درست کر لیا۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ "میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں"[1]

ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے گفتگو فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عثمانؓ حاضر ہوئے۔ آپ نے فوراً حضرت عائشہؓ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ جب حضرت عثمانؓ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ نے عثمانؓ کے آنے پر مجھے کیوں ہٹا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے مزاج میں حیا کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ جب وہ تمہیں میرے پاس دیکھتے تو شرم کی وجہ سے واپس چلے جاتے اور جس کام کے لئے آئے تھے اس کے متعلق کوئی بات نہ کرتے[2]

آپ کے مزاج پر شرم و حیا کا اس قدر غلبہ تھا کہ اپنا عریاں جسم بھی نہ دیکھتے تھے۔ مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ غسل خانے میں ہوتے

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب عثمانؓ [2] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۰۳

مگر پھر بھی نہاتے وقت کپڑا اپنے جسم سے الگ نہ کرتے۔ حتیٰ کہ اپنی پیٹھ بھی پوری طرح سیدھی نہ کرتے[1]

آپ ان تمام امور سے سخت پرہیز کرتے جو شرم و حیا کے خلاف ہوتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ایامِ جاہلیت اور زمانۂ اسلام میں نہ تو میں ننگا ہوا اور نہ گانا گایا اور نہ کبھی میرے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی[2]"

رسولؐ اللہ کی نظر میں

حضرت عثمانؓ کے یہی وہ روحانی و اخلاقی کمالات تھے جن کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہیں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضورؐ عام مسلمانوں سے بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے محبت کریں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھنے تشریف لائے مگر پھر آپ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۲۱۴   [2] تاریخ طبری جلد سوم ص۴۲۱

کسی کا جنازہ نہ پڑھا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔

"یہ شخص عثمانؓ کے خلاف عداوت رکھتا تھا اس لئے اللہ جلّ شانہ نے اسے مبغوض قرار دیا ہے[1]"

اب ہم ذیل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ارشادات ارشادات درج کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ حضورؐ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا کیا مرتبہ تھا۔

ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعتِ صحابہ کے ساتھ ایک مکان میں تشریف فرما تھے۔ اس جماعت میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص شامل تھے کہ اتنے میں حضور نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے ہر شخص اپنے ہم کفو کے ساتھ کھڑا ہوجائے یہ کہہ کر آپؐ حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور ان سے بغل گیر ہو کر فرمایا کہ تم دنیا و آخرت دونوں میں میرے ولی ہو۔

ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ ہمارے باپ ابراہیمؑ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۲۱۱

مشابہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی ورسول کی امت میں کوئی نہ کوئی اس کا دوست ہوتا ہے میرا دوست عثمانؓ ہے۔ مُرّہؓ بن کعب کہتے ہیں کہ میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ قریب ہے۔ اسی دوران میں ایک صاحب چادر سر سے اوڑھے ہوئے ادھر سے گذرے جہاں رسولِ خدا اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے۔ جناب رسولِ خدا نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس فتنہ وفساد کے دن یہ شخص راہِ راست پر ہوگا۔ مرۃ بن کعب کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر اس شخص کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ شخص عثمانؓ تھے۔ پھر میں نے خدمت نبویؐ میں عرض کیا کہ کیا آپ نے ان کی نسبت فرمایا تھا۔ ارشاد ہوا ہاں میں نے انہیں کے متعلق کہا تھا[1]۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عثمانؓ زندہ ہیں اس وقت تک خداوند تعالیٰ کی تلوار نیام میں بند ہے جب وہ قتل ہوں گے وہ تلوار نیام سے باہر نکل آئے گی۔ پھر قیامت تک نیام میں نہ ہوگی۔

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم ص۲۲۷

عبداللہ بن حوالہؓ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ:۔
تم لوگ ایک ایسے شخص پر متفق ہو گے جو سر پر چادر کا عمامہ باندھے ہو گا اور اسی وضع سے لوگوں کی بیعت لے گا۔ وہ شخص اہل جنت میں سے ہو گا۔ راوی کا بیان ہے کہ بیعت کے دن جناب عثمانؓ حیرہ کی چادر سر پہ لپیٹے ہوئے تھے اور لوگ چاروں طرف سے گھیرے بیعت کر رہے تھے۔[1]

ازواج واولاد

حضرت عثمانؓ نے آٹھ بیویاں کیں۔ آپ نے پہلی شادی ایام جاہلیت میں کی تھی۔ ام عمرو بنت جندب بن عمرو بن جمہ دوسیہ آپ کی پہلی بیوی تھیں ان کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ خالد۔ ابان۔ عمرو اور مریم۔ اپنے بیٹے عمرو کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو عمرو تھی مگر جب حضرت رقیہؓ سے نکاح کے بعد آپ کے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ نے پہلی کنیت ترک کر کے ابو عبداللہ کنیت اختیار کر لی۔ دوسری شادی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر حضرت رقیہؓ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا مگر وہ چھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کے بطن سے اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

---

[1] شمس التواریخ

یہاں تک کہ وہ ۲ھ میں وفات پاگئیں۔

حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ ان کے نکاح میں دیدی۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اور چند سال کے بعد ۹ھ میں یہ بھی انتقال کرگئیں۔

حضرت عثمانؓ نے چوتھی شادی فاختہ بنت غزوان سے کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ اصغر پیدا ہوئے مگر صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔

آپ کی پانچویں بیوی کا نام فاطمہؓ بنت ولید بن مغیرہ مخزومیہ تھا۔ ان سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام ولید اور سعید تھے اور لڑکی کا نام ام سعید تھا۔

چھٹی بیوی ام البنین بنت عینیہ بن حصن فرازیہ تھیں ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبدالمالک تھا۔ یہ بچپن میں فوت ہوگیا۔

ساتویں بیوی رملہ بنت شیبہ تھیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عائشہ، ام ابان، ام عمرو۔

آٹھویں بیوی کا نام نائلہ بنت فرافصہ تھا۔ پہلے عیسائی تھیں پھر اسلام لے آئیں۔ اسکے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان سے دو اولادیں ہوئیں عنبہ اور ام البنین۔

شہادت کے وقت رملہ، نائلہ اور فاختہ تین بیویاں موجود تھیں۔ چوتھی بیوی ام البنین کو آپ نے حالت محاصرہ میں طلاق دیدی تھی۔

نظامِ سلطنت
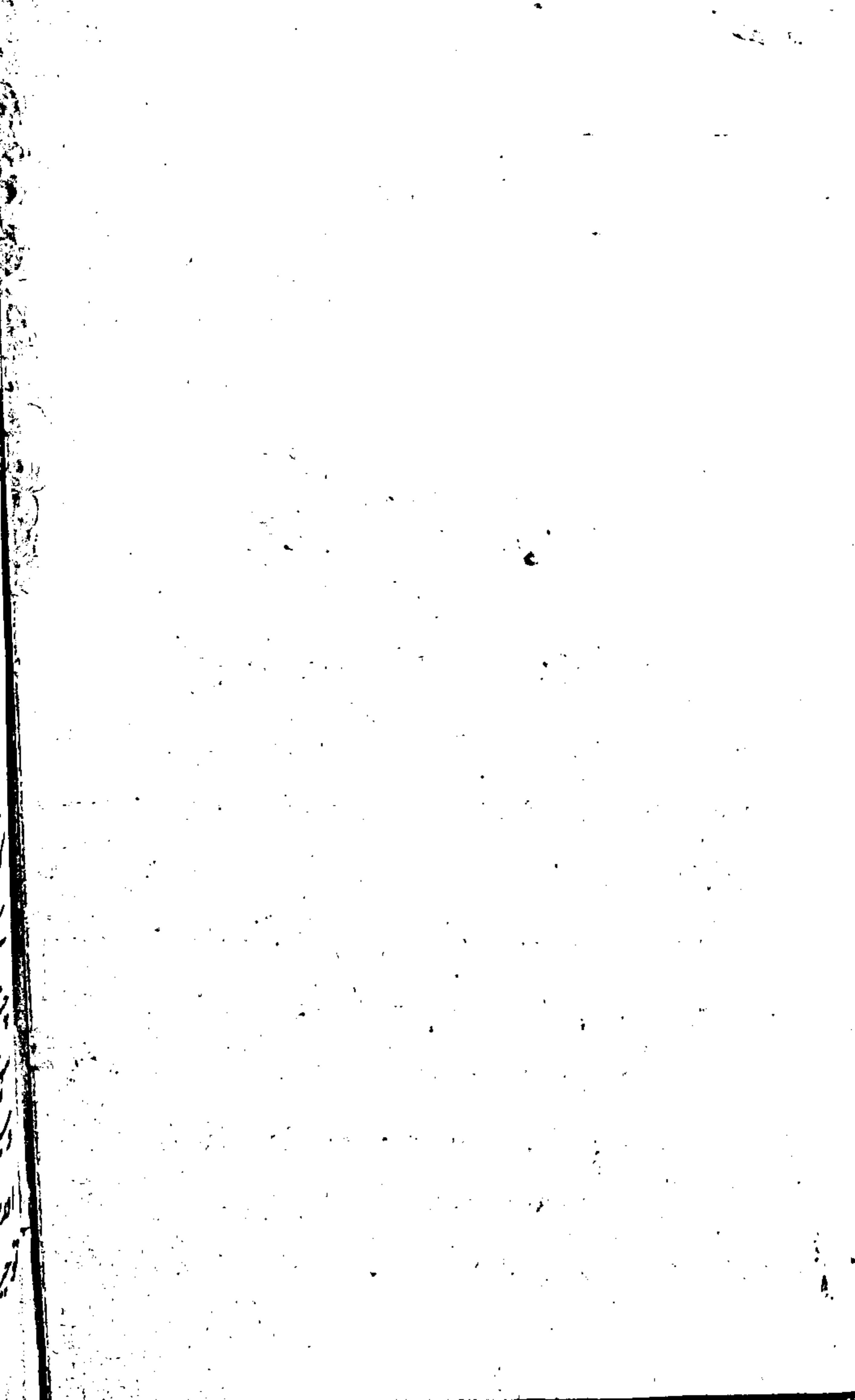
نظامِ سلطنت

حضرت عمرؓ کی آہنی اور بلند و بالا شخصیت اور ان کے عظیم الشان انتظامی کارناموں نے حضرت عثمانؓ کی شخصیت کو چھپا لیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے عہدِ خلافت کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اپنے بلند عزائم، اپنی سیاسی بصیرت اور اپنی انتظامی قابلیت کے اعتبار سے حضرت عثمانؓ کا پایہ بہت اونچا تھا اور وہ دنیا کے اُن چند حکمرانوں میں سے تھے جن کے عہدِ حکومت کو GOLDEN PERIOD. سنہرا دور کہا جا سکتا ہے۔ ان کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ بے حد وسیع ہوا۔ تبلیغِ اسلام کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا گیا اور ہزاروں ہزار بت پرست اور منکرِ خدا دائرہ اسلام میں داخل ہو کر توحید پرست ہو گئے۔ انہوں نے غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی دستگیری

کی۔ فوج کو جدید خطوط پر منظم کیا۔ نظامِ مملکت میں نہایت مفید اصلاحات کیں۔ رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کئے۔ مملکت کے مختلف حصوں میں کنوئیں، مہمان خانے اور دریاؤں پر بند تعمیر کرائے۔ نئی نئی چھاؤنیاں اور قلعے بنوائے۔ ان کے عہد خلافت میں عسرت و تنگدستی کا نام تک نہ تھا۔ ساری رعایا نہایت فارغ البالی اور خوش حالی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے اپنی مملکت میں ایک فرمان جاری کیا جس میں درج تھا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ ان امور پر عمل کرے جن کا اسلام حکم دیتا ہے اور ان باتوں سے بچے جن سے اسلام روکتا ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہ سمجھے کہ وہ حقیر ہے اور یقین رکھے کہ انشاء اللہ قوی اور ظالم کے مقابلے میں ناتواں اور مظلوم کو میری حمایت حاصل رہے گی — یہ صرف ہمارا خیال نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ منافقوں اور مفسدوں کی وجہ سے جو فتنہ برپا ہوا اگر وہ برپا نہ ہوتا تو ان کا دورِ حکومت حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت سے بھی زیادہ درخشاں و تابندہ ہوتا۔ اب ہم ذیل میں حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے شاندار کارناموں کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

لے تاریخ طبری جلد سوم ص۴۲۷

حکام کا محاسبہ

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بہت نرم مزاج انسان تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے مزاج میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسی سختی نہ تھی اور وہ فطرتاً نہایت رحم دل واقع ہوئے تھے لیکن ان کی یہ نرمی اپنی ذات تک تھی یعنی اگر کوئی شخص انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کا سلوک کرتے تھے مگر قومی اور ملکی معاملات میں وہ اپنی طبیعت کی اس نرمی کو قریب بھی نہ آنے دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص حدودِ شریعت کی خلاف ورزی کرتا۔ حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا تو حضرت عثمانؓ اس کا نہایت سختی سے محاسبہ کرتے اور سزا دینے میں ذرا کوتاہی نہ کرتے۔ خصوصاً حکام کے طرزِ عمل کا وہ کڑی نظر سے جائزہ لیتے اور جب انہیں کسی کے خلاف شکایت پہنچتی تو تحقیق کے بعد اسے قرار واقعی سزا دیتے چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب ولید بن عقبہ پر جو حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے شراب نوشی کا الزام لگایا گیا اور مقدمہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے گواہوں کے بیانات سننے کے بعد فوراً حدِ شرعی جاری کر دی[1]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۴۳

اور اپنے سامنے کوڑے لگوائے۔[1]

اسی طرح جب کوفہ کے چند ڈاکوؤں نے ایک شخص علی ابن الحیسمان کے گھر نقب لگائی اور صاحب خانہ کے شور مچانے پر اسے قتل کر دیا تو اس واقعے کی رپورٹ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ آپؓ نے رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنر کوفہ کو حکم دیا کہ ان تمام ڈاکوؤں کو مجمع عام میں کھڑا کر کے گردن مار دی جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ان لوگوں کو قصرِ امارت کے سامنے کھڑا کر کے سب کے سر اڑا دیئے گئے۔[2]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کس پائے کے فاتح اور کس رعب اور دبدبے کے انسان تھے مگر جب انہوں نے کوفہ کے بیت المال سے قرض لیا اور اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے مدت مقررہ میں ادا نہ کر سکے تو حضرت عثمانؓ نے ان پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کسی توقف کے بغیر انہیں ان کے عہدے سے برطرف کر دیا۔[3] اس کے بعد ان سے اس رقم کا پرزور مطالبہ کیا اور وصول کر کے بیت المال میں جمع کرا دی۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۶ [2] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۵۱

اسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص کس مرتبے کے آدمی تھے۔ مصر کے فاتح اور اپنے زمانے کے بہت بڑے جرنیل تھے مگر جب مصر میں نہریں جاری ہو جانے کے باوجود بھی خراج کی رقم میں اضافہ نہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے انہیں ان کے عہدے سے بلا کسی توقف کے معزول کر دیا۔ کیونکہ نہریں کھدوانے پر زرِ کثیر خرچ ہوا تھا۔ ضروری تھا کہ نہریں جاری ہونے کے بعد زراعت میں ترقی ہوتی۔ پیداوار میں اضافہ ہوتا اور خراج کی رقم بھی اسی نسبت سے بڑھتی تاکہ نہروں کی کھدائی پر مسلمانوں کے بیت المال سے جو رقم خرچ کی گئی تھی کم از کم وہ تو واپس آجاتی مگر حضرت عمروؓ بن العاص خراج کی رقم میں اضافہ نہ کر سکے اس لیے حضرت عثمانؓ نے بجا طور پر یہ نتیجہ نکالا کہ عمروؓ بن العاص کی ذات سے مسلمانوں کے بیت المال کو فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے اس لیے انہیں برطرف کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر مقرر کر دیا جس کے زمانے میں خراج کی رقم میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ (۱)

فوجی انتظامات

حضرت عثمانؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فوجی شعبے کی طرف بطورِ خاص توجہ فرمائی۔ آپ کے عہدِ خلافت سے پہلے فوج کا محکمہ

---

(۱) طبری جلد سوم ص۴۱۲

الگ نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے ایک مستقل شعبے کی حیثیت دی۔ اہم مقامات میں اس کے دفاتر قائم کئے اور ہر دفتر میں اس کے نگران مقرر کئے جو فوج ہی سے لئے گئے تھے۔ آپ اس نکتے سے بخوبی واقف تھے کہ فوج کو ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے جس ملک کی فوج معاش کی فکر سے آزاد، اعلےٰ درجے کے اسلحہ سے لیس اور ماہرِ فن افسروں کے ماتحت ہو گی اس کا مقابلہ دنیا کی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے فوج کے عملے کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی فوج کے سپاہیوں کو جو تنخواہ دی جاتی تھی حضرت عثمانؓ نے اس پر سو درہم کا اضافہ کر دیا[1]۔

فوج کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش اور افزائش کے لئے انہوں نے مختلف علاقوں میں مراکز قائم کئے جہاں بڑی بڑی چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ ان چراگاہوں میں صرف فوج کے گھوڑے اور اونٹ چرتے تھے۔ اس طرح فوجی مقاصد کے لئے نہایت تیز رفتار اور مضبوط گھوڑے اور اونٹ حاصل ہونے لگے۔ اس کا فوج کی

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۱۴۸

کارکردگی پر بہت اچھا اثر پڑا۔

حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا کارنامہ اسلامی بحریہ کا قیام ہے۔ حضرت عثمانؓ سے پہلے اسلامی فوج میں بحریہ کا شعبہ نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ رومی اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہوتے اور ہماری سرحدوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اگر ہمارے پاس بھی رومیوں کی طرح بحری بیڑہ ہو تو رومیوں کو اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو گی۔ ابتدا میں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی درخواست منظور نہ کی مگر ان کے اصرار پیہم پر بحری بیڑا قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ عبدالرحمٰن بن قیس حارثی اسلامی بحریہ کے سب سے پہلے امیر تھے[1] اسلامی بحری بیڑے کی تیاری کے بعد رومیوں کی ایسی سرکوبی کی گئی کہ پھر انہیں اسلامی سرحدوں کی طرف آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے رومیوں پر پے در پے حملے کیے جن میں انہیں عظیم الشان کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ یہ کامیابیاں اسی بحری بیڑے کی رہین منت ہیں۔

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۱۷

صوبوں اور محکموں کی تقسیم

حضرت عثمانؓ نے انتظامِ سلطنت کو خوش اسلوبی سے چلانے کیلئے صوبوں اور محکموں کی تقسیم میں بعض دوررس تبدیلیاں کیں۔ طرابلس، طبرستان، قبرص اور آرمینیہ کے نئے صوبے قائم کئے اور ان پر علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر کئے جو براہِ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ دمشق کے ساتھ فلسطین، اردن اور حمص کو ملا کر شام کے نام سے ایک نیا صوبہ بنایا۔ امیر معاویہؓ کو اس صوبے کا حاکم مقرر کیا (پہلے معاویہؓ صرف دمشق کے گورنر تھے) اسی طرح فوج کو سول سے الگ کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک بری اور دوسرا بحری۔[1]

رفاہِ عامہ

حضرت عثمانؓ کو عوامی فلاح کے کاموں سے بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں رفاہِ عامہ کے سلسلے میں نہایت مفید کام کئے۔ ان میں کنوؤں، سراؤں اور مہمان خانوں کی تعمیر خاص طور

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۴۳۹

سے قابلِ ذکر ہیں چنانچہ آپ نے ضریہ، سائب اور فیدؓ کے مقام پر کنوئیں کھدوائے یہ مقامات مدینہ اور مکہ کے درمیان واقع تھے۔ ایک کنواں آپ نے مدینہ میں بھی کھدوایا اور ان سب کو عوام الناس کے لئے وقف کر دیا جن لوگوں نے عرب کی تاریخ کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ پانی کو وہاں کی زندگی میں کتنی اہمیت حاصل تھی اور اس کی قلت عربوں کے لئے کتنی مصیبتوں کا باعث ہوتی تھی خصوصاً حج کے ایام میں جب اطراف وجوانب سے ہزاروں ہزار حجاج آتے تھے تو پانی کی قلت مدینہ کے لوگوں کے لئے بڑا نازک مسئلہ بن جاتا تھا حضرت عثمانؓ نے متعدد کنوئیں کھدوا کر اور بعض قبائل سے چشمے خرید کر اس مسئلے کو نہایت عمدگی سے حل کر دیا اور عوام الناس کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دیدی۔ مسافروں کے آرام کے لئے آپ نے متعدد سرائیں اور دارالضیافت بھی تعمیر کروائے چنانچہ آپ نے کوفہ میں عقیلؓ اور ابنِ ہبار کے مکانات کو ان کے مالکوں سے خرید لیا اور انہیں مہمان خانوں کے لئے وقف کر دیا۔[۲] اسکے علاوہ مدینہ اور نجد کے راستوں میں بھی آپ نے متعدد سرائیں بنوائیں۔ چشمے

---

[۱] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۷-۳۲۶ و وفاءالوفا جلد سوم

[۲] تاریخ طبری جلد سوم ص۳۲۶

اور کنوئیں کھدوائے اور مہمانوں کی آسائش کے جملہ اسباب مہیا کئے۔

فقرا اور مساکین کے لئے بھی آپ نے متعدد فلاحی ادارے قائم کئے۔ چنانچہ مدینہ میں بیر اریس خریدا اس کے ساتھ ایک قلعہ دومہ نامی تھا اسے بھی ایک قبیلہ سے خرید لیا۔ ایک اور قلعہ کیدمہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے چالیس ہزار دینار میں خریدا اور ان سب کو ملا کر یتامیٰ و مساکین کے لئے ایک وسیع و عریض عمارت تعمیر کی جس میں مدینہ اور اس کے مضافات کے غربا اور یتامیٰ کے لئے رہائش اور خوراک وغیرہ کے جملہ انتظامات کئے۔

رفاہ عامہ کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا ایک اور عظیم الشان کارنامہ خاص طور سے قابل ذکر ہے اور وہ ہے دریاؤں پر بند کی تعمیر۔ ایک روایت[1] کے مطابق مدینہ میں خیبر کی طرف سے سیلاب آجایا کرتا تھا اور بعض دفعہ اس سے شہر کو شدید نقصان ہوتا تھا۔ ایک بار ایسا سخت سیلاب آیا کہ مسجد نبویؐ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک مضبوط بند تعمیر کرایا اور ایک نہر کھدوا کر پانی کا رخ دوسری جانب مڑوا دیا۔ اس طرح مدینۃ الرسولؐ اور

---

[1] وفاء الوفا جلد دوم ص۲۱۶

مسجد نبویؐ سیلاب سے محفوظ ہو گئے۔

اقتصادی وتمدنی حالت

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے جو اقتصادی اور تمدنی ترقی کی اسکی نظیر کم ہی ملیگی۔ مورخین کا بیان ہے کہ مدینہ، مکہ، طائف اور یمن میں دولت کی فراوانی تھی ایران، خراسان، عراق، شام، فلسطین اور مصر میں بھی مسلم اور غیر مسلم دونوں بڑی فراغت اور آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مدینہ میں نہایت عالیشان عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ لوگ نہایت صاف اور عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ غربت وافلاس کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک ایک گھوڑا ایک ایک لاکھ درہم میں فروخت ہوتا تھا خاص مدینہ میں ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی[۱] عمارتیں پتھر چونے اور گچ سے تعمیر کی جاتی تھیں اور نہایت خوبصورت اور وسیع ہوتی تھیں۔ بعض صحابہ نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے طور پر مہمان خانے اور دارالضیافت تعمیر کرائے تھے چنانچہ حضرت زبیرؓ بن العوام نے بصرہ میں اپنا نہایت عالی شان مکان تعمیر کرایا اور اس کے ساتھ ایک شاندار اور وسیع و عریض مسافر خانہ بھی بنوایا جس میں مسافروں کی آرام و آسائش کے جملہ اسباب مہیا کئے[۲] ابن کثیر کا بیان ہے کہ بیت المال کے دروازے امت کیلئے کھلے ہوئے تھے، ہر روز

۱؎ شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۳۸۵ ۲؎ شمس التواریخ حصہ چہارم صفحہ ۳۹۶

منادی اعلان کرتا کہ بیت المال میں آکر اپنا حصہ لے لو چنانچہ ضرورت مند لوگ جاتے اور بیت المال سے نقد روپیہ کپڑے، شہد اور روغن لے آتے۔ عطیات اور رزق کی کثرت تھی۔ دشمن پر مسلمانوں کی ہیبت طاری رہتی تھی۔ مسلمانوں کے مابین محبت و الفت تھی۔ کوئی مسلمان دوسرے سے خوفزدہ نہ تھا[1]

جب رمضان المبارک قریب آتا تو حضرت عثمانؓ مسلمانوں کیلئے عام دنوں سے زیادہ فیاض ہو جاتے اور ہر شخص کیلئے ایک درہم یومیہ اور امہات المومنین کیلئے دو درہم یومیہ مزید وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔ اعتکاف میں بیٹھنے والوں فقراء و مساکین اور مسافروں کیلئے مسجد نبوی میں دسترخوان بچھا دیا جاتا لوگ آتے اور اس سے فیضیاب ہوتے[2]

خلیفہ ہوتے ہی حضرت عثمانؓ نے عام لوگوں کے وظائف میں سو درہم ماہانہ کا اضافہ کر دیا۔ شیر خوار بچے حتیٰ کہ ایک دن کے بچے کو بھی وظیفہ دیا جاتا۔ ایک سال سے کم عمر کے بچے کو پچاس درہم ماہانہ اور ایک سال یا اس سے زیادہ عمر کے بچے کو سو درہم ملتا[3]

غرض یہ کہ حضرت عثمانؓ کا عہدِ خلافت امتِ مسلمہ کیلئے رحمتِ خداوندی کے نزول کا عہد تھا۔ رزق میں فراخی۔ امن و عافیت، آپس کی محبت و شفقت اور تہذیب و تمدن کی برتری کے لحاظ سے یہ دور اپنی مثال آپ تھا اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کا عہدِ خلافت حضرت عمرؓ کے زمانے سے بھی بہتر تھا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۲۱۳ [2] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۱۴۵

[3] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صـ۲۱۳

علم و فضل

علم و فضل

حضرت عثمانؓ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تھی اس میں جہالت کا دور دورہ تھا اور علم ایک گالی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر کوئی شخص لکھنا پڑھنا جانتا بھی تھا تو وہ اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ کیونکہ تعلیم یافتہ ہونا قریش کے نزدیک سخت معیوب تھا سارے قریش میں آٹھ افراد ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں میں سے ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ یہ نوشت و خواند ان کے حق میں باعث رحمت ثابت ہوئی۔

کتابتِ وحی

وہ ان چند افراد میں سے تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کی کتابت پر مامور فرمایا تھا اور یہ بہت بڑا شرف ہے چنانچہ

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک روز رات کے وقت حضورؐ پر وحی نازل ہوئی اس وقت حضرت عثمانؓ خدمت نبوی میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ یہ آیات تحریر کرلو۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت وہ آیتیں لکھ لیں۔[۱]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اکثر وحی اور اللہ تعالیٰ کے ان اسماء الحسنیٰ کو تحریر کر لیتے تھے جن کو پوشیدہ رکھنا مقصود ہوتا تھا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ایک روز عثمانؓ رسول اللہ کے پاس بیٹھے تھے اور آپ پر اس حالت میں وحی اتری کہ آپ میرے سہارے اپنی پیٹھ لگائے تشریف فرما تھے۔ آپ نے عثمانؓ سے فرمایا کہ لکھو۔[۲]

جب سورہ مفصل نازل ہوئی تو حضرت عثمانؓ ہی کو یہ سورت ضبطِ تحریر میں لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس عزّ و شرف کا خود حضرت عثمانؓ نے بھی اس وقت اظہار کیا تھا۔ جب باغیوں نے یورش کر کے آپ کا دستِ مبارک قطع کر دیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ یہ پہلا ہاتھ ہے جس نے سورۂ مفصل تحریر کی تھی۔[۳]

---

[۱] کنز العمال جلد ششم صفحہ ۳۷۵ [۲] [۳] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ [illegible]

قرآن کی قرأت اور اس کی تفسیر کے بھی آپ بہت بڑے ماہر تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے قرأت کا فن آپ ہی سے سیکھا تھا۔ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں کے وقتِ نزول اور شانِ نزول سے بھی آپ واقف تھے۔

علمِ حدیث

روایت حدیث میں بھی حضرت عثمانؓ کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہیں طویل عرصے تک خدمتِ نبویؐ میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اپنے آقاؐ کی زبان مبارک سے ہزاروں کلمات سنے مگر جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی تعداد ایک سو چالیس بیان کی گئی ہے۔ آپ کی روایت کردہ بعض احادیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے قبول کیا ہے۔ آپ کو حضورؐ سے جو گہرا اور قریبی تعلق تھا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی مگر اس معاملے میں آپ بہت محتاط تھے اور وہی حدیث بیان کرتے تھے جس کی صحت میں آپ کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہوتا تھا۔ جن اکابر صحابہ اور تابعین نے آپ سے حدیث روایت کی ہے ان میں زیدؓ بن ثابت، انسؓ بن مالک، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابوقتادہؓ، زیدؓ بن خالد جہنی، عبداللہ بن زبیرؓ،

سائبؓ بن یزید، سلمہؓ بن اکوع، ابو اُمامہ باہلی اور عبداللہ بن مغفل شامل ہیں۔

ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت کی ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں عثمانؓ کے سوا کسی اور صحابی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس قدر عمدگی سے پوری طرح حدیث کی روایت کرتا ہو۔ وہ روایت کرنے سے (ازراہِ احتیاط) بہت ڈرتے تھے۔

علم المسائل

حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دین کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سبقاً سبقاً سیکھا تھا یہی وجہ ہے کہ انہیں مسائلِ دین پر بڑا عبور حاصل تھا۔ ان کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایسے بہت سے نازک مسائل کا انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے فیصلہ کر دیا جن میں صحابہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے چنانچہ تاریخ میں آتا ہے بعض صحابہ کا خیال تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بعض کہتے تھے کہ نہیں ٹوٹتا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

---

[1] تاریخ الخلفاء تذکرہ عثمانؓ بن عفان (سیوطی)

وہ اس طرح کہ ایک روز آپ مسجد نبوی کے دروازے میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص بکری کے بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا آپؓ کے پاس لایا آپ نے اسے دانتوں سے توڑ توڑ کر کھایا پھر مسجد میں گئے اور تجدید وضو کے بغیر نماز پڑھی اور فرمایا کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست گاہ میں بیٹھا، جناب رسولؐ خدا نے جو چیز کھائی تھی وہ کھائی اور حضور اقدس کی طرح (کھانے کے بعد تازہ وضو کئے بغیر) نماز پڑھی"۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عثمانؓ نے حدیث اور سنت دونوں کی کتنی عظیم الشان خدمت کی۔

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ بن عبید اللہ نے ابان بن عثمان کے پاس جو اس وقت مکہ معظمہ میں سردارِ حج تھے اپنا آدمی بھیجا اور اس کی زبانی دعوت دی کہ طلحہؓ بن عمر کا نکاح شیبہ بن جبیر کی لڑکی کے ساتھ کرنے والا ہوں آپ بھی اس محفلِ عقد میں شرکت فرمائیں۔ ابان احرام باندھ چکے تھے اور عمر بن عبید اللہ بھی احرام میں تھے۔ ابان نے مجلس نکاح میں جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے جناب عثمانؓ سے سنا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص حالتِ احرام میں نہ اپنے نکاح کا

پیغام دوسرے کو بھیجے اور نہ دوسرے کا پیام نکاح اپنے لئے منظور کرے[1]

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگ جن اکابر صحابہ سے دینی مسائل دریافت کرتے تھے ان میں ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ ابن کعب کا نام سر فہرست ہے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فہرست میں حضرت عثمانؓ کا نام بھی شامل ہے گو فقیہہ کی حیثیت سے ان کا پایہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین حضرت علیؓ کے برابر تو نہ تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دینی مسائل سے انہیں پوری طرح واقفیت تھی اور بعض دفعہ ان کے فتووں کی حضرت علیؓ اور ابیؓ ابن کعب جیسے فقیہہ بھی تائید کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن خالد الجہنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عثمانؓ بن عفان سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ پھر علیؓ، پھر زبیرؓ، طلحہؓ اور ابیؓ ابن کعب سے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا۔ ان لوگوں نے اس کا وہی جواب دیا جو عثمانؓ نے دیا تھا[2]

---

[1] شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۰۶ [2] بخاری کتاب الغسل و کتاب الوضو

مقدمات کے فیصلے

خلیفہ ہونے کے بعد آپ کے سامنے طلاق، نکاح، میراث اور اس قسم کے متعدد مقدمات پیش ہوئے۔ ان مقدمات کا آپ نے جس عمدگی سے فیصلہ کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہہ تھے اور آپ میں نہایت اعلیٰ درجے کی قوت فیصلہ موجود تھی۔ چنانچہ احمد بن رباح سے روایت ہے کہ "میرا نکاح میرے آقا نے ایک رومی لونڈی سے کر دیا۔ میں اس سے ہم بستر ہوا اس سے سیاہ فام لڑکا میرا ہم شکل و ہم رنگ پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر دوبارہ اس سے ہم بستر ہونے کا اتفاق ہوا۔ دوسرا لڑکا پیدا ہوا وہ بھی شکل و صورت اور رنگ میں مجھ سے مشابہ تھا کچھ دن کے بعد ایک رومی غلام جس کا نام یوحنس تھا میری رومی بیوی کی طرف مائل ہوا۔ اسے بھی غلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ دونوں کے درمیان رومی زبان میں بات چیت ہوئی اور موقع پا کر دونوں ایک دوسرے سے ہم بستر ہو گئے۔ پھر جو لڑکا پیدا ہوا تو سرخ رنگ کا۔ میں نے لونڈی سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کس کا نطفہ ہے۔ آخر اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ یوحنس کا نطفہ ہے۔ جب ہم دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا اور

ہیں نے جناب عثمانؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ غلام اور لونڈی دونوں نے ایک دوسرے سے ہم صحبت ہونے کا اقرار کیا۔ یہ سن کر جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تمہارا ایسا فیصلہ کرتا ہوں جیسا فیصلہ جناب رسولؐ خدا نے کیا تھا۔ پھر آپ نے فیصلہ کیا کہ لڑکا اس کا ہے جس کی یہ عورت بیوی ہے اور زانی پر حد ہے۔ یہ فیصلہ صادر فرما کر جناب عثمانؓ نے دونوں کو درّے لگوائے۔[۱]

اسی طرح میراث کا ایک مقدمہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں پیش ہوا امام مالکؒ محمد بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے دادا حبّان کی دو بیویاں تھیں۔ ایک ہاشمیہ، دوسری انصاریہ۔ میرے دادا نے انصاریہ بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کی گود میں بچہ تھا جس کو وہ دودھ پلاتی تھی۔ اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا جب میرے دادا حبّان نے انتقال کیا تو اس عورت نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو میراث ملنی چاہیئے کیونکہ ابھی تک مجھے حیض نہیں آیا اور میں اب تک عدت میں ہوں اور میری عدت گزرنے کے قبل میرا شوہر فوت ہو گیا ہے لہٰذا میں وارث ہوں۔ جب ورثا میں باہم جھگڑا ہوا تو قضیہ جناب عثمانؓ کے روبرو پیش ہوا۔ آپ نے

---

[۱] شمس التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۰۷

زوجہ انصاریہ کو میراث دلائی۔ ہاشمیہ عورت نے اس فیصلے پر ناراضگی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ تیرے چچا کے لڑکے کی رائے سے ہوا ہے۔ (یعنی جناب علی مرتضیٰ کی رائے اس میں شریک ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کو حضرت علیؓ بھی درست سمجھتے اور ان کی تائید فرماتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ دیتے وقت یا بعض مسائل کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے حضرت عثمان اور صحابہ کے درمیان کبھی کبھی نظریاتی اختلاف بھی ہو جایا کرتا تھا۔ اس موقع پر حضرت عثمانؓ نہایت عالی ظرفی سے کام لیتے تھے۔ اور اگر صحابہ کی رائے زیادہ دقیع ہوتی تھی تو اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیا کرتے تھے۔

اقوالِ دانش

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے۔ زمانے کے سرد و گرم اور نشیب و فراز کا مطالعہ کر لے اور حکمرانی کے طویل تجربے نے حضرت عثمانؓ کی فکر و نظر میں بڑی وسعت پیدا کر دی تھی۔ انہوں نے

ؔ شمس التواریخ جلد چہارم ص۱۱۲

چھیاسی (۸۶) سال کی عمر میں بہت کچھ دیکھا اور اس سے بہت کچھ سیکھا۔ اپنے یہ تجربات و مشاہدات انہوں نے اپنے خطبوں، فرامین اور نجی محفلوں میں بیان کئے جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کے افکار و نظریات کا سرچشمہ قرآن تھا یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار میں نہایت پاکیزگی اور خیالات میں بڑی بلندی ہے۔ ان کے افکار کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان سے ہر زمانے میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور ہر مذہب و ملت کا شخص ان سے رہبری حاصل کر سکتا ہے۔ ذیل میں آپ کے ارشادات سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

اگر تجارت کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرو تاکہ پورا نفع حاصل کرو۔

عبودیت کی تعریف یہ ہے کہ شرعی حدود کی پابندی کی جائے جو وعدہ کیا جائے اسے ایفا کیا جائے۔ جو کچھ انسان کے پاس ہو اس پر قناعت کی جائے اور جو چیز گم ہو جائے یا جس سے انسان محروم ہو اس پر صبر کیا جائے۔

ایسے اعمال خیر جن کے انجام دینے پر تم قادر ہو قبل اس کے کہ موت آئے انہیں انجام دے لو۔

دنیا میں قیام کی بنیاد دھوکہ پر ہے ہوشیار رہو کہیں دنیا تمہیں فریب میں مبتلا نہ کردے اور شیطان خوفِ خدا سے غافل نہ کردے۔

دنیا کی فکر ظلمت ہے اور آخرت کی فکر نور ہے۔ (ہر وقت دنیا کے تفکرات میں مبتلا رہنے سے انسان ظلمت کا شکار ہو جاتا ہے یعنی خدا سے دور جا پڑتا ہے لیکن آخرت کی فکر انسان کے قلب کو نور بخشتی ہے)

(بہتر انسان وہ ہے جو گناہ کے کاموں سے بچے اور کتاب اللہ کے مطابق عمل کرے)

عارف باللہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کا دل خدا کے خوف اور اس کی نعمتوں کی امید سے معمور ہو۔ اس کی زبان خداوند تعالےٰ کی تعریف و توصیف میں مصروف رہے اس کی آنکھیں شرم و حیا سے جھکی رہیں اور خوفِ خدا کی وجہ سے ان سے آنسو بہتے رہیں اور وہ اپنے ارادے کو رضائے الہٰی کے تابع کرلے۔

متقی کی پہچان یہ ہے کہ ساری دنیا کو نجات یافتہ خیال کرے اور اپنے نفس کے متعلق سمجھے کہ وہ ہلاکت میں پڑگیا۔

وہ شخص بڑے خسارے میں رہا جسے عمر دراز ملی مگر اس نے پھر بھی آخرت کے لئے کچھ جمع نہ کیا
جس نے دنیوی زندگی اسیرِ زنداں کی طرح بسر کی اسے قبر میں راحت میسر آگئی۔
اگر تمہارے قلوب پاک ہو جائیں تو اللہ کا کلام سننے سے ہرگز سیر نہ ہوں۔ (تاریخ الخلفا از سیوطیؒ)

دینی خدمات

عثمانؓ اور خلافتِ عثمانؓ